سفرِ اقصیٰ

از انعام سحری

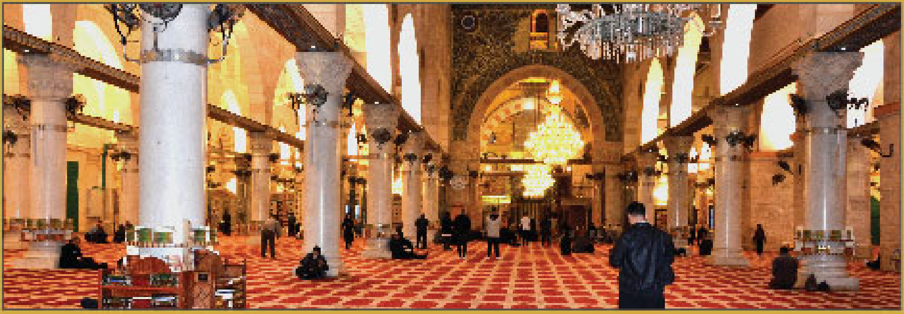

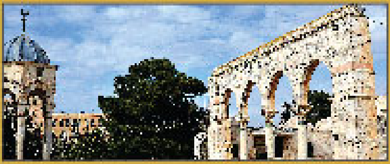

سفرِ اقصیٰ

از انعام سحری

(2018)

©2020ء جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔
یہ کتاب یا اس کا کوئی بھی حصہ یا تصویر کسی بھی شکل الیکٹرانک، مکینیکل ،فوٹو کاپی،
ریکارڈنگ یا کسی اور ذریعہ سے مصنف کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر استعمال
یا شائع نہیں کیا جا سکتا۔حوالہ یا تبصرہ کے لیے کتاب، مصنف کا نام اور صفحہ نمبر کا اندراج ضروری ہے۔

مصنف	:	انعام الرحمٰن سحری
تصاویر	:	انعام الرحمٰن سحری
کتابت و تدوین	:	سیف اللہ بخاری
ڈیزائنر	:	A. J. Communications
ایڈیشن	:	اول،2020ء
تاریخ اشاعت	:	2020ء
تعداد	:	1000
آئی ایس بی این	:	000-000-00-0000-0
طابع	:	------

915.33 سحری، انعام الرحمٰن
س ح ر سفر اقصیٰ/ انعام الرحمٰن سحری۔اول ایڈیشن،2020
ص:
تصاویر: انعام الرحمٰن سحری (2018)
آئی ایس بی این:0000000000000

1۔سفر نامہ،2۔تاریخ،3۔بیت المقدس،4۔مسجد اقصیٰ،5۔یروشلم،6۔مصنف،7۔عنوان

مصنف کی دیگر کتب کے بارے میں معلومات کے لیے رابطہ:
ویب سائٹ:https://www.inamsehri.com/
inamsehri@gmail.com

فہرست مضامین

سرِ تسلیم خم | 5

یروشلم--رخت سفر | 12

یروشلم کی مختصر تاریخ | 22

مشرقی یروشلم: قدیم شہر | 33

بیت المقدس: سنہری گنبد، حرم شریف | 44

احاطہ حرم شریف کے گنبد و مینار | 60

فصیلِ شہر اور بوہے باریاں | 75

مسجد اقصیٰ | 93

شہر نبی داؤد علیہ السلام | 109

مینار داؤد علیہ السلام اور دیوار گریہ | 121

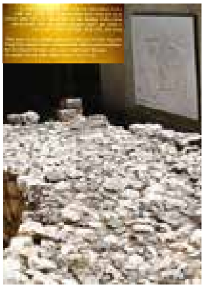
ہیکل اول ودوئم کیوں تباہ ہوئے | 136

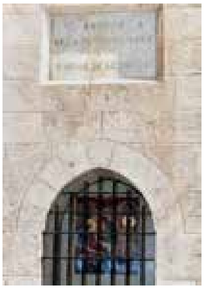
زیارات حضرت مریم علیہا السلام | 147

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش | 164

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے تدفین | 179

سینٹ جیمز کیتھڈرل | 197

حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق
اور حضرت یعقوب علیہم السلام
کے مقبرہ جات | 205

نقش پا حضرت عیسیٰ علیہ السلام | 219

قوم لوط پر عذاب کا مقام
(Dead Sea) | 228

یروشلم کے دیگر قابل ذکر مقامات | 235

سرِ تسلیم خم

اپنے قارئین کو ایک غیر معمولی خطۂ ارض سے متعارف کرانے جا رہا ہوں مگر عین ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے لیے یہ غیر اہم ہو۔

یروشلم : ایک مقدس شہر، امن سے منسوب شہر، گولڈ سٹی، دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک، ہزاروں سال قبل سے ہی یہ سینکڑوں مرتبہ شکست و ریخت سے دوچار ہوا مگر اتنی ہی بار پھر بس گیا۔ درجنوں بار فتح ہوا، مگر اتنی ہی بار تباہ و برباد ہوا۔ دسیوں بار اس شہر کی عمارات کو ملیا میٹ کیا گیا مگر اتنی ہی بار نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ اس کا دامن ہمیشہ وسیع رہا۔ اس کے در و دیوار میں تاریخ کے ان گنت ابواب دفن ہوتے رہے، مگر ہر بار نئی تاریخ لکھی جاتی رہی اور آج کل پھر ایک نئی تاریخ رقم ہو رہی ہے دیکھیے کہاں تک چلتی ہے۔

اس شہر کے ہر پتھر پر ایک کہانی لکھی نظر آتی ہے۔ زیتون کے ہر درخت پر تاریخ کا کوئی کتبہ ٹنگا نظر آتا ہے۔ ایک ہی پہاڑی کے کئی کئی نام ہیں اور مستعمل بھی۔ اس کا دارومدار اس امر پر ہے کہ آپ نے سوال کس شخص سے کیا۔ مختلف مذاہب، مختلف تہذیبوں، مختلف رنگوں اور الگ الگ سماجی و تاریخی پس منظروں کی بنیاد پر ہر شخص کے پاس عمارات، مذہبی عبادت گاہوں اور پہاڑوں کے ناموں کی ایک الگ فہرست ہے۔ اب سیاحوں کے لیے بھی یہ حیرت کی بات نہیں رہی۔

ممکن ہے کہ یروشلم اس خطے کا سب سے بڑا شہر نہ ہو مگر سب سے اہم ضرور ہے۔ آج کا یروشلم قدیم اور جدید تہذیبوں کا خوبصورت امتزاج ہے۔ اس شہر کے لوگ اب دنیا بھر کی زبانیں سمجھتے اور بولتے ہیں۔ اس کٹھالی میں عرب و اسرائیل تمدن ایک ساتھ پگھل رہے ہیں مگر دوسرے مذاہب بھی اپنا الگ الگ رنگ رکھے ہوئے ہیں۔ شہر کی خوشنمائی اپنی جگہ مگر یہاں دونوں بڑے مذاہب اپنے تشخص کی بنیاد پر بہت سی تلخیوں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تقسیم شدہ شہر ہے۔ بہت سا حصہ عربوں سے آباد ہے اور اتنا ہی یہودیوں کی نئی نسل سے۔ مگر مذہبی عبادت گاہیں سب کے لیے ایک جیسی مقدس، سب کے لیے کھلی اور سب کے لیے برابر واجب الاحترام ہیں۔ برداشت کی حدوں سے بہت اوپر، دن بدن یگانگت کی نئی تاریخ رقم کرتی نظر آتی ہیں۔ تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہزاروں برس ہی سے یہاں بہت سے مذاہب ہمیشہ ہی قابل احترام ٹھہرے اور شہر کی تہذیب نے اپنی اہمیت برقرار رکھی تاوقتیکہ روم، یونان، عراق یا ایران جیسے پڑوسیوں نے حملوں میں اسے تباہ نہ کر دیا ہو۔

یروشلم میں : یہودیوں کی آبادی کا ایک تہائی ان قدیم مذہبی روایات کو مقدم رکھتا ہے جن سے ان کی اپنی نئی نسل بھی بہت نالاں ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ ان کی گرفت شہر کی سماجی زندگی پر بہت مضبوط ہے۔ یہ قرون اولیٰ کی روایات کے پاسبان یہودی تمام دنیا سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ان کے مرد ابھی بھی اٹھارویں صدی کے قدیم لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ بس سٹاپ پر یا گلیوں سے گذرتے ہوئے یا بس میں بیٹھے بھی تورات پڑھتے نظر آتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی بہت ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے ہوتی ہیں اور زیادہ تر وہ گھروں میں رہ کر بچے پالتی ہیں۔ ملازمت یا کاروباری زندگی سے دور ہی رہنا پسند کرتی ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یروشلم میں رہنے والے عیسائی اور مسلمان خاندانوں کا ایک تہائی حصہ بھی اپنی قدیم مذہبی روایات اور رہن سہن کو ہی ترجیح دیتا ہے۔ اسی وجہ سے تینوں مذاہب کی نوجوان نسل ملازمت کے بہانے یا کاروباری امور کے ناطے یروشلم سے نقل مکانی کرتی جا رہی ہے۔ زیادہ تر نوجوان تل ابیب کا رخ کرتے ہیں جہاں انہیں لندن و پیرس کا ماحول میسر ہوتا ہے اور مذہبی پابندیاں بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ایک عام مگر اہم سوال

یہ اسرائیلی لوگ کون ہیں اور اس خطۂ ارض کو اسرائیل کیوں کہا جاتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ان کی زندگی میں ہی تبدیل کر کے حضرت اسرائیل علیہ السلام کر دیا گیا تھا اور یہ اللہ پاک ہی کی طرف سے ہوا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے نام تورات و انجیل دونوں کتابوں میں ملتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان سب کے نام تو نہیں ملتے مگر بعض جگہوں پر انہیں بنی اسرائیل کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ انہی بارہ بیٹوں سے ان کے بارہ قبیلوں نے جنم لیا۔ یہ بارہ قبیلے رب کریم کو اتنے عزیز تھے کہ قرآن پاک میں ان کا ذکر بھی بارہ مرتبہ ہی کیا گیا ہے۔ البتہ انجیل مقدس کے باب پیدائش میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی Dinah کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیویوں کے مزار یروشلم کے گرد و نواح میں ہیں۔ ایک بیوی لیاہ (Leah) کا مزار حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ

ہی حَبرون (Hebron) میں ہے جبکہ دوسری بیوی راخیل (Rachel) کا مزار یروشلم شہر سے پانچ کلومیٹر دور ایک بستی میں ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام ہی اسرائیلیوں کے جدامجد ہیں۔ ان کی زندگی کے آخری سالوں میں اس خطہ کے صوبہ کنعان میں قحط پڑا تو آپ علیہ السلام اپنے سب بیٹوں کے ساتھ مصر ہجرت کر گئے تھے جہاں ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام فرمانروا تھے۔ سترہ (17) سال بعد وہیں حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے پردہ فرما گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کے جسد خاکی کو لے کر واپس کنعان آئے۔ انہیں خاندانی وراثت (Cave of Machpelah) میں پورے شاہی اعزاز کے ساتھ دفن کرایا جہاں پہلے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی حضرت سائرہ علیہا السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، ان کی بیوی حضرت ربیکا علیہا السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی حضرت لیاہ علیہا السلام دفن تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک سو سنتالیس (147) سال عمر پائی تھی۔

مسلم امہ بھی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا وہی پیغام اپنی اگلی نسلوں کو پہنچایا جو خاتم النبیّن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ورثہ بنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں سولہ (16) مرتبہ ہوا ہے۔ اپنی وفات کے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اپنے قریب بلا کر ان سے حلف لیا تھا کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کا پیغام لے کر آگے بڑھیں گے۔ ہر بیٹے نے اپنے والد کو حلف دیا تھا کہ وہ اپنی تمام زندگی خدا کی توحید کی تبلیغ کرتے رہیں گے۔

مغرب کے بعض نام نہاد محقق حضرات نے اپنی دکانیں چمکائے رکھنے کے لیے آسمانی مذاہب کے تقابلی جائزوں میں یہ پیغام عام کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدانخواستہ اسلام انتہاپسندوں کا مذہب ہے۔ قتل و غارت پر یقین رکھنے والوں کا دین ہے حالانکہ اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ اپنے مقالات کو میڈیا پر پھیلاتے ہوئے یا تو غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں یا جان بوجھ کر فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ

☆ کوئی بھی آسمانی مذہب انتہاپسندی اور نفرت کی تبلیغ نہیں کرتا اور نہ کسی بھی آسمانی کتاب میں اس طرح کی لغویات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

ان قابلِ قدر محقق حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ

☆ اسلام میں تمام پیغمبران علیہم السلام اور رسول علیہم السلام معصوم ہیں۔

☆ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ تمام پیغمبروں علیہم السلام اور رسولوں علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی حد درجہ تعظیم کریں ورگرنہ ان کا ایمان سلامت نہیں رہتا۔

☆ تمام پیغمبران اور رسول علیہم السلام اللہ پاک کی وحدانیت کا پیغام ہی پھیلانے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے اور ان سب کا دین دراصل اسلام ہی تھا۔

سفر اقصیٰ کی یہ کتاب دراصل دنیا بھر کے ان تمام دوستوں کے لیے ہے جو مذہبی رواداری پر یقین رکھتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے لیے بھی اتنی ہی تکریم کے جذبات رکھتے ہیں۔ کھلے دل سے انسانیت کی بالادستی کو مقدم جانتے ہیں۔ اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے طور طریقوں کا بھی یکساں احترام کرتے ہیں کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہی رہی ہے۔

آخری بات: میرا بیانیہ ہرگز مکمل نہیں ہوگا جب تک میں اپنے محترم و شفیق دوست سرور منیر راؤ صاحب کا تہہ دل سے شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے مجھے اکیس (21) سال بعد پھر سے اردو زبان میں لکھنے کی ترغیب دی۔ اس کتاب کا موضوع و مضمون طے کر کے دیا۔ قدم قدم پر میری رہنمائی کی کیونکہ موصوف پاکستان کے مؤقر ادارے پاکستان ٹیلی ویژن (PTV) کے اعلیٰ انتظامی عہدے پر رہنے کے علاوہ عراق جنگ (2003) کے چشم دید گواہ بھی رہے ہیں۔ ان کے وسیع تجربہ نے میری سمت کو بھٹکنے نہ دیا۔

اس کے علاوہ میں اپنی ساتھی صالحہ رحیم کا بھی شکر گزار ہوں کہ جو یروشلم کے سفر کے تمام مراحل کے دوران مجھے ہر ممکن مدد فراہم کرتی رہی اور ہر قابل ذکر مقام تک مجھے لے کر بھی گئی جب کہ اس کی اپنی صحت بھی اتنی اچھی نہ تھی۔

سفر اقصیٰ میں ایک اور قابل ذکر نام سیف اللہ بخاری صاحب کا ہے جنہوں نے اس کتاب کی کتابت اور ترتیب و تدوین میں میرا ہاتھ بٹایا بلکہ بہت سے مقامات پر میری تصحیح کی اور رہنمائی بھی۔ بخاری صاحب کا علم، خصوصاً اسلامی تاریخ کے حوالے سے، اس نوجوانی کے عالم میں قابل رشک ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں ہمیشہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

انعام سحری

مانچسٹر۔ یو کے، 3 مئی 2019

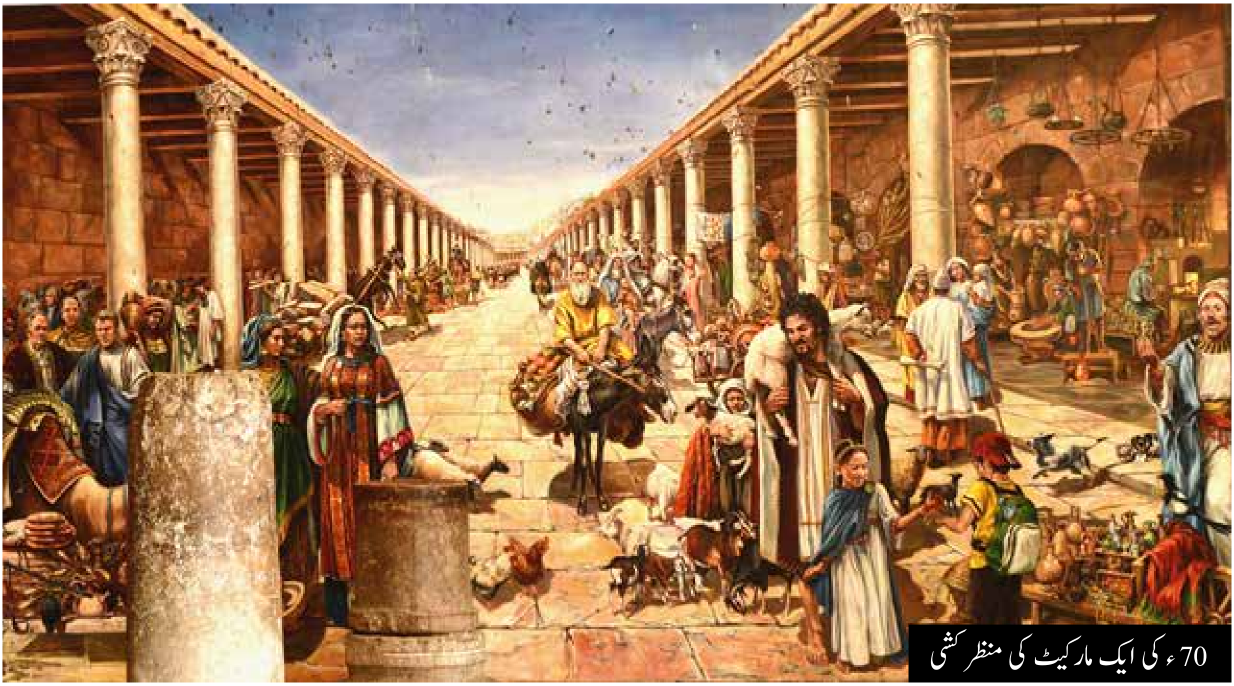

70ء کی ایک مارکیٹ کی منظر کشی

مسجد اقصیٰ کا صدر دروازہ

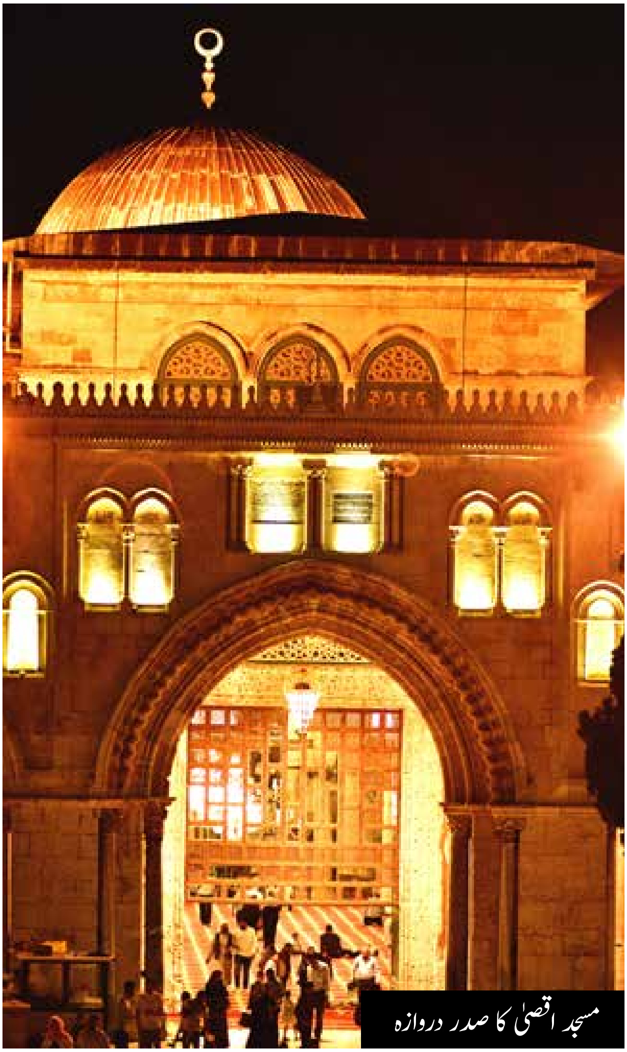

مسجد اقصیٰ کا صدر دروازہ

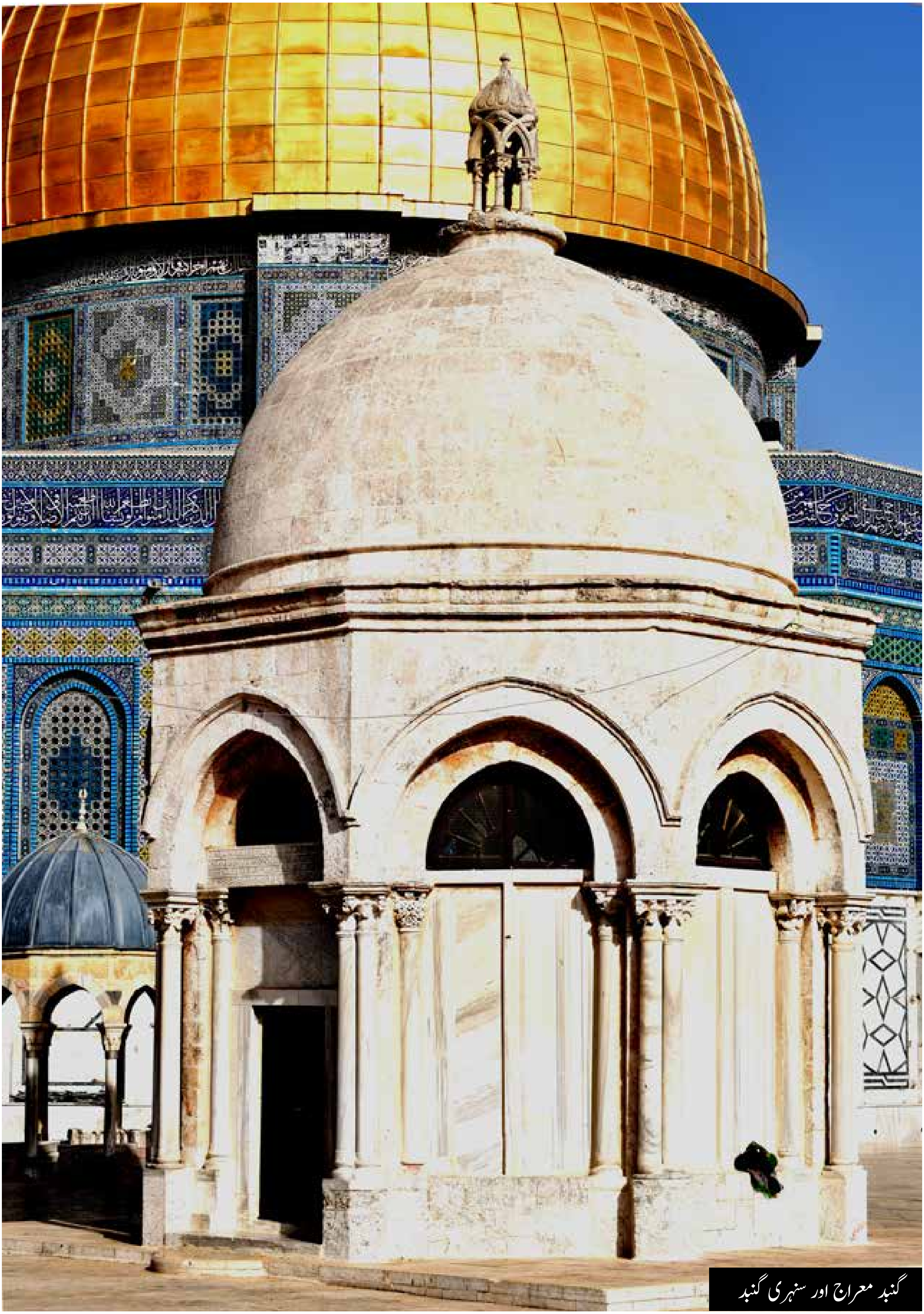

گنبد معراج اور سنہری گنبد

قدیم یروشلم: فضائی منظر

قدیم یروشلم: فضائی منظر

میری میگڈے لین چرچ

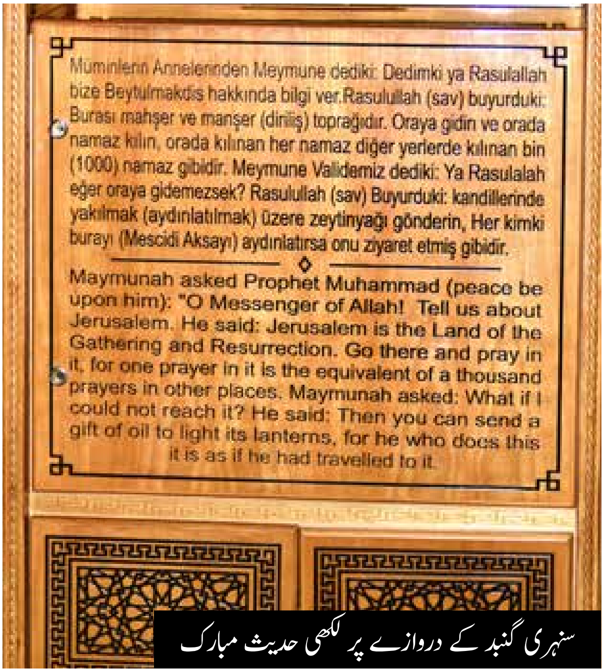

سنہری گنبد کے دروازے پر لکھی حدیث مبارک

قیام گاہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ

گنبد معراج

قدامت پسند یہودی

چرچ ایلونا

چٹان جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسد مبارک کو تیل لگایا گیا (عیسائی روایت)

یہودہ مارکیٹ: یروشلم

یروشلم۔۔۔رختِ سفر

شروع خالق ومعبود کے بابرکت نام سے جو بے انتہا مہربان،
بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

خدائے بزرگ و برتر نے قرآن کریم کی سورۃ بنی اسرائیل کا آغاز اس طرح کیا: پاک ہے وہ ذات جو رات کے اوقات میں اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی۔ تا کہ ہم اسے اپنی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں۔ یقیناً وہ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔ (القرآن باب:17 آیت:1)

اس آیت کریم کے حوالے میں رب کریم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے معراج اور رات کے سفر کا تذکرہ کیا ہے۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ مکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے تقریباً ایک سال قبل کا ہے۔

تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں کہ مسجد اقصیٰ فلسطین و اسرائیل کے دارالحکومت یروشلم میں ہے۔ مگر اتنی پرانی تاریخی جگہ کہ جس کا ذکر رب کریم نے اپنی پاک کتاب میں کیا اور یہ کہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخر یروشلم کیوں لے جایا گیا۔ آیت ہی سے ظاہر ہے کہ رب کریم کو اپنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھلے دور کی کچھ نشانیاں دکھانا مقصود تھیں۔

بلاشبہ یروشلم کو دنیا کا قدیم ترین شہر کہا جا سکتا ہے۔ جہاں بہت سے رسولوں علیہم السلام کی آخری آرام گاہیں ہیں۔ جہاں قدیم مذاہب اور تہذیبیں تہہ در تہہ مٹی میں دبی ہوئی ہیں اور یہیں سے قدیم مذاہب میں ایک رب کو ماننے والوں گروہوں کو رب کریم کی طرف سے بشارتیں دی گئیں۔ آسمانی کتاب زبور کا نزول ہوا، جہاں یہودیت کی ابتدا ہوئی، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہ اتاری گئیں Ten Commandments یعنی دس احکام پر عمل درآمد کی ابتدا ہوئی۔ جہاں حضرت داؤد علیہ السلام نے پہلے ہیکل (First Temple) کی تعمیر شروع کی جسے ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکمل کیا۔

مگر یروشلم کیسے جایا جائے اور یہ کہ اس شہر کو اہمیت کیوں کر دی جاتی رہی۔ ایک عجیب سا خوف رہا اور بے چینی کی سی فضا چھائی رہی مگر تھوڑے مطالعہ نے بہت سے مسائل کی گرہیں کھول دیں۔

دنیا کے اناسی (79) ممالک کے باشندوں کو اسرائیل جانے کے لیے ویزہ کی ضرورت نہیں۔ برطانوی پاسپورٹ ہولڈرز بھی ان میں شامل ہیں۔ چونکہ فلسطین کا اپنا کوئی ائیر پورٹ نہیں ہے پس یروشلم جانے کے لیے اسرائیل کے ائیر پورٹ تل ابیب کو ہی پہلا پڑاؤ سمجھا جاتا ہے۔ تل ابیب جانے کے لیے جیسے ہی طیارے نے اڑان بھری تو مجھ پر ہیبت کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ تھوڑا اس لیے بھی کہ وہاں ائیر پورٹ پر کیا سلوک ہوگا کیونکہ میرے پاسپورٹ پر جائے پیدائش پاکستان کا شہر لائل پور (موجودہ فیصل آباد) درج تھا۔ مگر زیادہ اس لیے کہ مجھے ارض مقدس یعنی یروشلم میں جانے کی توفیق مل رہی ہے جسے نبیوں علیہم السلام کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں واضح ذکر کیا گیا۔ جس سرزمین کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی احادیث میں ملتا ہے کہ اگر موقع ملے تو اس ارض مقدس تک ضرور جایا جائے۔ اگر کسی کو توفیق نہ ہو سکے تو وہاں چراغ جلانے کے لیے یا جلتے چراغوں میں تیل ڈالنے کے لیے کچھ رقم بھجوادی جائے۔ یہ سعادت بھی ہر کسی کے حصے میں کہاں۔

خیالات کا تانتا بندھا تھا۔ تاریخی واقعات ایک ایک کر کے ذہن کی سکرین پر نمودار ہوتے رہے۔ میں ارض مقدس کے اس پاکیزہ ٹکڑے کو دیکھنے جا رہا تھا جہاں رحمتوں کا نزول پچھلے پانچ ہزار سالوں سے ہوتا آیا ہے۔ یہ یروشلم شہر تھا۔ جس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق باون (52) بڑے حملے ہوئے تھے۔ جس کو چوالیس (44) بار غلام بنایا گیا اور پھر آزاد کیا گیا۔ اس کے باشندوں کو کئی بار غلامی کی زندگی سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس شہر مقدس کا تئیس (23) بار محاصرہ کیا گیا اور دو بار تو بالکل تباہ کر دیا گیا تھا۔ آج کے یروشلم شہر کے ایک حصے یعنی قدیم شہر (old city) کو چار ہزار برس قبل آباد کیا گیا اور وہ پتھروں کا شہر آج بھی اسی طرح ہے۔ ہاں وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اسی لیے اس کو دنیا کا قدیم ترین زندہ شہر اور زندہ تہذیب کہا جاتا ہے اور سچ بھی یہی ہے۔

پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات نہیں ہیں اور جیسا کہ آپ کے پاسپورٹ پر جائے پیدائش پاکستان کے کسی شہر کی ہو یا آپ دوہری شہرت کے حامل ہوں جن میں ایک پاکستان کی ہو تو اسرائیل کی سرزمین پر اترتے ہی آپ کو بہت محتاط ہونا پڑتا ہے۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ تل ابیب ائیر پورٹ پر انٹری لاؤنج میں آپ قطار میں کھڑے تو ہو جاتے ہیں مگر کاؤنٹر پر آپ کو مخصوص سلوک کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ آپ سے ضروری وغیر ضروری تمام قسم کے سوالات پوچھے جا سکتے ہیں۔ اضافی شناختی کاغذات

مانگے جاسکتے ہیں۔آپ کی تمام تر سابقہ معلومات کو کھنگالا جاسکتا ہے۔آپ کے فیس بک اکاؤنٹ،ٹوئٹر اور ای میل کے ایڈریس وغیرہ تمام تک رسائی کی جاسکتی ہے۔مگر بالآخر آپ کو انٹری کارڈ مل جاتا ہے۔آپ ٹورسٹ متصور ہوں گے اور آپ کو دو تا تین ماہ کا وزٹ کارڈ دے دیا جاتا ہے۔

اس پوائنٹ کے بعد آپ نے اسرائیل میں جہاں بھی جانا ہے خواہ ریستوران یا بازار میں کھانے کے لیے ہی کیوں نہ جانا ہو، آپ کو اپنا پاسپورٹ اور انٹری کارڈ جیب میں رکھنا پڑتا ہے۔اسرائیل سیکورٹی کا عنصر آپ کو جابجا نظر آئے گا۔ بازاروں میں، بس سٹیشن پر، ٹیکسی سٹینڈ پر، بڑی عمارتوں کے باہر اور تمام ٹورسٹ مقامات پر، اور آپ بہت سی جگہوں پر خواہ مخواہ ہی چیک ہوتے رہیں گے۔

اسرائیل کی قومی کرنسی شیکل ہے جسے NIS لکھا جاتا ہے۔ڈالر ہر جگہ قبول کیے جاتے ہیں مگر برطانوی پاؤنڈ کم کم۔بعض اوقات پاؤنڈ بھی ڈالر کی قیمت پر ہی دینا پڑتا ہے۔ڈالر کا نرخ تقریباً تین شیکل اور پاؤنڈ کا نرخ تقریباً ساڑھے چار شیکل ہوتا ہے (اوائل 2018)۔ایئر پورٹ سے باہر نکلتے وقت اندر سے ہی کچھ ڈالر یا پاؤنڈ لوکل کرنسی میں تبدیل کروا لیے جائیں تو بہتر ہے۔اندر ایک دو بینکوں کے فارن کاؤنٹر بھی ہیں اور اے ٹی ایم مشینیں بھی نصب ہیں۔

تل ابیب کے بن گوریان انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے یروشلم کا زمینی فاصلہ چون (54) کلومیٹر ہے۔ایئر پورٹ سے باہر نکلتے ہی وہاں ٹیکسی مل جاتی ہے جو 250 شیکل کرایہ لے کر یروشلم کے کسی بھی ہوٹل میں آپ کو اتار دے گی مگر کرایہ پہلے طے کرنا ضروری ہے۔نعم البدل کے طور پر آپ مشترکہ ٹیکسی (shared Taxi) کا بھی سوچ رکھیے۔یہ ایک عام ویگن ہو گی جو کہ چونسٹھ (64) شیکل لے کر آپ کو یروشلم میں ہوٹل کے دروازے پر اتار دے گی۔ یہ کرایہ جات تقریباً سرکاری طور پر منظور شدہ ہیں اور سواریوں کو ذرا بھی تردد کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔اگر آپ لوکل کرنسی یعنی شیکل (NIS) ایئر پورٹ سے نہیں لے سکے تو ڈرائیور بیس ڈالر وصول کرے گا جو کہ مناسب ریٹ ہوتا ہے۔باقی اخراجات کے لیے آپ یروشلم شہر میں کہیں سے بھی اپنی کرنسی تبدیل کروا سکتے ہیں۔یہ دفاتر تقریباً ہر جگہ پر ہیں۔

مہنگائی کے ضمن میں یہاں خاصی مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ یروشلم ٹورسٹ سٹی ہونے کے ناطے برطانیہ اور امریکہ سے بہت زیادہ مہنگا ہے۔ البتہ یورپ اور اسکے بیشتر ممالک چونکہ خود خاصے مہنگے ہیں تو وہاں کے باشندوں کو یروشلم میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا اور نہ وہ محسوس کرتے ہیں۔

یروشلم کے ہوٹل ہر وقت بھرے رہتے ہیں کیونکہ ٹورسٹ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہوٹلوں میں ناشتہ تو مل جاتا ہے مگر شاذ ہی کوئی ہوٹل اچھا ناشتہ دیتا ہے۔ اکثریت ہوٹلوں میں ڈبل روٹی اور ہومس (Hummus) ہی ملتا ہے بغیر دودھ کے چائے یا کافی کے ساتھ۔ یہاں انڈوں، مکھن، پنیر، سیریل وغیرہ کا رواج کم کم ہے۔لہٰذا ذہنی طور پر اس سلوک کے لیے تیار رہنا ضروری ہے کیونکہ یہاں کھانے پینے کی ایسی عیاشی کا رواج نہیں۔

پانچ گھنٹے کی فضائی مسافت، دو گھنٹے تل ابیب ایئر پورٹ اور پھر ایک گھنٹے کے زمینی فاصلے کے بعد بالآخر ہم اپنے ہوٹل میں تھے۔اس شہر میں جو مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے یکساں مقدس اور قابل احترام ہے۔جس کا ذکر پہلے تورات اور پھر انجیل اور پھر قرآن کریم میں بھی ہوا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی جائے پیدائش ہے۔ان کی عبادت گاہوں کا محور اور بہت سوں کی جائے تدفین۔ یہاں رحمتوں کے نزول کی داستانیں بھی ملتی ہیں مگر یہاں قریب ہی قوم لوط کے عذاب کی دردناک کہانی بھی ابھی کل کا واقعہ لگتی ہے۔

یروشلم جانے کے لیے سب سے زیادہ اہتمام مناسب لباس کا کرنا پڑتا ہے۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ ٹورسٹ سپاٹ تو ہے مگر یہ دنیا کے باقی تمام شہروں سے مختلف ہے جہاں آپ کسی بھی مذہبی مقام پر مناسب لباس میں ہی جائیں گے۔یعنی ادب و احترام کا مکمل خیال رکھنا ہوگا۔یروشلم میں آپ اپنی جسمانی نمائش کے لیے نہیں جائیں گے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے مقدس مقامات پر بھی اسی احترام کے لباس میں جائیں گے جیسے آپ پاکستان میں کسی بھی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔مختصر یہ کہ مردوں میں یہاں عام طور پر پتلون ہی کا رواج ہے۔نیکرز یا شارٹس نہیں چلیں گے اور نہ ہی ننگے بازوؤں والی ٹی شرٹس کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔آدھے بازو کی عام قمیض البتہ چل جاتی ہے۔عورتوں میں یہاں پاجامہ، پتلون اور لمبی سکرٹس چل جاتی ہیں مگر عام شارٹ سکرٹس بالکل نہیں۔عورتوں کو اپنے بازو اور کندھے لازمی طور پر ڈھانپنا ہوں گے۔سر پر دوپٹہ، ٹوپی یا شال کا پلو عموماً رکھنا پڑتا ہے۔مگر کئی گرجا گھروں میں سر ننگا رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہودیوں اور مسلمانوں کی زیارتوں پر عورت کا سر ڈھانپنا مستحسن ہے مگر عیسائیوں کے اکثر گرجا گھر آپ کو سر ننگا رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

قدیم شہر کے آرمینائی (Armenian) علاقے میں یا کسی گرجا گھر میں یا یہودیوں کی دیوار گریہ پر یا مسلمانوں کے سنہری گنبد یا مسجد اقصیٰ میں اگر

کوئی سیکورٹی پر مامور شخص آپ کو لباس کی وجہ سے اندر نہ جانے دے تو اس کو دل پر مت لیں۔ ان لوگوں نے برطانیہ کی شہزادی مارگریٹ کو بھی ایک گرجا گھر میں اندر جانے سے روک دیا تھا کیونکہ اس نے ایسی قمیض پہن رکھی تھی جس میں اس کے بازو ننگے تھے۔

یروشلم شہر میں سرکاری اوقات کار اتوار کی صبح سے شروع ہوتے ہیں۔ تمام سرکاری دفاتر اور ادارے ہفتہ کے روز بند ہوتے ہیں۔ مغربی یروشلم کے بیشتر علاقوں میں مارکیٹ اور دکانیں بھی اس روز بند ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ سرکاری بسیں اور ریل سروس بھی ہفتہ کے روز بند ہوتی ہیں۔ ریل و ائیر پورٹ اور دیگر عملہ جمعہ کے روز تین بجے کے بعد سے ہی ناپید ہو جاتے ہیں۔ باہر سے آنے والے سیاحوں کو اکثر یاد نہیں رہتا اور وہ اپنی چھٹیوں کو یورپی و امریکی نظام کی طرح پلان کرتے ہیں مگر یہاں آ کر وہ تمام پروگرام گڑبڑ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اسرائیل دنیا کا واحد ملک ہے جہاں ہفتہ کے روز سرکاری تعطیل ہوتی ہے۔ ہفتہ وار اس تعطیل کو یہاں سبت (Sabbath) کہا جاتا ہے۔ جن اداروں میں دو چھٹیوں کی اجازت ہے وہ اپنے دفاتر کے اوقات اتوار تا جمعرات رکھتے ہیں۔ وہاں جمعہ اور ہفتہ کی تعطیل ہوتی ہے۔ ہاں مگر عیسائی ادارے اتوار کی ہی تعطیل کرتے ہیں۔ وہاں ہفتہ اور اتوار کی تعطیل ہوتی ہے، یورپ و امریکہ کی طرح۔

یروشلم میں عبرانی اور عربی دونوں ہی سرکاری زبانیں ہیں مگر انگریزی بھی رائج ہے۔ سڑکوں کے تمام بورڈز، ہدایات اور سیاحوں کے لیے تمام تر مواد انگریزی میں بھی ملتا ہے۔ بسوں اور ریل کی تمام تر اطلاعات عموماً تین زبانوں میں درج ہوتی ہیں: عبرانی، عربی اور انگریزی۔ کہنے کو تو یہی کہ انگریزی یروشلم کے اکثر لوگ سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ عام جگہوں پر ملنے والے لوگ انگریزی کبھی کبھار ہی سمجھتے ہیں۔ ہاں البتہ تمام سرکاری محکموں کے افسر و ملازم، انفارمیشن سنٹرز، گائیڈز وغیرہ انگریزی سمجھتے بھی ہیں اور بولتے بھی۔ ہوٹلوں کا تمام عملہ تینوں زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔ اس لیے سیاحوں کو یہاں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔

مشرقی یروشلم میں اکثر زیارتوں پر جانے کے لیے آپ کو پیدل ہی چلنا پڑتا ہے کیونکہ ہزاروں سال پرانے شہر میں تنگ گلیاں اور وہ بھی ناہموار پتھروں سے بنی ہوئی، کسی قسم کی ٹرانسپورٹ کے لیے موزوں نہیں۔ مگر مغربی یروشلم کو دیکھنے کے لیے سنٹرل بس سٹیشن سے سیاحوں کے لیے بس (غالباً نمبر 99) میسر ہوتی ہے جو وہاں سے ہر گھنٹے کے بعد چلتی ہے۔ یہ بس آپ کو مغربی یروشلم کے تمام علاقوں اور ان زیارتوں اور نبیوں کے مقبرہ جات پر لے جاتی ہے جو قدیم شہر کی فصیل کے باہر واقع ہیں۔ سیاحوں کے لیے یہ بھی ایک مناسب انتظام ہے۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ شہروں کی طرح یہاں سیاحوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ویسے بھی مغربی یروشلم اپنی ترقی اور تمدن کے اعتبار سے دنیا کے کسی بڑے شہر سے کم نہیں جہاں مارکیٹ، ٹرانسپورٹ، ریستوران، ہوٹل، تفریح کے جدید مراکز سب کچھ اسی طرح ملتے ہیں جن کی آپ یورپ کے کسی اور بڑے شہر میں توقع کرتے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر نے یروشلم کو موسم کے لحاظ سے بھی باقی دنیا سے الگ ہی رکھا ہے۔ مارچ سے ستمبر اور کبھی اکتوبر تک یہاں گرمیوں کا موسم رہتا ہے مگر درجہ حرارت شاذ ہی چالیس سے تجاوز کیا ہو۔ اکثر تو بتیس (32) اور پینتیس (35) کے درمیان ہی رہتا ہے۔ ہاں البتہ موسم خشک ہونے کے ناطے چبھن محسوس ہوتی رہتی ہے۔ نومبر اور دسمبر اور کبھی جنوری تک سردی ہوتی ہے مگر درجہ حرارت شاذ ہی کبھی پانچ یا چھ ڈگری سے نیچے گیا ہو۔ اکثر دنوں میں یہ ٹمپریچر دس یا گیارہ ڈگری ہی رہتا ہے۔ جنوری اور فروری یہاں بارشوں کا موسم کہلاتا ہے جبکہ تیز ہوائیں اور جھکڑ بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مارچ موسم بہار تو ہے مگر یہاں بہار تین یا چار ہفتوں سے زیادہ نہیں رکتی۔ ویسے بھی یہاں تمام سال ہی پھولوں اور پھلوں کا موسم رہتا ہے۔ یہاں روایتی انداز میں خزاں نہیں آتی۔ لہٰذا جو سبزہ آپ کو نظر آتا ہے وہ نظر آتا رہے گا۔ مکمل پت جھڑ شاید کسی پودے پر آتی ہو مگر اکثر نہیں۔ موسمی پھل آپ کو ہمیشہ تازہ ملتے ہیں۔ اسرائیل میں پھلوں کو سٹوریج میں رکھنے کا رواج بھی نہیں اور کوئی بیچتا بھی نہیں۔ سبزیاں بھی تازہ ہی ملتی ہیں مگر ان کا استعمال بہت کم ہے۔ سبزیوں میں صرف ٹماٹر، کھیرا، پیاز، لہسن، چنے اور پارسلے ہی زیادہ چلتا ہے۔

کھانوں اور خوراک کے ضمن میں یروشلم کو سیاحوں کی جنت کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں پر یہودی اور مسلم دونوں طرح کے کھانے میسر ہیں۔ ہر قسم کے ریستوران، ہر گلی بازار میں، ہر درجہ بندی کے ساتھ ملتے ہیں۔ مہنگے ریستوران بھی بہت ہیں جہاں یورپی معیار کی سروس مہیا ہوتی ہے اور عام سیاحوں کے لیے ہر جگہ چھوٹے دکان نما ٹھیلے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ یروشلم میں کھانوں پر عربی، مراکشی، یورپی اور لبنانی کھانوں کی بہت چھاپ ہے مگر یہاں ملنے والے ہر کھانے میں سلاد اور پھل لازمی جزو کے طور پر استعمال

ہوتے ہیں۔ یہاں ترکی کی پتا بریڈ (Pita Bread) بھی ملتی ہے اور لبنانی تبولہ (Tabouleh) بھی ملتا ہے۔ عربی لافہ (Laffa) بھی ملتا ہے اور عام یورپی ڈبل روٹی بھی وافر میسر ہے۔

تمام ٹھیلوں اور چھوٹی دکانوں میں، جہاں خوراک بیچی جاتی ہے یعنی take away وغیرہ، وہاں زیادہ تر دو یا تین کھانے ہی بکتے ہیں۔ اول شوارما (Shawarma) جو اب پاکستان سمیت دنیا بھر میں مقبول غذا ہے اور دوسرے فلافل (Falafel)۔ یہ دونوں عربی کھانے ہر قسم کی بریڈ کے ساتھ ہر سوگز پر دستیاب ہیں جو چلتے پھرتے تمام لوکل اور سیاح یکساں پسند کرتے ہیں، بشمول یہودی کمیونٹی کے۔ یاد رہے کہ عام ریستورانوں میں یہاں سور اور بکرے کا گوشت نہیں ملتا۔ یہاں سب کو چکن اور گائے کے گوشت ہی پر گزارا کرنا پڑتا ہے۔ بہت قدیم یہودی چونکہ مچھلی نہیں کھاتے لہٰذا یہاں مچھلی شاید ہی کسی ریستوران میں میسر ہوگی۔

یہاں پر تمام خوراک حلال ہی بکتی ہے اور حلال ہی کھائی جاتی ہے۔ دنیا بھر کے سیاح خواہ کسی بھی ملک یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، انہیں حلال فوڈ ہی دی جاتی ہے اور سب کھاتے ہیں خواہ وہ یہودی ہوں، مسلمان یا عیسائی۔ بھارت سے آئے ہوئے ہندو بھی یہی خوراک کھاتے ہیں۔

یہودیوں کی مشہور غذا کوشر (Kosher) بھی یروشلم میں دستیاب ہے۔ یاد رہے کہ کوشر صرف یہودیوں کے ذبح شدہ گوشت کا نام ہی نہیں بلکہ ایک مکمل نظام خوراک ہے۔ پس کوشر کھانے رکھنے والے ریستورانوں کو حکومت الگ سے لائسنس جاری کرتی ہے۔ صفائی کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے یہ ریستوران مہنگے ترین شمار ہوتے ہیں۔ صرف مال دار سیاح ہی ادھر جاتے ہیں، عام لوگ نہیں۔ سب سے اہم یہ کہ یہودی مذہب میں کوشر گوشت اور ڈیری/ دودھ سے بنی اشیا اکٹھی نہیں کھائی جاتیں اور نہ اکٹھی رکھی جاتی ہیں۔ پس سیاحوں کو پہلے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ ڈیری والے ریستوران میں جانا پسند کریں یا کوشر گوشت والے ریستوران میں۔ جہاں کوشر گوشت کا ریستوران یا سٹور ہوگا وہاں پوری بلڈنگ میں ہی دودھ کی بنی کوئی شے نہیں ملے گی۔ کوشر فوڈ کو پیش کرنے اور میز پر لگانے کے لیے بھی یہودی مذہبی روایات کو ملحوظ خاطر رکھا جانا ضروری ہے۔

جس طرح ہندو پاک کے مسلمان عید کے تہوار پر سویاں اور شیر خرما جیسے روایتی کھانے پکاتے ہیں اسی طرح یروشلم کے یہودی اور مسلمان بھی اپنے اپنے گھروں میں اپنے روایاتی کھانے پکاتے ہیں اور خاندان کے طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہودیوں کے گھروں میں ان کے تہواروں پر پکنے والے کھانے الگ ہی ہوتے ہیں جو ریستورانوں میں عموماً پیش نہیں کیے جاتے۔ کسی تہوار پر وہ گھر میں صرف آلوؤں سے بنی ہوئی اشیا ہی کھاتے ہیں۔ کبھی سیب و انار سے بنے ہوئے کیک استعمال کرتے ہیں اور ہر گھر کی اپنی مالی حیثیت بھی بڑا کردار ادا کرتی ہے۔

غرض یہ کہ یروشلم میں سیاحوں کی آمد ہی پر اسرائیل کی معیشت کا دارومدار ہے۔ سال 2017ء میں یہاں تقریباً چار ملین افراد آئے اور ان کی آمد نے اسرائیل کی کل معیشت کا پچیس (25) فی صد بوجھ اٹھایا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تصور کی گئی۔ کل سات ارب ڈالر کی آمدن ہوئی جو کہ گذشتہ کئی سالوں کا ریکارڈ توڑ گئی۔ اسرائیل میں یروشلم کے علاوہ دوسرے شہروں میں موجود زیارات کے لیے بھی لوگ آتے ہیں مگر ان کا حصہ اتنا زیادہ نہیں بنتا، سوائے بحرہ مردار پر جانے والوں کے، جو چشم تصور میں قوم لوط کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

یروشلم کو دیکھنے کے لیے جو سیاح اُمڈ کر آتے ہیں، ان میں امریکہ کے سیاح سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ یعنی انیس فی صد (19%)۔ مگر اس کے بعد زیادہ تعداد روس سے آنے والے سیاحوں کی ہوتی ہے اور یہ تعجب کی بات بھی ہے۔ کیونکہ وہاں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کسی خدا کو نہیں مانتے۔ آپ انہیں دہریہ کہہ سکتے ہیں۔ ان دو ملکوں کے بعد برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی کے لوگ بہت دلچسپی سے یہاں کا رخ کرتے ہیں۔

پاکستان کے لوگ یروشلم نہیں آسکتے، ہاں مگر کچھ پاکستانی برطانیہ، کینیڈا یا امریکہ کے گروپ میں شامل ہو کر آجاتے ہیں۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ انہیں نہ تو تاریخ میں کوئی دلچسپی ہوتی ہے اور نہ دوسرے مذاہب کے مقدس مقامات میں۔ وہ بس صرف حرم شریف میں سنہری گنبد اور مسجد اقصیٰ میں ہی وقت گزارتے ہیں۔ یہ سعادت کی بات تو ہے ہی مگر دوسرے مذاہب کی مقدس جگہوں کی تعظیم کرنا اور ان کے بارے میں علم رکھنا بھی عین انسانیت ہے۔ کیونکہ اسلام نے سب نبیوں علیہم السلام اور رسولوں علیہم السلام کی تعظیم کرنے کی تلقین کی ہے۔ یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی قبور اور دوسری زیارات ملتی ہیں۔ جن کی تعظیم کے لیے اسلام میں حج اور عمرہ کے لازمی اراکین شامل ہوئے اور جب تک مسلمان درود ابراہیمی کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو اپنی پنجگانہ نماز میں شامل نہیں کرتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

میری میگڈے لین چرچ

مسجد اقصیٰ: اندرونی منظر

قدیم یروشلم: فضائی منظر

کثیر القومیتی چرچ

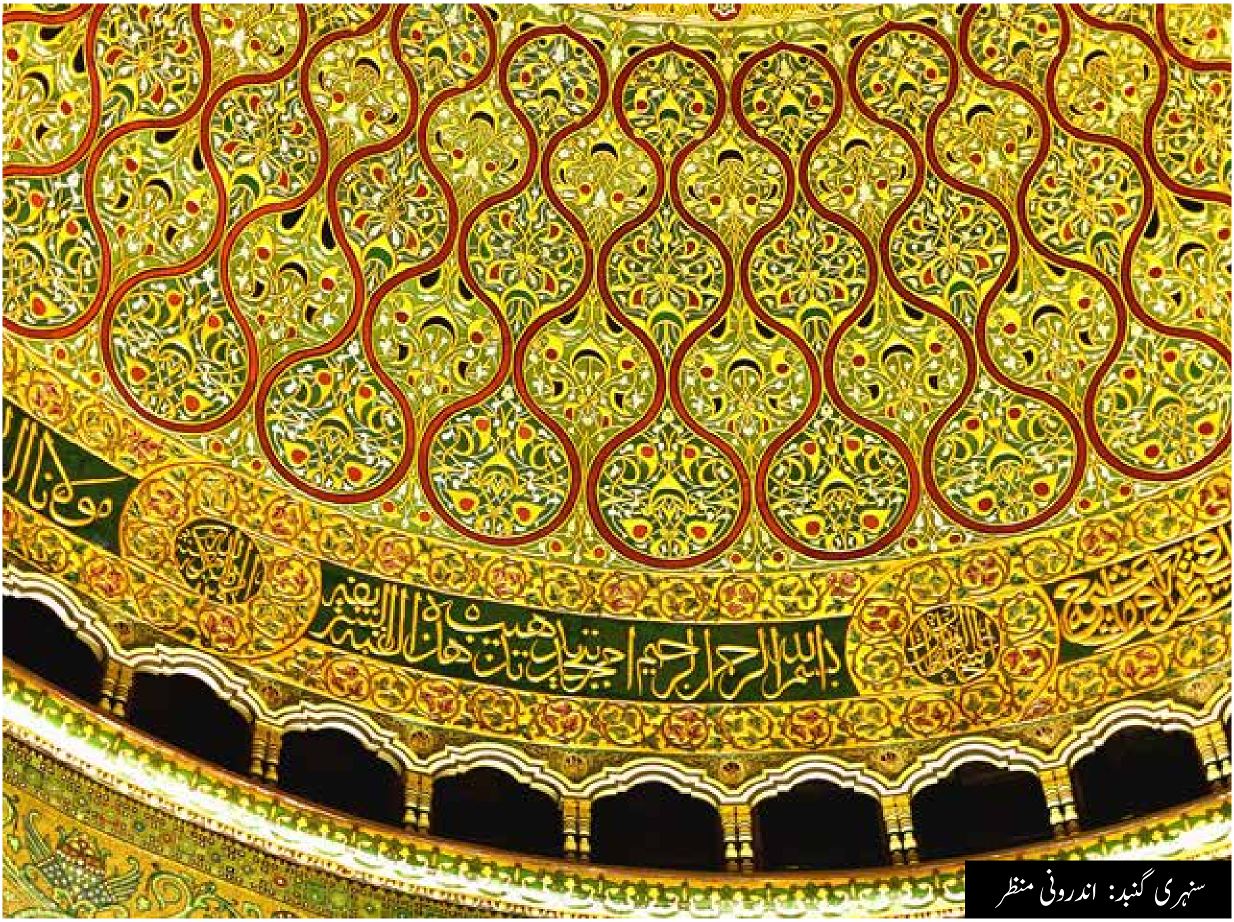

سنہری گنبد: اندرونی منظر

حرم پلازہ کے تین گنبد

بنی حضر کی قبور: دو ہزار سال پرانی

ڈیوڈ ٹاور میوزیم

کثیر القومیتی چرچ

بحرہ مردار کے کناروں پر جمے نمکیات

چرچ المہد: اندرونی منظر

قدیم یروشلم میں دو ہزار سال پرانی ایک دکان

یروشلم کی مختصر تاریخ

یروشلم اسرائیل کا سب سے بڑا شہر، ملک کی پارلیمنٹ اور حکومتی امور چلانے کے تمام تر دفاتر کا مرکز ہے۔ یہ شہر یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے یکساں طور پر مقدس و مقدم ہے اور یہودہ کے پہاڑی سلسلہ میں واقع ہے۔ یہ شہر دریائے اردن سے تقریباً بتیس (32) کلومیٹر اور بحرہ مردار سے تیس (30) کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔

یہودہ کے پہاڑی سلسلے (Judean Hills) کو عربی میں جبال الخلیل کہا جاتا ہے اور اسی میں یروشلم اور دوسرے کئی شہر یا مقامات، جن کا تذکرہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ عتیق میں ملتا ہے، پائے جاتے ہیں اور یہی جگہ دراصل رحمتوں کے نزول کے لحاظ سے متبرک ہے۔ یہ پہاڑیاں سطح سمندر سے تقریباً 1026 میٹر بلند ہیں۔ اس سلسلے کو مزید چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن میں یروشلم، شہر الخلیل (Hebron)، بیت اللحم (Bethleham) اور رملہ (Ramallah) نمایاں طور پر شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہے۔ مگر یہودیوں کی ابتدائی نسلیں بھی انہیں علاقوں میں پروان چڑھیں۔

بہت قدیم مذہبی کتابوں میں یروشلم شہر کا تذکرہ سالم (Salem) کے نام سے ملتا ہے اور یہ اس جگہ کا قدیم اصلی نام تھا۔ مقدس کتاب زبور میں اسی نام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قدیم کتابوں میں کہا گیا ہے کہ شلم (Shalem) کنعان ریاست کے باشندوں کے خدا کا نام بھی تھا جس کو وہ غروب آفتاب کے وقت پوجا کرتے تھے۔

یہودیوں کی مذہبی روایات کی رو سے اس شہر یروشلم کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آباؤ اجداد نے آباد کیا اور اس کا انتظام و انصرام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ان کے ساتھیوں نے ہی بہتر کیا تھا۔ قدیم عبرانی بائبل کے مطابق یروشلم پر تب ایک کنعانی قبیلہ کا ہی کنٹرول تھا جب سال 1003 قبل مسیح میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا انتظام سنبھالا تھا اور پھر ایک سال بعد ہی اس کو کنعان اور یہودہ کے علاقے کا صدر مقام قرار دے دیا تھا۔ تب ہی اسی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد محترم کے شروع کیے ہوئے ہیکل اول کی تکمیل کی تھی۔

ہیکل اول کی تعمیر یہودیوں کی مذہبی کتب کے مطابق اس جگہ کی گئی تھی جسے موریاہ کی پہاڑی کہا گیا تھا اور اس جگہ کی نشاندہی عہد نامہ قدیم میں کی گئی تھی کیونکہ اسی پہاڑی پر یہودی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا قصد کرتے ہوئے اپنے رب کریم کو خوش کیا تھا۔ یہیں پر ہیکل اول اور پھر ہیکل دوم کی تعمیر ہوئی تھی۔ دن میں عموماً تین بار یہودی لوگ اس ہیکل کی طرف منہ کر کے عبادت اور دعا کرتے ہیں کہ اس جگہ پر کبھی دوبارہ بھی ان کا ہیکل تعمیر ہوگا۔ تقریباً دو ہزار سال سے یہودی قوم تیسرے ہیکل کی تعمیر کے لیے دعائیں اور کوششیں کر رہی ہے۔

عہد نامہ عتیق یعنی عیسائیوں کی انجیل مقدس کے مطابق یروشلم کی تاریخ یوں بنتی ہے:

سال 1005 قبل مسیح: حضرت داؤد علیہ السلام یروشلم کے بادشاہ بنے۔

سال 970 قبل مسیح: حضرت سلیمان علیہ السلام یروشلم کے بادشاہ بنے۔

سال 931 قبل مسیح: حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ ان کے بیٹے روبوئم نے بادشاہت سنبھالی مگر وہ سلطنت کو متحد نہ رکھ سکا۔ اسرائیل کا علاقہ تقسیم ہو گیا مگر یروشلم پر 19 بادشاہوں نے 254 سال تک حکومت کی۔

سال 722 قبل مسیح: پورے علاقے کو آشوری قبیلے (Assyrian) نے فتح کر لیا اور دارالحکومت بھی یروشلم سے نابلوس لے گئے۔

سال 597 قبل مسیح: یروشلم کو بابل قبیلے (Babylons) نے فتح کیا اور یہودیوں کے ہیکل اول کو بھی تباہ کر دیا۔

سال 444 قبل مسیح: یروشلم کے گرد ایک دیوار تعمیر کر دی گئی اور یہ کام ایک اور لیڈر نہی میاہ (Nahemia) نے کیا۔

سال 398 قبل مسیح: عہد نامہ عتیق کی 39 کتب مکمل ہو گئیں اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پذیر ہونے تک تقریباً 400 سال تک کوئی مذہبی نسخہ، فرمان یا صحیفہ تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

یاد رہے کہ عیسائیت کی ابتدا بھی شہر یروشلم سے ہوئی۔ حضرت مریم علیہ السلام کی پیدائش اور وفات بھی اسی شہر کے گردونواح میں ہوئی۔ یہیں پر ان کا بچپن اور جوانی کا دور گذرا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی یروشلم سے نو کلومیٹر دور ایک گاؤں بیت اللحم میں ہوئی تھی (آج کل بیت اللحم یروشلم کی شہری حدود کا ہی ایک حصہ ہے)۔ پھر اسی شہر یروشلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ اسی شہر کی گلیوں میں وہ اپنی صلیب اپنے ہی کاندھے پر اٹھائے آخری سفر پر گئے تھے۔ پھر اسی شہر کی ایک چٹان سے ان کو اوپر اٹھا لیا گیا تھا۔ قصہ

مختصر عیسائی مذہب کی بنیاد یہی شہر ہے اور پچھلے دو ہزار سال سے عیسائی یہاں مسلسل آباد رہے ہیں۔ یہودیوں کی طرح کبھی بھی شہر سے نکالے نہ گئے تھے۔
آج بھی دنیا بھر کے عیسائی اسی شہر کو اپنا قبلہ اور مقدس ترین جگہ تسلیم کرتے ہیں۔ یروشلم میں آنے والے سیاحوں کی بیشتر تعداد عیسائیوں پر ہی مشتمل ہوتی ہے پھر مسلمان اپنے قبلہ اول کو دیکھنے آتے ہیں اور سب سے کم تعداد یہودیوں کی ہوتی ہے۔ عیسائیوں کے عہد نامہ جدید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی شہر کے ہیکل (دوم) میں لایا گیا تھا تاکہ وہ یہودیوں کے عید کے تہوار میں شرکت کرسکیں۔ یہودی اپنی عید اس دن کی یاد میں مناتے ہیں جس دن ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریائے نیل کے راستے فرعون مصر سے آزادی دلوائی تھی اور اسی دن فرعون مع اپنے لشکر کے دریا میں غرق ہوا تھا۔
سال 64 عیسوی میں روم میں نیرو (Nero) بادشاہ کی حکومت تھی جب روم کو آگ لگی اور وہ تباہ ہوا تو نیرو بادشاہ نے اس کا ذمہ دار عیسائیوں کو قرار دیا۔ تب اس نے یروشلم پر چڑھائی کی تدبیر اور تیاری شروع کر دی تھی۔ سال 70 عیسوی میں نیرو بادشاہ روم نے یروشلم پر واقعی چڑھائی کر دی اور یہودیوں کے ہیکل دوم کو بھی بالکل تباہ کر دیا۔ عیسائیوں کا قتل عام ہوا اور ان کی نسل کشی سال 81 عیسوی تک مسلسل جاری رہی۔ جن میں عیسائیوں کو چن چن کر تختہ دار پر لٹکایا گیا تھا۔ مگر عیسائی مذہبی روایات کی رو سے یہ سب کچھ ہونا تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی (متیٰ کی انجیل کے باب 24 کے مطابق) بہت پہلے اس امر کی نشاندہی کر دی تھی۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا اعلان بھی یروشلم میں ہی کیا۔ یہیں پر انہوں نے بیمار لوگوں کو شفا سے بہرہ مند کیا۔ یہیں کے ہیکل دوم سے ہی سود کا کام کرنے والوں کو نکالا۔ پھر یروشلم کے قریب ہی ڈیوڈ سٹی میں آخری کھانا یعنی مصلوب ہونے سے ایک رات قبل Last Supper تناول کیا۔ یہیں یروشلم کے تین ہزار سال پرانے درختوں کے ایک جھنڈ سے ان کو گرفتار کیا گیا تھا۔ ان کا نام نہاد ٹرائل بھی یروشلم کی ہی ایک مذہبی عدالت میں ہوا تھا۔ صلیب پر ان کو چڑھائے جانے کے بعد ان کی تدفین بھی یروشلم میں ایک جگہ پر ہوئی، جس پر بعد میں سپو کا چرچ (Church of the Holy Sepulchre) تعمیر ہوا اور عیسائی روایات کے مطابق تیسرے دن وہیں سے ان کا جسد خاکی اوپر اٹھا لیا گیا تھا گو مسلمانوں کی کتابوں میں اس واقعہ کا اندراج کسی اور طرح ملتا ہے۔

سال 1099 عیسوی میں یروشلم شہر پر صلیبی جنگوں کے گروہ (Crusaders) کا قبضہ ہو گیا کیونکہ یہ نعرہ بلند کیا گیا تھا کہ وہ یروشلم شہر کو اللہ کے نام پر حاصل کر کے وقف کر دینا چاہتے ہیں۔ اس مقدس وجہ تسمیہ اور روحانی عقیدہ کے پیش نظر بہت سے لوگوں نے اس جنگ میں شرکت کی، یروشلم حاصل کرنے کے لیے صلیبی جنگجوؤں کی مدد کی اور مارے بھی گئے۔ دراصل صلیبی جنگوں کی وساطت سے خدا کے مقدس نام پر حکومت حاصل کرنے والے وہ لوگ ہرگز سچے نہ تھے۔ تاریخی لحاظ سے اسے بدنیتی پر مبنی جنگجوئی قرار دیا گیا۔ صلیبی حکومتوں کا یہ تسلسل نوے سال تک چلا۔ اس دوران انہوں نے سنہری گنبد اور بیت المقدس کو گرجا گھر میں تبدیل کیے رکھا۔ اسی دوران چرچ سپو کا کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور اس میں توسیع کی گئی لیکن آخر سال 1187 عیسوی میں صلاح الدین ایوبی کی زیر کمان مسلمان افواج نے صلیبی فرمانرواؤں کو وہاں سے نکال باہر کیا اور شہر یروشلم کو دوبارہ پرانے رنگ میں لے آئے۔ سال 1229 عیسوی میں مصر نے جرمنی کے فریڈرک دوم کے ساتھ کسی معاہدے کے تحت اس شہر کو جرمنوں کے حوالے کر دیا تھا۔
شہر قدیم میں زیارتوں کے گرداگرد ایک اونچی فصیل 42 - 1535 عیسوی کے دوران ترک فرمانروا سلطان سلیمان اول نے بنوائی تھی جو ابھی تک اسی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے اور سیاح اسی دیوار کو دیکھنے کے لیے اُمڈے پڑتے ہیں۔ 1947 عیسوی میں یو این او نے اس شہر کی تقسیم کا نقشہ بنایا اور اس پر فوراً ہی عمل درآمد شروع کر دیا۔ مئی 1948 عیسوی تک یہ تقسیم کا عمل مکمل ہو چکا تھا۔ اردن نے مشرقی یروشلم کا انتظام سنبھال لیا جس میں قدیم یروشلم واقع تھا جبکہ مغربی یروشلم کو اسرائیل بنا دیا گیا۔ 1967 عیسوی کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے یروشلم کے اس مشرقی حصے پر بھی قبضہ کر لیا۔ مشرقی یروشلم میں صرف حرم شریف کا قطعہ مسلمانوں کے پاس رہنے دیا گیا مگر سیاسی اور انتظامی امور اسرائیل ہی کے پاس رہے اور یہی نظامت ابھی تک چل رہی ہے۔
آسمانی مذاہب میں مسلمانوں کے لیے بھی یروشلم اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے جتنا یہودیوں اور عیسائیت کے لیے ہے بلکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد یروشلم ہی مسلم کمیونٹی کے لیے سب سے برگزیدہ، متبرک اور مقدس مقام ہے۔ واقعہ معراج کے بعد سترہ (17) ماہ تک مسلمان اسی قبلہ اول کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ جب تک کہ قرآن کریم کی سورۃ البقرہ کی آیات 144 تا 150 نازل نہ ہو گئیں جن میں قبلہ کا رخ بیت المقدس کی

بجائے خانہ کعبہ ہونے کا حکم صادر کر دیا گیا تھا۔

یہودی مذہبی کتب کے مطابق اس مقدس چٹان کے نیچے ان کی متبرک تختی جس پر دس احکام لکھے ہوئے ہیں، بھی دفن ہے اور اس سنہری گنبد کی جگہ پر ان کے دونوں ہیکل (اول و دوم) تعمیر تھے جن میں سے دوسرے کو تاراج ہوئے بھی 1948 سال گذر چکے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ اس جگہ کو ہی مقدس ترین قرار دیتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ پچھلے دو ہزار سال سے یروشلم میں مذہبی بنیادوں پر جنگیں ہوتی رہیں۔ کبھی یہودیت اور عیسائیت کے مابین اور کبھی عیسائیت اور مسلمانوں کے درمیان مگر یہ امر بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ تینوں مذاہب، چونکہ ایک خدا کی وحدانیت کا پرچار والوں میں سے ہیں، پس تینوں کے لیے یروشلم یکساں طور پر متبرک و معتبر ہے۔ کم از کم یروشلم کی حد تک ان تینوں میں کوئی تفریق نہیں کرتا اور نہ اختلاف کی گنجائش ہے۔

اس لیے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یروشلم ایک شہر کا نام نہیں بلکہ ہر قومیت و مذہب کے افراد کے لیے مختلف شہروں کا مجموعہ ہے اور یہ کہ

- ☆ ہر شخص کا اپنا یروشلم ہے وہ جس بھی زاویہ سے دیکھے یا دیکھنا چاہے۔
- ☆ ہر شخص یروشلم کی اوپر کی تہیں اتارتا جاتا ہے اور اپنی مرضی کا یروشلم نکال لیتا ہے۔
- ☆ یروشلم دنیا کی سب سے قدیم تہذیب ہے جو لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق گذشتہ 3500 سال سے مسلسل زندہ ہے۔
- ☆ جو غیر ملکی بھی یروشلم دیکھتا ہے وہ ایک نفسیات بیماری (Jerusalem Syndrome) کا مریض بن جاتا ہے (اس کے مسحور کن اور روحانیت سے بھرپور ماحول کو دیکھ کر) اور بار بار یہاں آنے کی جستجو میں رہتا ہے جب بھی موقع ملے۔

یروشلم یہودیوں کے لیے اسی طرح مقدس و متبرک ہے جتنا مسلمانوں کے لیے مکہ معظّمہ۔ دنیا بھر کے یہودی اسرائیل کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور اسرائیل کے اندر رہنے والے یہودی سنہری گنبد کی طرف رخ کرتے ہیں کیونکہ ان کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اسی سنہری گنبد کے نیچے ہی اس مقدس چٹان پر ان کے ہیکل سلیمانی اور ہیکل دوم تعمیر ہوئے تھے۔

سال 2017 عیسوی میں یروشلم کی کل آبادی 8 لاکھ ایک ہزار تھی اور یہاں عبرانی اور عربی زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ عالمی زبان کے طور پر انگریزی کو رائج کیا گیا ہے۔ سرکاری سائن بورڈ اور کتبے انگریزی زبان میں بھی لکھے جاتے ہیں، عبرانی اور عربی زبانوں میں بھی۔

یروشلم کا اپنا ائیر پورٹ نہیں ہے۔ ایک چھوٹا سا ائیر پورٹ بنام کلانڈیا (Kalandia) کچھ عرصہ قبل یروشلم اور رملہ کے درمیان کہیں موجود تھا مگر سال 2000ء تا 2005ء کے دوران فلسطین و اسرائیلی مکینوں کے مابین کشمکش مسلسل کے دوران یہ ائیر پورٹ بند کر دیا گیا تھا۔ اب تو اس کا نشان بھی نہیں ملتا۔ یروشلم کی تمام تر ضروریات تل ابیب کے بن گوریان ائیر پورٹ سے ہی پوری ہوتی ہیں جو 54 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔

BBC کی رپورٹر Erica Chernofsky نے اپنی 30 اکتوبر 2014ء کی ایک نشریاتی رپورٹ میں بڑی خوبصورتی سے تینوں بڑے مذاہب سے وابستہ لوگوں کی تاریخ بتاتے ہوئے یہ واضح کیا کہ چار ہزار سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہی سے یہاں لڑائیاں جاری ہیں۔ یہ ایک دوسرے کا گلا بھی کاٹتے رہے مگر پھر بھی اکٹھے رہنا ہی پسند کیا کیونکہ یہاں کی مذہبی عمارات سے تینوں مذاہب کے ماننے والوں کا برابر کا تعلق رہا ہے۔ عقیدت کا رشتہ رہا ہے اور اب بھی وہ تمام مقامات تینوں مذاہب کے پیروکاروں کے لیے یکساں طور پر قابل تکریم ہیں۔ یروشلم شہر اور اس کے مضافات کی موجودہ شکل دراصل تہہ در تہہ دبی ہوئی تہذیبوں کی الگ الگ داستان ہے۔ ہر تہہ ایک الگ دور کی نشاندہی کرتی ہے اور ایک الگ دنیا کے تمدن سے روشناس کرواتی ہے۔ شہر کے قدیم حصے کو چار واضح کوارٹرز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی عیسائی، مسلم، یہودی اور آرمینین (Armenians) کوارٹرز۔ آرمینین لوگ اصل میں عیسائی ہی ہیں مگر وہ اپنی تہذیب، مذہبی روایات اور لباس و زبان میں دوسرے عیسائیوں سے بھی بہت الگ شناخت رکھتے ہیں۔ ان چاروں کوارٹرز کے گرداگرد ایک اونچی فصیل ہے جس سے گذر کر ہی آپ اندر جا سکتے ہیں۔ اس قدیم بستی نے ہی یروشلم کو دنیا کے قدیم ترین مسلسل آباد شہر کا درجہ دے رکھا ہے۔

انیسویں صدی کا یروشلم

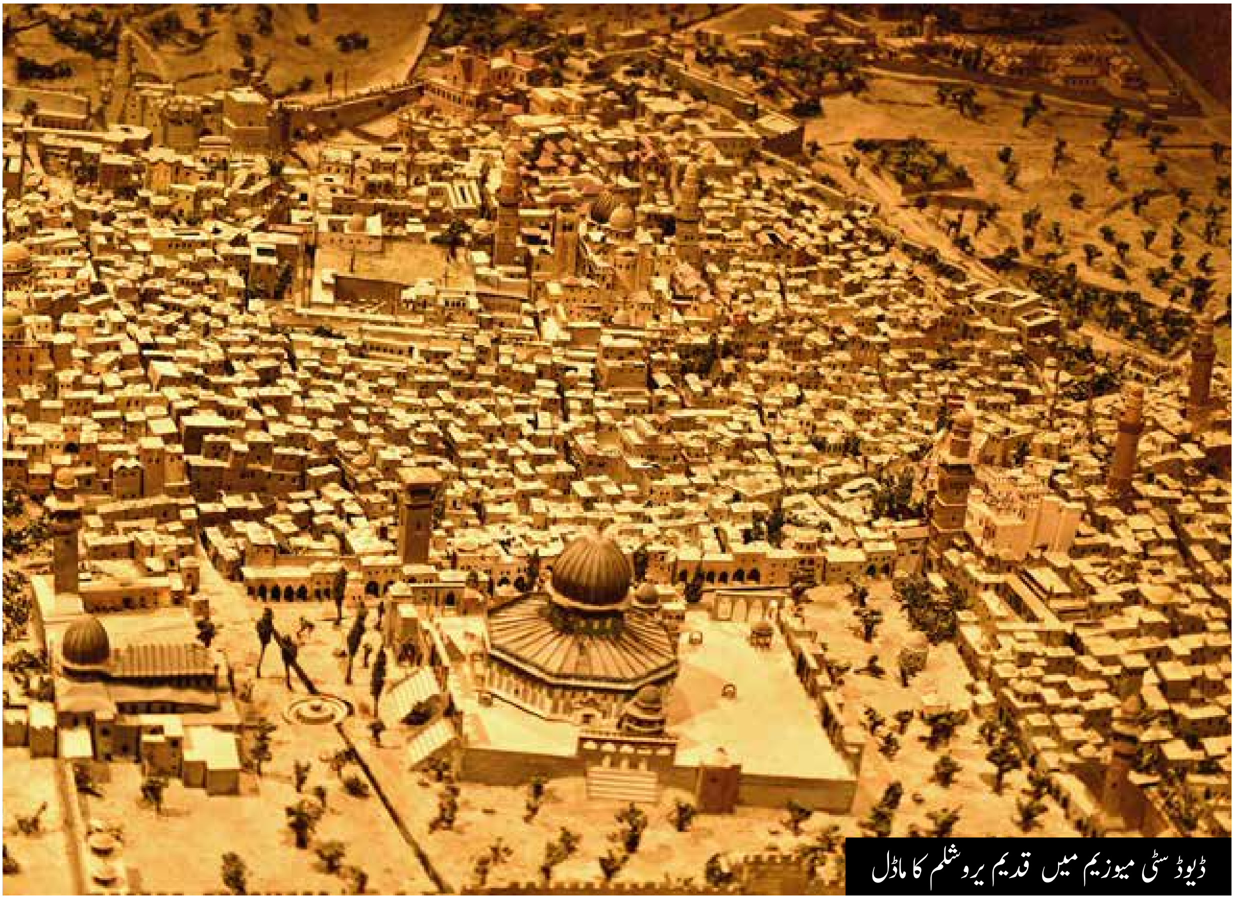
ڈیوڈ سٹی میوزیم میں قدیم یروشلم کا ماڈل

یہودیوں کا قبرستان: تین ہزار سال پرانا

گنبد الارواح

قدیم یروشلم کا منظر

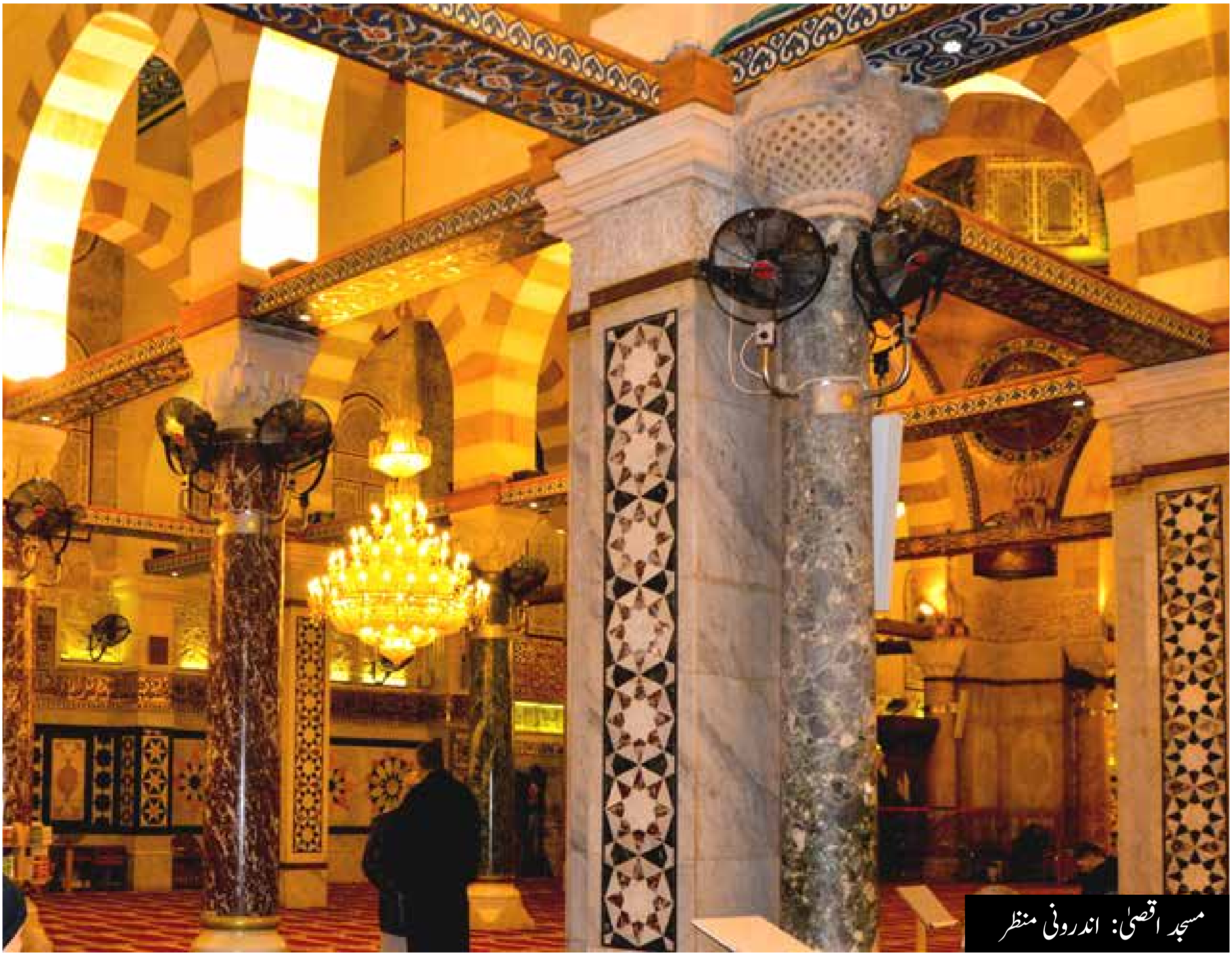

مسجد اقصیٰ: اندرونی منظر

حضرت زکریا علیہ السلام اور بنی حضر کی قبور

گنبد معراج

سنہری گنبد

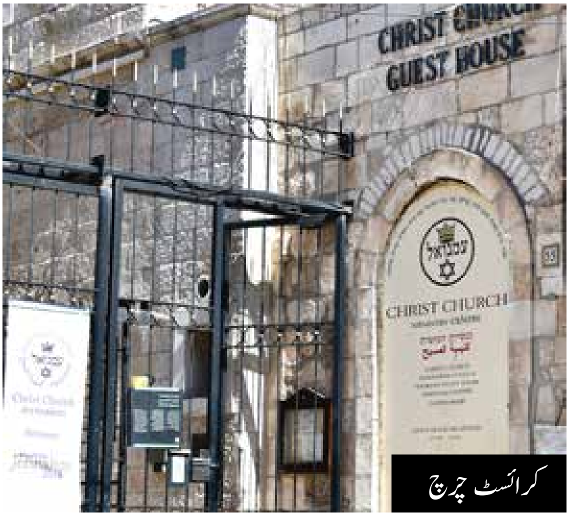

کرائسٹ چرچ

قدیم کارڈو کے کھنڈرات

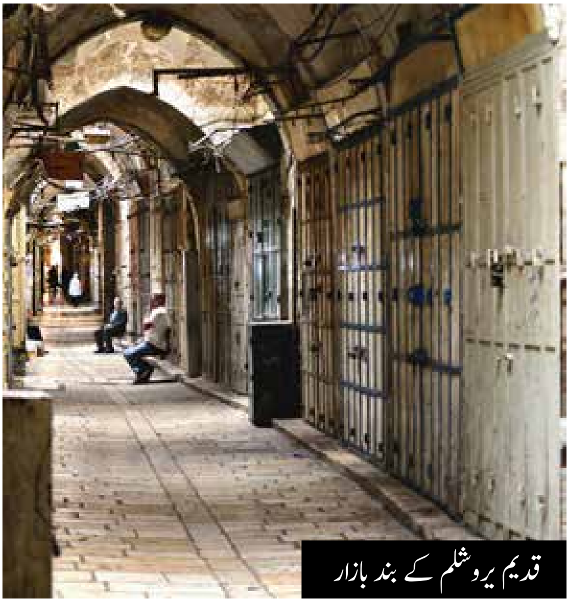

قدیم یروشلم کے بند بازار

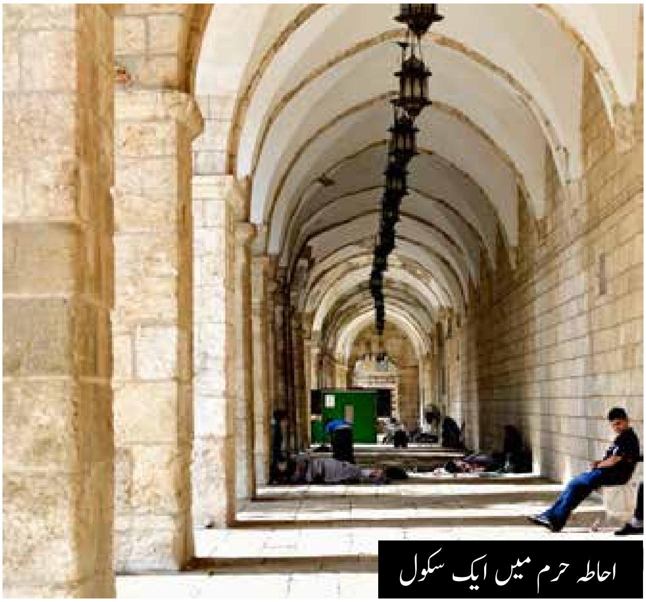

احاطہ حرم میں ایک سکول

تین ہزار سال پرانے زیتون کے درخت

دیوار گریہ

بیت المقدس: اندرونی منظر

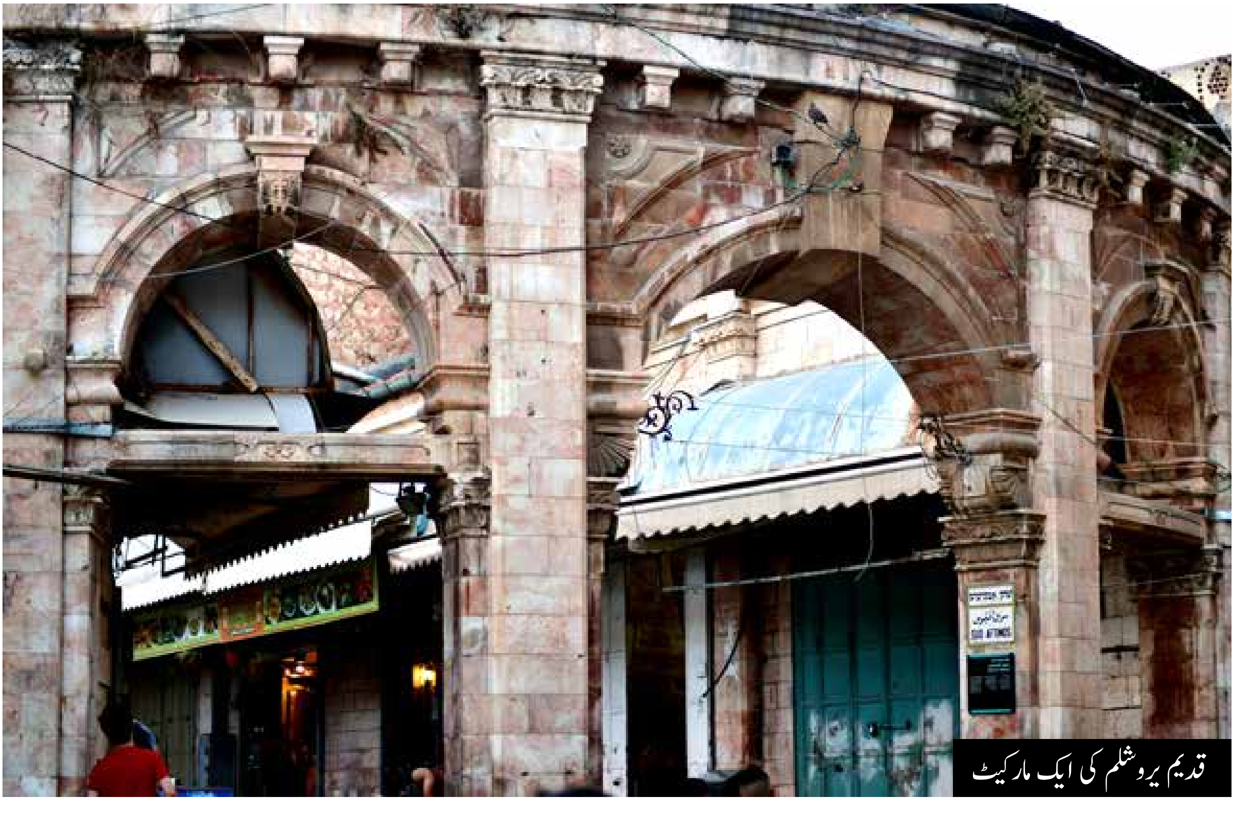

قدیم یروشلم کی ایک مارکیٹ

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوض شفا کے کھنڈرات (عیسائی روایت)

جافا گیٹ: رات کا منظر

مشرقی یروشلم-قدیم شہر

یروشلم کا شہر دو حصوں میں منقسم ہے۔ مشرقی یروشلم اور مغربی شہر جدید۔ فلسطینی اور اسرائیلی لوگ بالترتیب ان میں آباد ہیں۔ مشرقی یروشلم کے اندر پھر ایک قدیم شہر آباد ہے جو فصیل کے اندر ہے اور تاریخ کے تمام تر تجربات، شکست و ریخت، قتل و غارت، جلاؤ گھیراؤ کی کہانیاں اسی خطہ ارض سے منسوب ہیں۔ یہاں مذہبی برداشت بھی انتہا درجے کی اور مذہب کی بنیاد پر سیاست کی کارستانیاں بھی عروج پر رہی ہیں۔ یہ قدیم چار دیواری کے اندر کی تہذیب ہی یروشلم کا دل ہے۔ یہیں پر مذہبی زیارتوں کا قیام ہے۔ اس کا صرف ایک مربع کلومیٹر رقبہ (باقی یروشلم کا رقبہ 124 کلومیٹر ہے) ہی دلوں پر راج کرتا ہے۔ تاریخ اور تہذہب اسی خطے میں یکجا ہو کر سیاحوں کو حیرانگی سے دوچار کرتے ہیں۔ انیسویں صدی تک تمام یروشلم اسی قدیم شہر کے اندر محدود رہا۔ ہزارہا نفوس یہاں سانس لیتے رہے اور مر کر دفن ہوتے رہے اور یہی اس کا جاہ و جلال ہے۔

شہر قدیم کا ایک ایک پتھر اپنے سیاحوں کے لیے کوئی نہ کوئی کہانی سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کی خوبصورتی یہ ہے کہ یہ خطہ ارض آپ کو خوشی سے ہمکنار کرے گا مگر اگلے ہی لمحے غمگین کر دے گا۔ ناراض بھی کرتا ہے مگر اس سے منسلک حقائق آپ کو حیرانی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی لے جائیں گے۔ سوچیں تو بھلا کہ انہی پتھروں پر چار ہزار قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام چلا کرتے تھے۔ انہی پتھروں نے حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب کے قدم چومتے رہنے کی سعادت حاصل کی۔ سیاح حضرات یہاں پر رومن اور مسلم فرمانرواؤں کے ساتھ ساتھ چلتے پھرتے ہیں۔ لوگوں کے جم غفیر یہاں کی منڈیوں میں دیکھ سکتے ہیں جہاں گرجا گھر، مساجد اور یہودیوں کے عبادت خانے ساتھ ساتھ ایک ہی گلی میں ملتے ہیں۔ آپ سیاح ہیں، کسی بھی مذہب یا ملک سے تعلق رکھتے ہیں، سب عبادت گاہوں کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔ تب آپ کو بھی تنگ نظری بالائے طاق رکھنا پڑتی ہے۔

یروشلم کا یہ مشرقی حصہ یہودیوں اور مسلمانوں کے لیے ایک قابل تکریم استعارہ ہے اور ان کی اسرائیلی اور فلسطینی حکومتوں کے لیے ایک نشان منزل بھی۔ مشرقی یروشلم فلسطین کا دارالحکومت بن کر کام کرتا ہے جبکہ مغربی حصہ اسرائیل کا صدر مقام بن کر۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ 1967ء کے بعد سے مشرقی حصہ بھی اسرائیل کے زیر انتظام ہے اور یہاں کی سیاست پر بھی انہی کی حکمرانی ہے۔

1948ء میں اسرائیل کے یوم آزادی تک مشرقی یروشلم میں کوئی بھی یہودی رہائش پذیر نہ تھا اور نہ 1967ء تک بھی کوئی یہودی یہاں آ کر آباد ہوا مگر 2007ء کی شماریات دیکھیے کہ مشرقی یروشلم کی کل آبادی 36965 تھی جن میں 27500 مسلمان، 5681 عیسائی، 790 آرمینی اور 3089 یہودی تھے۔ یہودی آبادکاروں کی یہ تعداد 2013 میں 4500 ہوگئی اور یہ رجحان مزید بڑھ رہا ہے جبکہ کسی مسلمان کو یروشلم کے مغربی حصے میں جا کر آباد ہونے، وہاں گھر خریدنے یا وہاں کاروبار کرنے کی اجازت نہیں۔

یروشلم کے قدیمی شہر کو چار حصوں میں دیکھا جا سکتا ہے: کرسچین کوارٹر (عیسائی کوارٹر) جہاں عیسائیوں کا قدیم گرجا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب چٹان و جائے مدفن (Church of the Holy Sepulchre) چرچ آف سپو کا اہمیت کا حامل ہے۔ مسلم کوارٹر میں حرم شریف، سنہری گنبد اور مقدس چٹان اور مسجد اقصیٰ قابل ذکر زیارات ہیں۔ پھر جیوش کوارٹر میں دیوار گریہ اور آرمینی کوارٹر میں سینٹ جیمز کیتھڈرل اور شہر داؤد علیہ السلام وغیرہ یادگار جگہیں ہیں۔ قدیم شہر میں داخل ہونے کے لیے سیاح اکثر جن دروازوں کا انتخاب کرتے ہیں ان میں جافا گیٹ، ڈنگ گیٹ، دمشق گیٹ اور لائن گیٹ ہیں اور سیاح کسی بھی راستے سے جائیں اندر جا کر سبھی زیارات تک رسائی ہو جاتی ہے۔

ہاں مگر ایک بات مد نظر رہے کہ اگر کوئی غیر مسلم سیاح بیت المقدس جانا چاہے گا تو اسے ڈنگ گیٹ سے ہی داخل ہونا ہوگا اور وہ بھی مخصوص اوقات میں۔ داخلہ صرف اسی ایک راستہ سے ہوگا پھر نکلنے کے لیے سیاح کسی بھی راستے سے بیت المقدس یا سنہری گنبد سے باہر آ سکتے ہیں۔ 1980ء-1981ء کے بعد سے تمام قدیم شہر اور اس کے گرداگرد فصیل کو یونیسکو نے عالمی ورثہ

قرار دیا ہوا ہے۔

یہودیت عیسائیت اور اسلام کے مذہبی اختلافات اپنی جگہ مگر تینوں مذاہب چونکہ ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں اس لیے یہاں زبور، تورات، انجیل مقدس کے قدیم وجدید نسخوں پر اور قرآن کریم پر سب کا ایمان ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کی تمام احادیث کو یکساں طور پر قابل تکریم سمجھا جاتا ہے۔ پس یروشلم شہر سب کا ہے اور سب کے لیے ہے۔

اسرائیل کے جدید ماہرین تعمیرات نے کئی دہائیوں سے ایک پراجیکٹ کا اعلان کیا ہوا ہے جسے Holy Basin کہا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یروشلم کے قدیم حصے میں موجود پانچ سو سالہ قدیم فصیل گرادی جائے تاکہ یروشلم کو ایک شہر بنایا جاسکے۔ متعدد حکومتوں نے اس پر عمل درآمد نہیں کیا۔ ایک تو یہ وجہ کہ پھر اسرائیل کی سیاحت سے آمدن بہت متاثر ہوگی اور دوسرے مسلمانوں کی تمام تر آبادی اس پر ردعمل ظاہر کرے گی جس کو فی الحال سنبھالنا اسرائیل کے لیے شاید ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے کہ Holy Basin منصوبہ سے متاثرین میں سے 73 فیصد لوگ مسلمان، 18 فیصد عیسائی متاثر ہوں گے جبکہ صرف 9 فیصد یہودی متاثر ہوں گے۔

مشرقی یروشلم کے علاقہ میں، شہر قدیم کے باہر الطور علاقے میں عبرانی یونیورسٹی بھی قائم ہے اور اسی کے ساتھ یروشلم کا فوجی ہیڈکوارٹر یعنی GHQ بھی قائم ہے۔ وہ 1967ء سے قبل سے ہی اسرائیلیوں کے زیر انتظام ہے اور کبھی بھی یہاں جھڑپ یا امن عامہ کا مسئلہ نہیں ہوا حالانکہ الطور علاقہ کلیتاً مسلمان آبادی پر مشتمل ہے۔

قدیم شہر کے اندر حرم شریف کے گردونواح کا کنٹرول فلسطین کے مسلم وقف ادارے کے ہاتھ میں ہے اور اسرائیل حکومت اس کی صفائی، ستھرائی یا مناسب نگہداشت کے لیے کوئی فنڈز فراہم نہیں کرتی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ املاک مسلم وقف کے حوالے ہیں وہ خود فنڈنگ کا انتظام کریں۔ اس کے برعکس مسجد اقصیٰ سے متصل مغربی دیوار یعنی دیوار گریہ کا کنٹرول اور انتظام وانصرام اسرائیل نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ اس لیے اس کی حالت بھی بہترین ہے۔ یہاں سہولیات بھی بہت زیادہ ملتی ہیں اور سیاحوں کی تمام تر ضروریات کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔

بی بی سی کی ایک نشریاتی رپورٹ جو کہ اکیس اکتوبر 2013ء کو دکھائی گئی تھی، کے مطابق یروشلم کے شہر کی کل آبادی میں 502,830 یہودی تھے، 288,170 مسلمان تھے، 14,820 عیسائی تھے، دوسرے مذاہب کے لوگ 9,390 تھے اور دروز (Druze) عقیدے کے 90 لوگ تھے۔

یہودی لائبریری کے مطابق مئی 2017ء میں اسرائیل کی کل آبادی چھیاسی لاکھ اسی ہزار تھی اور 1948ء کے بعد میں تب تک دس گناہ اضافہ ہوگیا ہوا تھا۔ اعدادوشمار نے یہ بھی بتایا تھا کہ دنیا میں موجود کل 14.3 ملین یہودیوں میں سے 40% یہودی اسرائیل میں آکر تب تک آباد ہوگئے تھے اور یہ آبادکاری روز بروز زیادہ ہوتی جارہی ہے۔

امریکہ کی ایک مستند ویب سائٹ Sacredsites.com کے مطابق سال 614ء کے لگ بھگ فارس (پرشیا) کے حکمرانوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تھا اور اس کے بعد جب خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یروشلم کو اپنی فتوحات میں شامل کیا تو انہوں نے ہی احاطہ حرم کو صاف کرایا اور پھر ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد رکھی تھی تاکہ مسلمانوں کو عبادت کی جگہ مل سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جس جگہ کا چناو کیا تھا وہ یہی تھی جہاں آج کل سنہری گنبد یا مسجد اقصیٰ قائم ہے۔ اسی جگہ پر پہلے رومیوں کا ایک مندر Jupiter Temple تھا اور اس سے بھی قبل یہودیوں کی دو عبادت گاہیں اس چٹان پر موجود رہی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سنہری گنبد کے اندر کھڑے کئی ستون دراصل وہی ستون ہیں جو کہ 614ء میں فارس کے حکمرانوں نے یروشلم میں قائم تمام مندروں اور گرجا گھروں کو مسمار کرکے ایک جگہ اکٹھا کردیے تھے۔

یہ الگ بات ہے کہ بعد کے مسلمان حکمرانوں نے ان کی تزئین وآرائش اس بہترین انداز میں کی کہ ابھی بھی دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔ برطانیہ کے مشہور معمار K. A. C. Creswell نے سنہری گنبد کی تعریف میں لکھا کہ عمارت کے سولہ ستون آپس میں اس ربط کے ساتھ جوڑے گئے ہیں کہ آج کی سائنس بھی اس ترتیب پر پریشان ہے۔ یہ عمارت ایک زندہ ہیرا ہے، ایک ایسا ساز ہے جس کے نغمے ایک دنیا کو مسحور کیے رکھیں گے۔

گنبد الارواح

سنہری گنبد کی سیڑھیاں

قدیم شہر کا منظر

مروانی ہال کی عقبی دیوار

دیوار گریہ

مسجد اقصیٰ: اندرونی منظر

سنہری گنبد: چھت کا اندرونی منظر

ڈیوڈ ٹاور میوزیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقبرہ

گنبد حضرت خضر علیہ السلام

یروشلم: قدیم شہر

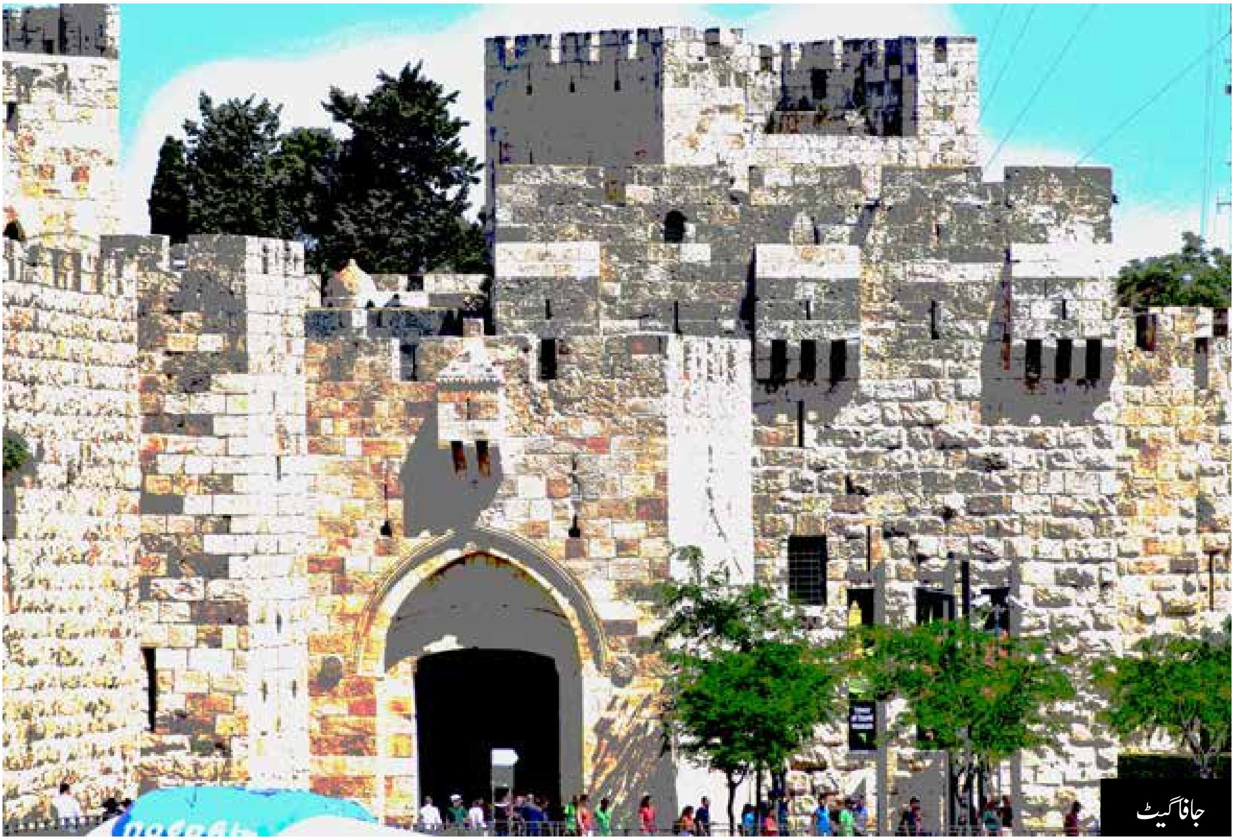
جافا گیٹ

ڈیوڈ ٹاور میوزیم

دیوار کی ساخت

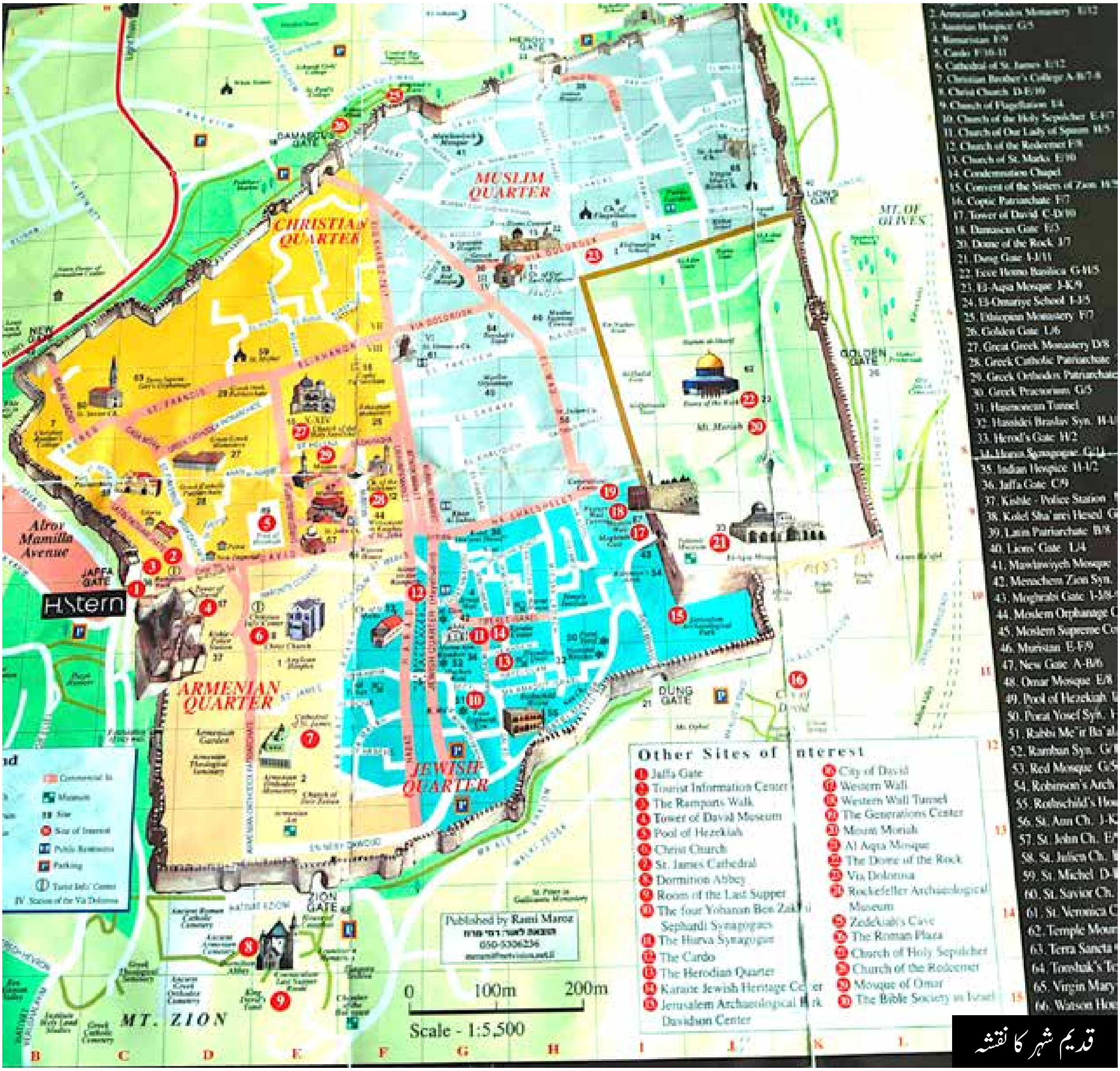

قدیم شہر کا نقشہ

وادی جبل زیتون

مشرقی یروشلم

فصیل شہر: یروشلم

باب الناظر

ہیرڈ گیٹ

دی کارڈو

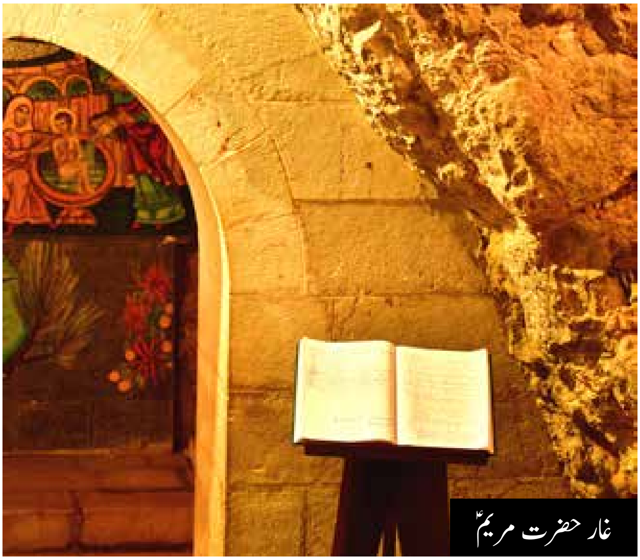
غار حضرت مریمؑ

بیت المقدس-سنہری گنبد

دنیا بھر کے سیاح پورا سال یروشلم کا رخ کرتے ہیں مگر ان کی نگاہ حرم شریف یا مسلمانوں کے قبلہ اول پر مرکوز ہوتی ہے جسے انگریزی ادب میں Temple Mount لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ سیاحوں کی یروشلم میں آمد کے بعد ان کی پہلی ترجیح حرم شریف کی زیارت ہوتی ہے۔ جونہی ہوٹل میں قدم رکھا، سامان کمرے میں پھینکا اور قدیم شہر کا رخ کر لیا۔ یہی ان کی تعطیلات کی ابتدا ہوتی ہے۔ یوں تو حرم شریف میں جانے کے لیے بہت سے راستے ہیں مگر سیاح عموماً اس گیٹ سے جاتے ہیں جو ان کے ہوٹل کے قریب ترین ہوتا ہے۔ مشرقی یروشلم میں ٹھہرنے والے زائرین اکثر ہیرڈ گیٹ یا باب العمود کا انتخاب کرتے ہیں۔ جبکہ مغربی یروشلم میں قیام کرنے والے جافا گیٹ یا ڈنگ گیٹ سے قدیم شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ مذہبی رجحانات رکھنے والے سیاح اپنے اپنے مقدس مقامات تک جانے کے لیے ان دروازوں کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کی زیارتوں کے قریب ترین ہو۔

ڈنگ گیٹ سے داخل ہونے والے زائرین دو قسموں کے ہوتے ہیں اور دو الگ الگ قطاروں میں کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک قطار جو دیوار گریہ کی طرف لے جاتی ہے جبکہ دوسری قطار ان غیر مسلم سیاحوں کی ہوتی ہے جو احاطہ حرم میں جانا چاہتے ہیں کیونکہ غیر مسلم لوگوں کے لیے حرم شریف میں داخلہ صرف ڈنگ گیٹ سے ہی ہوتا ہے۔ احاطہ حرم میں غیر مسلم زائرین کو نہ تو عبادت کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی وہ یہاں اپنے عقیدے یا مذہب کی کوئی رسم ادا کر سکتے ہیں۔ ان کے داخلہ کے اوقات بھی مخصوص ہوتے ہیں یعنی صبح تین گھنٹے کے لیے اور پھر دوپہر کو ایک گھنٹے کے لیے۔ جمعہ کے دن چونکہ پورے فلسطین سے مسلمان بمعہ فیملی اور بچوں کے یہاں آتے ہیں اور بہت رش ہوتا ہے۔ اس لیے غیر مسلم سیاح جمعہ کے روز احاطہ حرم میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ہر مرد و عورت کو بہت ہی مناسب لباس زیب تن کرنا پڑتا ہے اور جا بجا سیکورٹی والے لوگ آپ کے پاسپورٹ چیک کرتے ہیں۔

احاطہ حرم میں سیاحوں کے لیے سب سے زیادہ پرکشش چیز اس کا سنہری گنبد ہے جسے انگریزی ادب میں Dome of the Rock کہتے ہیں۔

عربی میں اسے قبۃ الصخرہ (Sakharah) بولا جاتا ہے۔ اس گنبد کو 689 - 92ء کے دوران اموی خلیفہ عبدالملک نے تعمیر کرایا تھا۔ یہودیوں کے لیے یہ جگہ اس لیے مقدس ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہیکل اول اور بعد میں تعمیر ہونے والے ہیکل دوئم کی جگہ بھی یہی تھی۔ ان کی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی۔ تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس سنہری گنبد اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں اس وقت کے یہودیوں نے بھی بڑی شدومد سے حصہ لیا تھا۔

سنہری گنبد کے اندر داخل ہونے کے لیے چار دروازے ہیں لیکن عموماً ایک ہی کو کھلا رکھا جاتا ہے۔ چونکہ دروازے پر دوبارہ سیکورٹی چیک ہوتا ہے اور یہ یقین کیا جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی اندر داخل ہوں۔ ہاں البتہ جمعہ کے روز تین دروازے کھول دیے جاتے ہیں کیونکہ اندر صرف خواتین جمعہ کی نماز ادا کر سکتی ہیں، رش بہت ہوتا ہے اور اس دن کوئی غیر مسلم احاطہ حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سنہری گنبد کی عمارت میں داخل ہوتے ہی آپ کو ستونوں کی ایک قطار گولائی میں نظر آئے گی، پھر مقدس چٹان کے گرد لکڑی کی ایک مزین چھوٹی سکرین سی نظر آئے گی اور جب آپ ایڑھیاں اٹھا کر دیکھیں گے تو ہی مقدس چٹان پر نظر پڑ سکے گی۔ اس مقدس چٹان سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کا سفر کیا تھا۔ گولائی میں کھڑے ان بارہ ستونوں پر ہی سنہری گنبد کھڑا ہے پھر باہر کی چار دیواری ہے۔ یہ ہشت پہلو عمارت اندر سے انتہائی مزین و خوبصورت ہے جسکا ذکر ابن بطوطہ نے پندرہویں صدی عیسوی میں اپنے سفرناموں میں بھی کیا ہے۔ ان ستونوں اور دیواروں پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ مختلف انداز میں نقاشی کی گئی ہے اور اسی طرح چھت بھی الگ الگ حصوں میں مختلف ڈیزائن میں آراستہ کی ہوئی ہے۔ باہر کی دیواروں میں سنگ مرمر کی ڈیزائن دار جالیاں آٹھوں اطراف میں نصب ہیں جن سے ہلکی ہلکی لطیف روشنی کی کرنیں ہمہ وقت اندر جادوئی سماں پیدا کیے رہتی ہیں۔ کچھ قدیم و جدید فانوس بھی چھت سے لٹکے ہوئے ہیں مگر کسی سے بھی تیز روشنی باہر نہیں آتی۔ پس ایک روح پروری مقدس فضا آپ کے گرد حصار کیے رہتی ہے۔ جا بجا خواتین و حضرات آپ کو سربسجدہ نظر آئیں گے۔

سنہری گنبد کا اندرونی انتظام خواتین کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اندر کی صفائی، ڈسپلن اور رہنمائی کے امور سرانجام دیتی ہیں۔ یہ خواتین دراصل احاطہ حرم میں قائم مدرسہ کی اساتذہ ہوتی ہیں جو اپنی اپنی باریوں کے حساب سے

مدرسہ میں پڑھاتی بھی ہیں اور یہاں آ کر ڈیوٹیاں بھی سرانجام دیتی ہیں۔ مکمل انتظام ہے تا کہ باہر سے آنے والے مسلمان سیاحوں کو کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اساتذہ ہونے کے ناطے ان کو اسلامی تاریخ سے بھی مکمل آگہی ہے اور وہ انگریزی زبان میں بھی مناسب حد تک گفتگو کر سکتی ہیں۔ سنہری گنبد کے باہر کی طرف قرآنی آیات نیلے رنگ کے ڈیزائن میں بہت خوبصورت خطاطی میں کندہ ہیں جن کی لمبائی 240 فٹ ہے جن میں بسم اللہ شریف اور کلمہ شہادت کی بار بار دہرائی بھی کی گئی ہے۔ یہ آیات ملتانی آرٹ کی طرح ٹائلوں پر لکھی گئی ہیں اور تقریباً پنتالیس ہزار (45,000) ٹائلیں اس عظیم تاریخی کارنامے میں استعمال ہوئی ہیں۔ یہ نیلی ٹائلیں اور ان پر قرآنی آیات کی تحریر عثمانیہ دور کے سلطان سلیمان معظم کے دور خلافت یعنی تقریباً 42 - 1530ء کے مابین لگائی گئیں تھیں۔

یاد رہے کہ اس گنبد کے اندر پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی آنے جانے اور عبادت کرنے کی اجازت تھی مگر سال 969ء میں مصر کے فاطمی خاندان کی حکومت آئی تو یہ رواج ختم کر دیا گیا اور گنبد میں صرف مسلمانوں کو عبادت کی اجازت دی گئی۔ 1071ء میں سلجوق ترکوں نے جب بازنطینی حکمرانوں کو شکست دی تو انہوں نے یورپ سے عیسائی اور یہودی زائرین کے راستے بھی بند کر دیے تھے جس کا ردعمل بہت شدید ہوا اور ان سب نے مل کر ہی صلیبی جنگوں کی تیاری کی اور Crusaders کے لیے یروشلم پر حملوں اور پھر قبضے کی راہ ہموار کی تھی۔ سنہری گنبد کے عین نیچے جو مقدس چٹان ہے اسے دنیا بھر کے مذہبی لٹریچر میں The Rock کہا جاتا ہے۔ یہودی اسے Foundation Stone کہتے ہیں کیونکہ ان کے مذہبی عقیدوں کے مطابق اسی چٹان پر حضرت اسحاق علیہ السلام کو قربانی کے لیے لایا گیا تھا۔ قدیم عبرانی بائبل کی کتاب پیدائش (2:23) کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام اس وقت سینتیس (37) برس کے تھے۔ دوسرے یہودیوں کے نزدیک اسی چٹان کی تہہ میں مقدس ترین تابوت سکینہ (Ark of the Covenant) یا مکاشفہ دفن ہیں۔ مسلمان اس لیے اس بات سے اختلاف کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی قربانی کے ضمن میں صحیح تاریخ بیان کر دی گئی ہے جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش کی تھی نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اور یہ کہ قربانی کا مقام مکہ شریف کے قریب عرفات تھا نہ کہ یروشلم میں۔

قرآن حکیم نے واضح طور پر اس بشارت کی تکمیل کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کو اس وقت نرینہ اولاد سے نوازا جب کہ ان کی عمریں بالترتیب سو سال اور نوے سال تھیں اور جب کہ حضرت سارہ علیہا السلام میں پیدائش کی تمام صلاحتیں مفقود ہو چکی تھیں، ان کو حضرت اسحاق علیہ السلام عطا کیا (دیکھیے قرآن 74-11:71) اور اس واقعہ کو اسی طرح عبرانی بائبل کی کتاب پیدائش (بحوالہ 17:17 اور 18:11) میں من و عن بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جذبہ اطاعت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ نے آنے والی تمام نسلوں کے لیے علامت بنا دیا اور مسلمانوں پر فرض کر دیا کہ ہر سال حج کے موقعہ پر صاحب استطاعت لوگ اس روایت (سنت) پر عمل کرتے ہوئے لازمی طور پر جانوروں کی قربانی کریں گے۔ اس کی تفصیل ایک الگ مگر مکمل موضوع ہے۔

جن خوش نصیب لوگوں کو سنہری گنبد میں جانے کی سعادت ملتی ہے وہ زندگی کے اس اچھوتے تجربے کو بہت حیرانگی سے انجوائے کرتے ہیں۔ گنبد کی عمارت میں نصب چاروں دروازے تانبے سے بنے ہوئے ہیں جنہیں 96 -1468ء میں مصر کے اٹھارویں مملوک سلطان سیف الدین اشرف قایتبائی نے نصب کروایا تھا۔ سنہری گنبد کی پیمائش تقریباً 18X13.25 میٹر بنتی ہے۔ مقدس چٹان کے گرد لکڑی اور براؤن پتھر کی حفاظتی دیوار صلیبی حکمرانوں نے بارہویں صدی عیسوی میں بنوائی تھی تا کہ عیسائی اور مسلمان زائرین اس چٹان کے ٹکڑے تبرک کے طور پر نہ لے سکیں۔ سنہری گنبد کی اندرونی چھت سبز اور سنہری رنگ کے قرآنی الفاظ سے اس عالیشان انداز میں مزین کی گئی ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔ سنہری گنبد کی بیرونی سطح تو خالص سونے کی ہے ہی مگر اندرونی چھت پر بھی تمام نقاشی اور لفاظی سونے سے کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ گنبد اور مسجد اقصیٰ میں ہمہ وقت مرمت اور تزئین و آرائش کا کام ہوتا رہتا ہے پس اندر تعمیراتی پائپ اور سیڑھیاں آپ کو ضرور نظر آئیں گی ہاں مگر ان کی پوزیشن تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

سنہری گنبد کے عین نیچے اور اس ہشت پہلو عمارت کے عین وسط میں موجود مقدس چٹان کے نیچے ایک غار بھی ہے جسے برالارواح اور انگریزی میں

Well of Souls کہا جاتا ہے۔مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں ہمہ وقت نیک روحوں کا نزول رہتا ہے اور وہ یہاں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے آتی رہتی ہیں۔اس غار میں بیس بائیس افراد کے نماز ادا کرنے کی جگہ ہے اور یہاں نوافل ادا کرنے کے لیے ہر وقت دو چار خواتین وحضرات موجود ہوتے ہیں۔اوپر کے ہال میں آپ مقدس چٹان کو چھو نہیں سکتے کیونکہ وہاں حفاظتی دیوار ہے لیکن اس غار میں چاروں طرف اور اوپر چھت بھی چونکہ وہی چٹان ہے پس لوگ یہاں اس کو چھو لینے اور ساتھ لگ کر بیٹھے رہنے کو سعادت مندی سمجھتے ہیں۔غار میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ ہے جو عمارت میں موجود منبر کے سامنے ہے اور چھوٹے سے دروازے سے باقاعدہ دس بارہ سیڑھیاں نیچے اترتی ہیں۔

یاد رہے کہ 692ء میں اموی خلیفہ عبدالملک کا بنوایا ہوا سنہری گنبد 1015ء میں ایک بار گر گیا تھا مگر اس وقت کے عباسی خلیفہ نے 23 - 1022ء میں اسے اسی طرز پر دوبارہ تعمیر کروا دیا تھا جو آج تک قائم ہے مگر تزئین و آرائش اور مرمت ہمہ وقت ہوتی رہتی ہے۔اس کی آخری بڑی مرمت 1998ء میں اردن کے شاہ حسین دوئم نے کروائی تھی جس کے لیے اس نے لندن میں اپنی رہائش گاہ کو بیچ کر اسی کلو (80Kg) سونے کا انتظام کیا تھا کیونکہ گنبد کی بیرونی سطح پر دوبارہ سونے کی تہہ چڑھانے کی ضرورت تھی۔ویسے ہی خدائے بزرگ و برتر کی اس جگہ پر خاص مہربانی ہے۔حرم شریف کے گردونواح کی تقریباً تمام عمارتیں کئی بار زلزلوں سے زمین بوس ہوتی رہیں مگر گنبد کے ڈیزائن اور اس کی ہشت پہلو بنیادوں اور دیواروں کی بدولت یہ عمارت زلزلوں سے محفوظ رہی۔بہر حال تین ہزار سال سے احاطہ حرم مرجع خلائق رہا ہے اور اب بھی ہے۔

بیت المقدس کے اندر یا باہر فوٹو گرافی یا ویڈیو بنانے پر پابندی نہیں ہے مگر اس احتیاط کی تلقین کی جاتی ہے کہ خواتین اور بچوں کی تصاویر نہ بنائی جائیں۔بہت سے لوگوں کے لیے اچنبھے کی بات ہوگی کہ بیت المقدس میں اذان نہیں دی جاتی کیونکہ مسجد اقصیٰ کی اذان کی آواز براہ راست یہاں سنی جاتی ہے۔لیکن تمام پانچ نمازیں یہاں اپنے امام کے پیچھے ادا کی جاتی ہیں سوائے نماز جمعہ کے۔جمعہ کے روز چونکہ یہاں اس وقت صرف خواتین ہوتی ہیں پس مسجد اقصیٰ کے امام کی امامت میں ایک ہی نماز ادا ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ بیت المقدس کے دروازے عشا کی نماز ادا ہونے کے پندرہ منٹ بعد بند کر دیے جاتے ہیں کوئی شخص یہاں رات کو قیام نہیں کر سکتا سوائے رمضان شریف کی آخری دس راتوں کے۔ بیت المقدس میں اگر غربی دروازے سے داخل ہوں تو سامنے کی لکڑی کی دیوار کے پیچھے مقدس چٹان پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ہاتھ کی انگلیوں کے نشان بھی ہیں (جو براہ راست نہیں دیکھے جا سکتے)۔کہا جاتا ہے کہ معراج کی شب جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چٹان پر پاؤں مبارک رکھا تو وہ تھر تھر کانپنے لگی پس حضرت جبرائیل علیہ السلام نے چٹان کو اپنے ہاتھ سے تھامے رکھا تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان سے براق پر سوار ہوسکیں۔

ایک اور معجزہ کہ قریب ہی مقدس چٹان کے کونے پر زائرین کو سنہری و سرخ رنگوں میں تعمیر کیا ہوا ایک چھوٹا سا مینار نظر آتا ہے یہاں اکثر زائرین خواتین کا رش ہوتا ہے۔اس منارچہ کے نیچے ایک سوراخ نمایاں ہے جس میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں اور جب ہاتھ باہر نکالتے ہیں تو ساتھ ہی خوشبو کی ایک لپٹ باہر آتی ہے جسے سامنے والا شخص ہی محسوس کر سکتا ہے اور اس خوشبو کی لذت و ملائمت کو بیان بھی نہیں کر سکتا۔آپ جتنی بار بھی اپنا ہاتھ اس سوراخ میں ڈالیں گے ہاتھ باہر نکالتے ہی آپ کو خوشبو کی لپٹ ملے گی۔یہ معجزہ پندرہ سو سال سے اسی طرح سے مسحور کن انداز میں اپنا فیض جاری رکھے ہوئے ہے۔کیوں نہ ہو یہی تو چٹان کا وہ حصہ ہے جس پر پاؤں رکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار ہوئے تھے اور خوشبو کی وہ لپٹ شاید جنت سے آتی ہے کیونکہ کسی طرح سے بھی دنیاوی خوشبوؤں کو اس خوشبو کے ہم پلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اگر آپ تیسرے دروازے یعنی باب السلسلہ کے راستے بیت المقدس میں داخل ہوں تو سامنے ہی ایک بڑی سی سنگ مرمر کی سل کے نیچے حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔ان کی وفات اس جگہ سے چند قدموں کے فاصلے ہی پر ہوئی تھی۔جب ہیکل اول تکمیل کے بالکل آخری مراحل میں تھا۔قصہ مختصر بیت المقدس کی زیارت کرنا اور اس کی درودیوار سے پھوٹتی بابرکت شعاعوں کو محسوس کرنا اور اس کے ماحول کی پاکیزگی سے اپنی روحوں کو سیراب کرنا ایک ایسا خوش کن احساس ہے کہ سیاح عمر بھر اس لذت کو اپنا سرمایہ بنائے رکھتے ہیں۔

سنہری گنبد تلے مقدس چٹان

سنہری گنبد

خوبصورت و منقش لکھائی

دیوار گریہ کی طرف سے گنبد کا منظر

سنہری گنبد کا داخلی دروازہ

سنہری گنبد: رات کا منظر

سنہری گنبد: دلکش منظر

سنہری گنبد: رات کا منظر

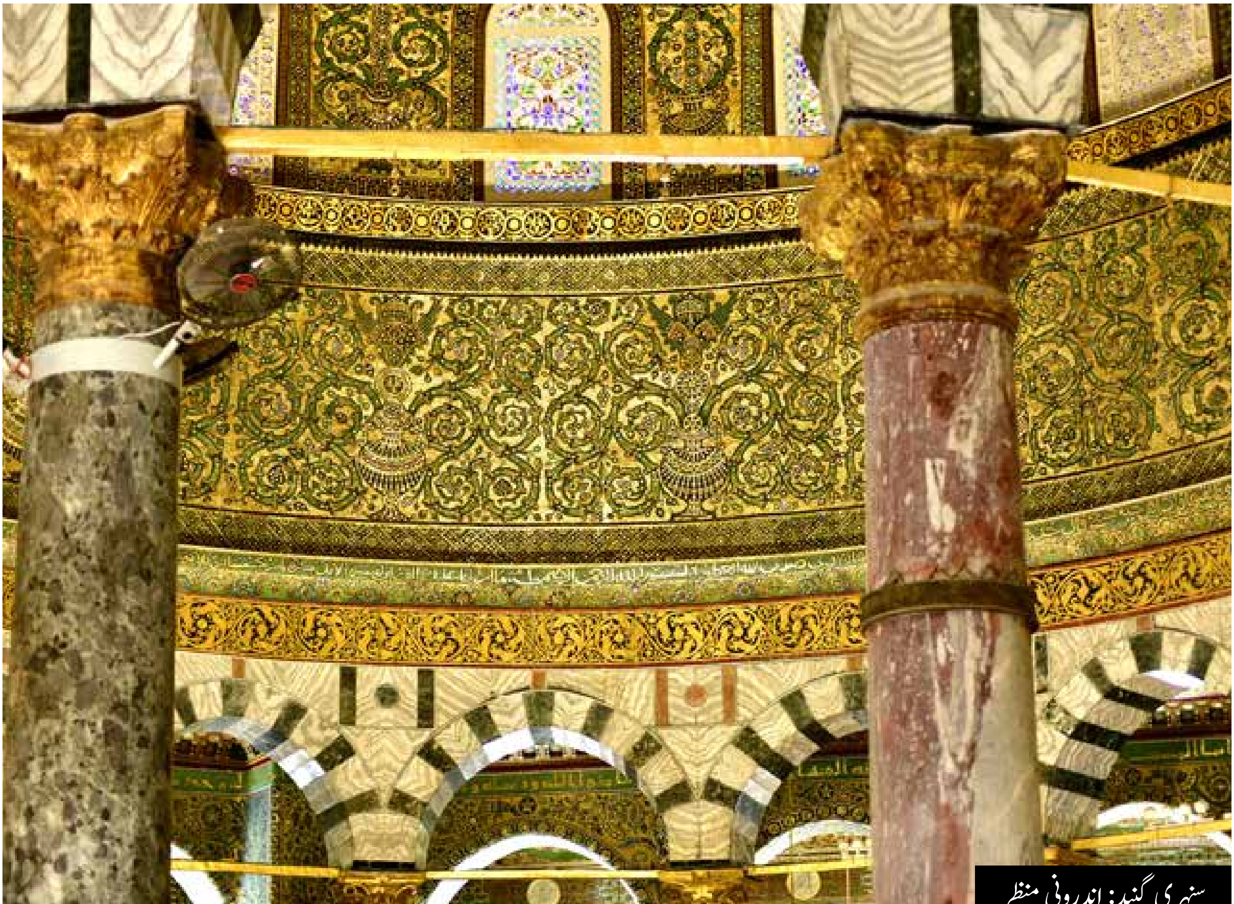

سنہری گنبد: اندرونی منظر

سنہری گنبد: جنوب کی سمت سے

سنہری گنبد: منقش و دلا آویز چھت

سنہری گنبد: شمال کی سمت سے

سنہری گنبد: قریبی خدوخال

سنہری گنبد: جنوب مغرب کی سمت سے

الکاس: اقصیٰ کا وضو خانہ

سنہری گنبد کے اندر مقدس غار

سنہری گنبد کے اندر حضرت سلیمان علیہ السلام کی جائے تدفین

مقدس غار میں جانے کا دروازہ

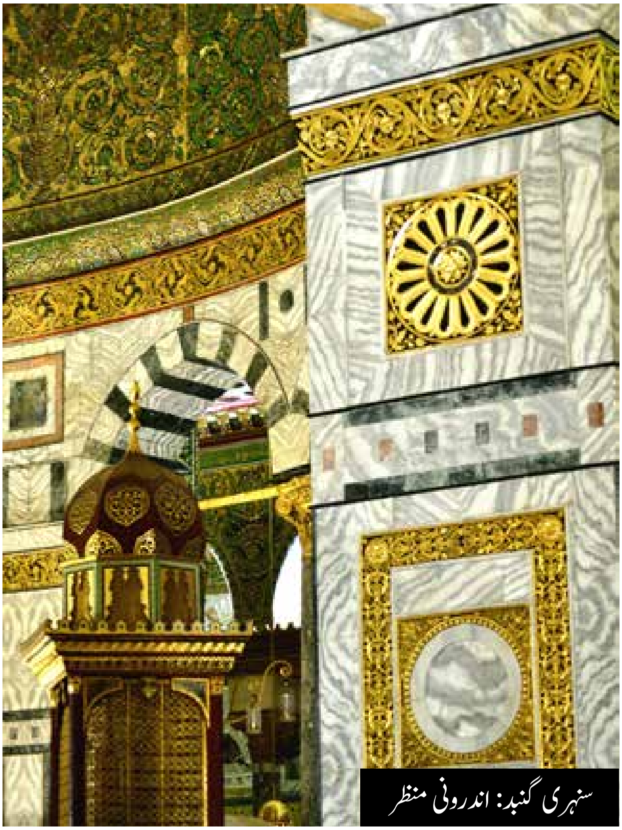

سنہری گنبد: اندرونی منظر

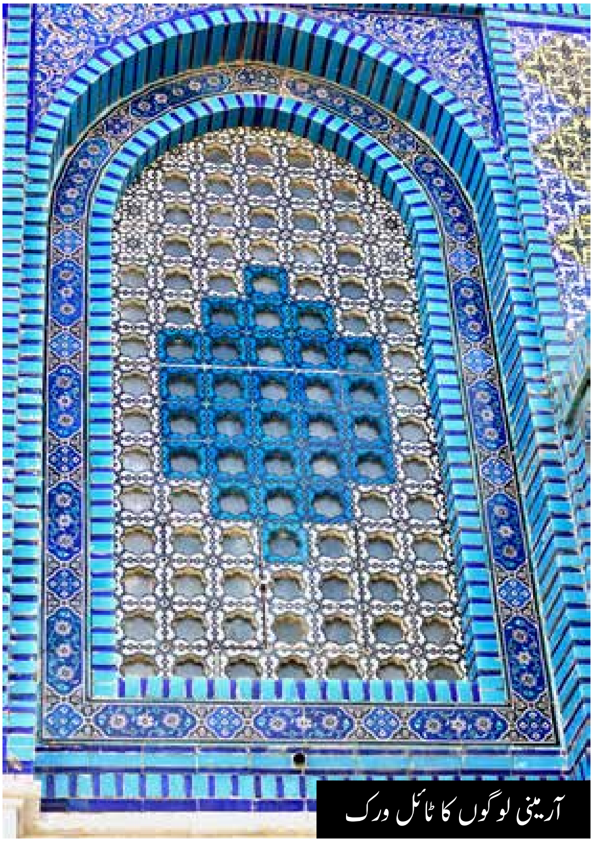

آرمینی لوگوں کا ٹائل ورک

وہ مقام جہاں حضرت محمد ﷺ کا پاؤں مبارک پڑا تھا

سنہری گنبد: باب الناظر کی سمت سے

سنہری گنبد: جبل زیتون کی سمت سے

مقدس چٹان کے گرد حفاظتی دیوار

غیر مسلموں کے لیے داخلی راستہ

سنہری گنبد تلے محراب

سنہری گنبد: جبل زیتون سے

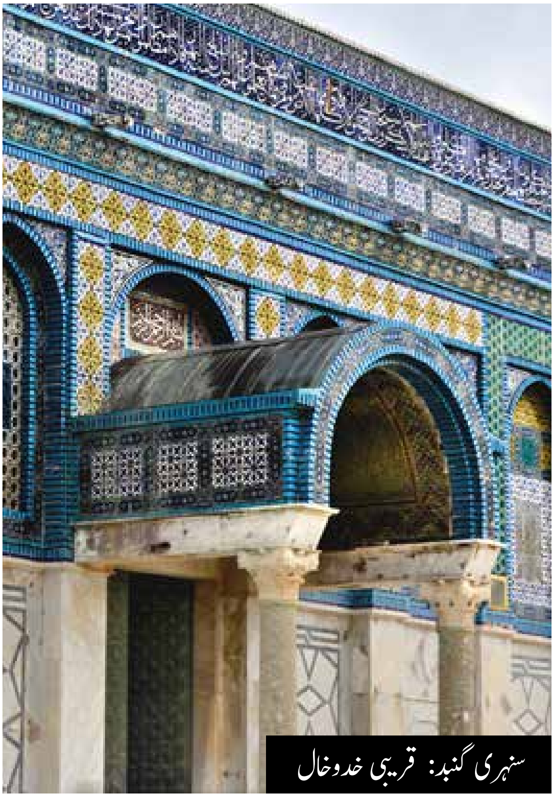
سنہری گنبد: قریبی خدوخال

سنہری گنبد کا دروازہ

مقدس چٹان: دوسرا منظر

مقدس چٹان: ایک منظر

احاطہ حرم شریف کے گنبد و مینار

یروشلم کے قدیم علاقے میں، حرم شریف کے احاطہ میں صرف بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی نقوش ثبت ہیں جو مسلمان حکمرانوں کی انسان دوستی اور حرم شریف سے عقیدت کے طور پر تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے تابندہ ستارہ بن کر چمکتے رہیں گے۔ ان میں سے کچھ کا مختصر ذکر اس طرح سے ہے:

گنبد سلسلہ (Dome of the Chain): احاطہ حرم شریف میں سنہری گنبد/ قبۃ الصخرہ (The Dome of the Rock) کے بالکل قریب مشرقی پہلو میں ایک چھوٹا گنبد نظر آتا ہے جسے عرب والے گنبد سلسلہ (Dome of the Chain) کہتے ہیں۔ یہ سترہ ستونوں پر کھڑی مسجد نما چھت ہے جسے اموی خلیفہ عبدالملک نے 685ء میں تعمیر کروایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس چھت کا ڈھانچہ تجرباتی بنیادوں پر بنوایا گیا تھا تاکہ اس ڈیزائن پر بڑا سنہری گنبد تعمیر کروایا جا سکے اور پھر اسی گنبد کے خدوخال کی بنیاد پر واقعتاً بڑے گنبد کی تعمیر کی گئی جو کہ 92 - 691ء میں مکمل ہوئی تھی۔ مگر صرف ایک فرق کے ساتھ کہ گنبد سلسلہ چھ ستونوں پر بنایا گیا تھا اور سنہری گنبد آٹھ ستونوں پر تعمیر کیا گیا۔ احاطہ حرم شریف میں تعمیر ہونے والی یہ پہلی اسلامی عمارت تھی۔ اس کے بعد پھر سنہری گنبد 92 - 691ء میں بنایا گیا اور 705ء میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر ہوئی تھی۔ سنہری گنبد اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر مکمل ہونے تک ظاہر ہے کہ اسی ڈھانچہ کو مسجد کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ اس میں محراب بھی شامل ہے گو کہ اس ڈھانچہ کی دیواریں نہ تب تھیں اور نہ بعد میں کبھی بنائی گئیں۔

1099ء میں مسیحی افواج (Crusaders) نے جب شام کے قریبی علاقوں پر فوج کشی کی تو یروشلم بھی ان کے قبضے میں آ گیا تھا۔ جب وہ سنہری گنبد کے احاطے حرم شریف میں آئے تو ان کے پادریوں نے گنبد سلسلہ والی جگہ کے بارے میں تعین کیا کہ یہاں پر ان کے بزرگ پادری جیمز (.Saint James) کو قتل کیا گیا تھا۔ پس انہوں نے اس جگہ کو چرچ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تقریباً نوے (90) سال تک یہ گنبد سلسلہ چرچ اور عیسائیوں کی عبادت گاہ بنا رہا مگر 1187ء میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسیحی افواج کو شکست دے کر یروشلم سے نکالا تو اس کو واپس مسجد بنا دیا گیا۔ 1199ء میں اس گنبد کی چھت اور فرش کو دوبارہ سے مرمت کر کے بہتر حالت میں مسجد کی شکل میں لایا گیا تھا۔ مملوکی ادوار خصوصاً 1260 - 77ء کے دوران بھی اس کی تزئین و آرائش دوبارہ سے کی گئی تھی۔ آنے والے دور میں خلافت عثمانیہ کے دور حکومت میں اس کی محراب پر سفید سنگ مرمر لگا دیا گیا جو آج تک اسی حالت میں ہے۔

درمیانی عرصہ میں گنبد سلسلہ کو (44 - 1240ء کے دوران) ایک بار پھر چرچ بنا دیا گیا تھا مگر یہ مختصر دور صرف چار (4) سال تک ہی محدود رہ سکا اور مملوکوں نے اسے پھر واپس حاصل کر لیا تھا۔ سال 1561ء میں خلافت عثمانیہ کے خلیفہ سلیمان معظم نے اس کی تمام ٹائلز کو تبدیل کیا، مزین کیا اور مزید خوبصورت کر دیا۔ گنبد سلسلہ کی تزئین و آرائش کی حفاظت تو کی جاتی رہی ہے مگر یہاں پر اب نماز قائم نہیں ہوتی کیونکہ بالکل ساتھ ہی میں سنہری گنبد اور مسجد اقصیٰ ہیں۔ یعنی دونوں جگہ نماز ہوتی ہے۔ اس گنبد سلسلہ میں اکثر بچے فٹ بال کھیلتے دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔

گنبد سلسلہ کی آخری بڑی مرمت 76 - 1975ء میں اسلامی وقف نے کروائی تھی۔ مذہبی تاریخ کی اکثر کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ گنبد سلسلہ کی باقاعدہ تعمیر سے قبل اسی جگہ پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی زنجیر عدل ہوا کرتی تھی کیونکہ عہد نامہ قدیم کے مطابق یہ زنجیر عدل سنہری گنبد کی مقدس چٹان کے مشرقی کونہ میں ہوا کرتی تھی اور وہ یہی جگہ بنتی ہے۔ یہودیوں کی مذہبی روایات کے مطابق یہ زنجیر عدل آسمان اور زمین کے درمیان معلق اور مسلسل جھولتی رہا کرتی تھی اور جب بھی اپنے مقدمات کے سلسلے میں دو افراد اس زنجیر کے قریب آ کر اسے ہلانے کی کوشش کرتے تھے تو یہ زنجیر صرف سچے فرد کے ہاتھ آتی تھی اور جھوٹے کو اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں یہاں کل سترہ ستونوں کی بجائے بیس ستون ہوا کرتے تھے۔ مگر تیرہویں صدی میں کسی مرمت کے دوران ستونوں کی تعداد کم کر دی گئی تھی۔

گنبد سلسلہ کا کل قطر صرف چودہ میٹر یا تقریباً چھیالیس فٹ ہے اور اب احاطہ حرم میں یہ تیسرا بڑا عمارتی ڈھانچہ ہے۔ پہلے دو مسجد اقصیٰ اور سنہری گنبد ہیں۔

گنبد معراج (Dome of the Ascension): سنہری گنبد/ قبۃ الصخرہ (Dome of the Rock) کے شمال میں احاطہ حرم شریف کے اندر ہی ایک چھوٹا سا گنبد ہے جسے گنبد معراج یا Dome of the Ascension کہا جاتا ہے۔ اس کی باہر نکلتی محراب پر فلسطینی مسلم وقف کی طرف سے ایک سائن پلیٹ بھی لگی ہوئی ہے جس پر گنبد معراج لکھا ہوا ہے۔ بادی النظر میں اس سے مراد یہی ہے کہ اس جگہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کی رات خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں تشریف لے گئے تھے مگر یہ مکمل سچ محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ تمام تاریخی روایات اور مذہبی کتب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنہری گنبد کے نیچے مقدس چٹان سے ہی معراج پر گئے تھے کسی اور جگہ سے نہیں۔

عیسائیت کی تقریباً سبھی تاریخی کتابوں میں یہ لکھا ملتا ہے کہ یہ گنبد معراج دراصل ان کے صلیبی حکمرانوں (1099 - 1187ء) نے تعمیر کرایا تھا اور اسے عیسائی بچوں کے بپتسمہ (Baptistry) کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ پرانے وقتوں کے صلیبی و مسیحی فرقوں میں یہ رواج تھا کہ جب وہ کسی بڑے چرچ کی تعمیر کا منصوبہ بناتے تھے تو ساتھ ہی ایک چھوٹا سا ایسا گنبد یا عمارت الگ سے تعمیر کرتے تھے جسے بپتسمہ کی رسم کے لیے مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ اس گنبد معراج کو صلیبی حکمرانوں نے شاید اپنے اوائل دور حکمرانی میں ہی تعمیر کر دیا تھا کیونکہ 1187ء میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے یروشلم کو فتح کیا تو بعد میں فوراً اس گنبد کی اعلیٰ پیمانے پر مرمت کی گئی تھی۔ محکمہ مسلم وقف کی جانب سے لگائے گئے کتبہ پر سال 01 - 1200 تحریر ہے۔ آپ اسے ایوبی حکومت کی طرف سے مرمت یا Re-construction کا سال بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اسے کسی اور واقعے سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

گنبد الارواح (Dome of the Spirits): جب سیاح بیت المقدس سے گنبد معراج کو چھوتے ہوئے آگے نکل جاتے ہیں تو اسی سیدھ میں ان کو گنبد الارواح بھی ملتا ہے جو بلندی میں ذرا کم ہے۔ عرب لوگ اسے اس لیے بھی اہمیت دیتے ہیں کہ شاید یہودیوں کی مقدس Holy of the Hollies یہیں دفنائی گئی تھیں۔ تابوت سکینہ اور یہودیوں کے مقدس دس احکامات بھی یہیں دفنائے گئے ہوں گے نہ کہ سنہری گنبد کے اندر مقدس چٹان کی کھوہ میں۔ بہرحال یہ امر ابھی تصفیہ طلب ہے۔

کچھ جدید یہودی محققین بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تابوت سکینہ دراصل اسی گنبد والی جگہ پر دفنایا گیا تھا۔ مگر قدیم یہودی راہب اس جدید ریسرچ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسرائیل ہی کی عبرانی یونیورسٹی میں پندرہ (15) سال تک تحقیق کرنے والے ایک ماہر آثار قدیمہ اور فزکس کے پروفیسر ڈاکٹر آشر کوف مین (Dr. Asher Kaufman) نے اپنی ریسرچ سے یہی ثابت کیا کہ:

> "یہودی راہبوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ ان کا مقدس تابوت سکینہ مسلمانوں کے بیت المقدس کے اندر چٹان کے نیچے دفن ہے مگر میرا یہ ماننا ہے کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہیکل اول یا بادشاہ ہیرڈ کا ہیکل دوئم اس جگہ پر تعمیر ہی نہیں تھے جہاں آج کل کا بیت المقدس قائم ہے"۔

یہودی پروفیسر ڈاکٹر کوفمین نے پرانی تاریخی دستاویزات کی بنیاد پر یہ ثابت کیا کہ یہودیوں کے ہیکل اول اور دوئم آج کی مقدس چٹان سے تقریباً 330 فٹ دور شمال کی جانب ایک مقام پر قائم تھے۔ یہ جگہ دراصل یہی گنبد الارواح یا اس کے نہایت قریب کے مقام ہی پر بنتی ہے۔ ڈاکٹر کوفمین نے یہ بھی ثابت کیا کہ گولڈن گیٹ (شہر قدیم کی بیرونی فصیل کے اندر ایک دروازہ جو صدیوں سے ہی بند ہے) دراصل ہیکل اول اور ہیکل دوئم کی عبادت گاہوں کا مرکزی دروازہ تھا۔ گولڈن گیٹ اور گنبد الارواح ایک ہی سیدھی لائن پر واقع ہیں۔ پس اگر ہیکل اول و دوئم ادھر تھے تو تابوت سکینہ والی جگہ بھی یہی گنبد الارواح بنتی ہے بیت المقدس والی چٹان نہیں۔

درج بالا تحقیقی مقالہ اور اس کا متن یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل (UPI) کی طرف سے اہم خبر کے طور پر 26 فروری 1983ء کی تمام امریکی اخبارات کی زینت بنا تھا۔ یاد رہے کہ یہ ادارہ حقیقی رپورٹنگ کرنے والے واحد ادارے کے طور پر 1907ء سے مسلسل تسلیم شدہ ہے۔

المروانی ہال (Al-Marvani Prayer Hall): مغربی تاریخی لٹریچر میں اسے Solomon's Stables کہا جاتا ہے۔ مسجد

اقصیٰ کے بائیں ہاتھ ایک بڑا سا میدان نظر آتا ہے جس میں کہیں کہیں سبز رنگ کے چھوٹے چھوٹے روشن دان فرش پر پڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ میدان دراصل پانچ سو (500) مربع میٹر کے لگ بھگ تہہ خانہ (Basement) ہے جس میں جانے کے لیے دو سیڑھیاں وسیع و عریض قسم کی بنی ملتی ہیں۔ اس تہہ خانہ کی ایک دیوار احاطہ حرم کی جنوبی فصیل ہے۔ ہال کی گہرائی ساڑھے بارہ میٹر ہے اور بارہ قطاروں میں بڑے بڑے محرابوں پر محیط ہے۔ المروانی ہال احاطہ حرم میں سب سے قدیم تعمیر ہے جس کو ہیرڈ بادشاہ نے دو ہزار سال قبل، ہیکل دوئم کی توسیع کے دوران بنوایا تھا۔ یہ تہہ خانہ اب بارہ قطاروں میں ایستادہ اٹھاسی (88) ستونوں اور ان کے مابین پتھروں کی ہی محرابوں کے ساتھ اپنی عظمت کی داستان ہر سیاح کو سنا رہا ہے۔ جبکہ اس عظیم الجثہ چھت کے نیچے اتنے بڑے بڑے پتھر استعمال کیے گئے تھے کہ سیاحوں کو اہرام مصر یاد آجاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ تہہ خانہ ہیکل دوئم کی سٹوریج تھا مگر پچاس برس قبل تک یہ عمارت بند ہی تھی اور کسی کو بھی اندر جانے کی نہ اجازت تھی اور نہ کوئی جرأت ہی کرتا تھا۔

نہ جانے یہ تہہ خانہ کبھی کسی کے استعمال میں رہا ہوگا یا نہیں۔ تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ مگر یہ ذکر ضرور ملتا ہے کہ 31 - 1811ء کے دوران صلیبی حکمرانوں نے اسے اپنے گھوڑوں کے اصطبل کے طور پر استعمال کیا تھا کیونکہ بعض ستونوں یا دیواروں میں ابھی بھی کھونٹیاں اسی طرح پیوست ملتی ہیں۔ شاید اسی لیے اس جگہ کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصطبل کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مسلم وقف نے 1996ء میں اسرائیل کی حکومت سے یہ تہہ خانہ حاصل کر لیا تھا کیونکہ بارش کے دوران اقصیٰ کے صحن میں نماز ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ پھر اگلے تین سالوں میں اس کی صفائی ستھرائی کی گئی، بجلی کا انتظام کیا گیا اور اس تہہ خانہ کو المروانی مسجد ہال کے طور پر کھول دیا گیا۔ اس ہال میں دس ہزار افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے مگر اس کو صرف جمعہ کی نماز کے لیے کھولا جاتا ہے۔ باقی دنوں میں مخصوص اوقات کے دوران سیاح حضرات صرف اس کو دیکھنے کی غرض سے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسجد اقصیٰ کا ہی ایک حصہ ہے اس لیے اس میں الگ سے اذان یا جماعت نہیں ہوتی مگر ہمہ وقت لوگ عبادات و نوافل و تلاوت میں مشغول دیکھے جاتے ہیں۔ المروانی مسجد ہال کے ساتھ اب مسجد اقصیٰ اس خطے کی سب سے بڑی مسجد ہے۔

گنبد النبی (Dome of the Prophet): یہ ہشت پہلو گنبد احاطہ حرم میں بیت المقدس کے سنہری گنبد کے شمال مغربی سمت میں واقع ہے۔ مشہور اسلامی سکالر السیوطیؒ لکھتے ہیں کہ معراج کی رات عرش معلیٰ پر تشریف لے جانے سے قبل جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیا کرام علیہم السلام اور فرشتوں علیہم السلام کی امامت کروائی تھی تو ان کا مصلیٰ اور پاؤں مبارک اس جگہ پر ہی تھے۔ عثمانیہ دور کے ایک خلیفہ کی وصیت بھی ریکارڈ پر ملتی ہے کہ شاہی خیراتی فنڈ سے ایک چراغ روزانہ شام کو اس گنبد کے اندر روشن کیا جائے گا جو صبح تک جلتا رہے گا۔ اس گنبد کے نیچے ایک مصلیٰ یا جائے نماز پتھروں سے ہی بنائی ہوئی ہے اور مندرجہ بالا تاریخ کو تقویت دیتی ہے اور ہمہ وقت لوگ یہاں نوافل ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ گنبد سنگ مرمر کے آٹھ ستونوں پر کھڑا ہے اور ہر طرف سے کھلا ہے۔ درج بالا مصلیٰ 1538ء میں یروشلم کے گورنر محمد بیگ نے بنوایا تھا۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ گورنر محمد بیگ نے یہ مصلیٰ اور ایک محراب پہلے بنوائی تھی بعد کے ایک سلطان عبدالماجد نے یہ گنبد بنوایا تھا۔ زمانے کی دست و برد سے یہ گنبد خراب بھی ہوا مگر آج دیکھا جانے والا یہ گنبد النبی 1670ء میں عثمانی فرمانرواؤں نے ہی تعمیر کروایا تھا جو ابھی تک قائم ہے۔

گنبد النبی کو عربی تاریخ میں گنبد جبرائیل علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے چونکہ اس امر کے بارے میں کوئی اور حوالہ کتابوں میں نہیں ملتا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبیوں و فرشتوں کی امامت کہاں کرائی تھی اس لیے السیوطیؒ کا حوالہ ہی معتبر گردانا جاتا ہے۔

گنبد جانثارن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: احاطہ حرم شریف کے بالکل جنوب میں چار ستونوں پر کھڑا ایک گنبد کئی دہائیوں سے یہاں پر ہے۔ چاروں طرف سے کھلا، اندر محراب بھی ہے اور یہ احاطہ زمین سے تین فٹ اونچی پلیٹ فارم کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ محراب کی سمت چھوڑ کر باقی تین اطراف میں اس گنبد تلے پتھر کے ہی گاؤ تکیے دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ یہاں جانثاران محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صوفی بزرگان ذکر الٰہی کیا کرتے تھے۔ اس عمارتی ڈھانچہ کو 1808ء میں عثمانی خلیفہ سلطان محمود دوئم نے بنوایا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جائے انتقال: احاطہ حرم شریف میں گھنے

درختوں کے جھنڈ میں چھپی سیاہی مائل پتھر کے دو گنبدوں کے نیچے ایک سادہ سی عمارت ہے۔ تاریخ جاننے والوں کا خیال ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اسی جگہ پر ہوئی تھی اور ان کی دیمک زدہ چھڑی یہیں پر گری تھی اور تب ہیکل اول تکمیل کے آخری مراحل میں تھا۔ آج کل اس عمارت میں گرلز سکول کی کچھ کلاسیں لگتی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہودہ اور یروشلم پر تقریباً تیس (30) سال حکومت کی تھی اور ان کے معبد کی تکمیل زیادہ تر جنات نے کی تھی چونکہ قرآن پاک کی رو سے جنات، پرندے اور جانوران کے زیر کمان تھے۔ جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا تب علم ہوا تھا جب ان کی دیمک زدہ چھڑی نیچے گری تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے القرآن باب:34۔

سبیل قاسم پاشا: خلافت عثمانیہ کے ابتدائی دور میں یہ سبیل والی یروشلم شہزادہ قاسم پاشا نے 27 - 1526ء میں بنوائی تھی۔ حرم شریف میں سنہری گنبد کے جنوب مغرب میں قائم اس سبیل پر سولہ ٹونٹیاں لگا کر ان پر لکڑی کی چھت ڈال دی گئی تھی جو اب تک اسی طرح موجود ہے۔ 1940ء تک اس سبیل سے لوگ فیض یاب ہوتے رہے مگر تب سے یہ بند ہے فقط پرانے وقتوں کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔

گنبد یوسف ایوبی: بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا اصل نام یوسف بن ایوب تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے 1187ء میں یروشلم صلیبی حکمرانوں سے چھڑوالیا تھا جس کی یادگار کے طور پر 1191ء میں یہ گنبد بنایا گیا تھا جسے بعد میں دور عثمانیہ کے حاکم سلطان محمد چہارم نے 1681ء میں ازسرنو تعمیر کروایا تھا۔ یہ گنبد تین اطراف سے کھلا ہے جبکہ اس کی پشت بیت المقدس کے احاطہ کی دیوار میں پیوست ہے۔ سامنے صرف دو ماربل کے ستون اور پیچھے ایک محراب ہے جس میں دو کتبہ جات جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ کے نوجوان طلباء و طالبات جب بھی بیت المقدس حاضری کے لیے آتے ہیں تو صلاح الدین ایوبی کے اس نشان کو ضرور چھو کر جاتے ہیں۔

گنبد انصاف: صلاح الدین ایوبی کے گنبد کے بالکل قریب سرخ و سفید ماربل میں لپٹا ہوا ایک اور خوبصورت گنبد ہے جسے گنبد ترازو یا Dome of the Scale بھی کہا جاتا ہے اور اسے مملوک خاندان نے پہلے پہل منبر کے طور پر بنایا تھا۔ اس وقت کے چیف قاضی برہان الدین نے خواہش کی تھی کہ احاطہ حرم شریف میں ایک منبر بنایا جائے جہاں سے خطبہ بھی دیا جائے اور فیصلوں کا اعلان بھی کیا جائے گا۔ پس 1309ء میں یہاں لکڑی کا ایک منبر رکھوا دیا گیا جس کے ساتھ سیڑھیاں بھی لگا دی گئیں تھیں۔ عید کے خطبے بھی یہیں سے دیے جاتے رہے۔ بعد میں عثمانیہ دور میں اسی منبر کو سنگ مرمر سے بنا دیا گیا۔ اسی طرح سیڑھیوں کے ساتھ مگر اسے سترھویں صدی عیسوی میں ہی متروک قرار دے دیا گیا تھا۔ تب سے یہاں سے خطبہ تو کبھی نہ پڑھا گیا مگر منبر کو یادگار کے طور پر اسی جگہ رہنے دیا گیا۔

گنبد خضر (Dome Al-Khidr): یہ گنبد نسبتاً سب سے چھوٹا، احاطہ حرم شریف کے شمال مغربی کونے پر سولھویں صدی عیسوی کے دوران تعمیر ہوا۔ بہت سے مسلمان یہ یقین کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام جن کا ذکر قرآن کریم کے باب 18 میں ایک برگزیدہ اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہستی کے طور پر ہوا ہے، یہاں پر بیٹھا کرتے تھے اور یہ جگہ بعد میں معتبر قرار پائی تو اس پر گنبد تعمیر کر دیا گیا۔ دنیا کے دوسرے مذاہب میں بھی حضرت خضر علیہ السلام سے ملتی جلتی شخصیات کا ذکر ہے جسے ہندومت میں وشنو اور ایرانی زرتشت تاریخ میں اس کو سوروش کہا گیا ہے۔ آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے خطہ میں اسے کبھی سینٹ جارج کہا گیا ہے اور عیسائیوں کا ایک فرقہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی حضرت خضر علیہ السلام کا دوسرا روپ قرار دیتے ہیں۔ یہ گنبد چھ سنگ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہے اور اس کے اندر سرخ پتھروں سے محراب بھی بنائی گئی ہے۔

اب ہم ذکر کرتے ہیں احاطہ حرم شریف میں پائے یا دیکھے جانے والے میناروں کا:

مراکشی مینار: احاطہ حرم شریف میں دیکھے جانے والے میناروں میں سب سے پہلے تعمیر ہونے والا مینار مراکشی مینار کہلاتا ہے جو مسجد اقصیٰ کے جنوب مغربی کونے پر ہے اور جسے ایک مملوک جج شرف الدین خلیلی نے 1278ء میں تعمیر کروایا تھا۔ تیئس (23) میٹر بلند یہ مینار احاطہ حرم شریف پر سب سے

چھوٹا ہے مگر لطف کی بات یہ ہے کہ اس مینار کی بنیادیں ہی نہیں ہیں۔ جولائی 1927ء کے زلزلے میں اس مینار کو شدید نقصان پہنچا تھا مگر اس وقت کے مسلم وقف نے نہ صرف اسے مرمت کروایا بلکہ اس کے گنبد کو بھی یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ یہ مینار روایتی طور پر ملک شام کی ثقافت کا مظہر ہے کیونکہ اس کی نچلی دیواریں بھی مربع شکل میں ہیں اور اوپر بالکنی بھی مربع شکل کی ہی بنائی گئی ہے۔

مینار غنیمہ (Ghawanima Minaret): احاطہ حرم شریف کا یہ دوسرا مینار، بیت المقدس کے شمال مغربی کونے میں 1298ء میں شرف الدین خلیلی نے ہی بنوایا تھا۔ بنی غنیم گیٹ کے قریب واقع یہ مینار بلاشبہ ارد گرد کے تمام دوسرے میناروں سے زیادہ خوبصورت ہے جس کی بنیاد بھی مربع خطوط پر اٹھائی گئی تھی۔ پتھروں کے اس مینار پر سب سے اوپر چھتری نما چھت دراصل لکڑی کی ہے۔ چھ منزلوں میں اس مینار کی اونچائی تقریباً انتالیس (39) میٹر ہے۔ یوں حرم شریف میں یہ سب سے اونچا مینار ہے جہاں اوپر جانے کے لیے ایک سو بیس (120) سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ 1980ء کی دہائی میں حکومت اسرائیل کی طرف سے کی جانے والی مغربی سرنگ (Western Tunnel) کی کھدائی کے دوران اس مینار کی بنیادوں کو بہت نقصان پہنچا تھا مگر 2001ء میں جا کر اس کی از سر نو مرمت کی گئی اور تعمیراتی نقصان کا ازالہ بھی کیا گیا۔ زلزلے بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکے تھے۔ اس مینار کے اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں پہلی دو منزلوں تک تو باہر سے جاتی ہیں اس کے بعد مینار کے اندر سے سپرنگ کی طرح اوپر جاتی ہیں۔

باب السلسلہ مینار: احاطہ حرم شریف میں یہ تیسرا مینار 1329ء میں شہزادہ سیف الدین تنکز نے چین گیٹ کے قریب بنوایا تھا۔ یہ مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار پر بنایا گیا اور اس کی اسی (80) سیڑھیاں ہیں۔ 1927ء کے زلزلہ میں اس کی مربع شکل بنیادوں کو بھی نقصان پہنچا تھا مگر جلد ہی اس کی خاطر خواہ مرمت کر دی گئی تھی۔ یاد رہے کہ مسلمان زائرین کو اس مینار پر چڑھنے کی اجازت نہیں کیونکہ یہودیوں کی دیوار گریہ بالکل اس مینار سے متصل ہے اور ان کی عبادت میں خلل پڑنے کا احتمال رہتا ہے۔ ہاں مگر اذان باقاعدگی سے دی جاتی ہے۔

سولہویں صدی عیسوی سے ہی یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ فلسطین کے سب سے زیادہ خوش الحان مؤذن کو یہاں اذان دینے کی ذمہ داری دی جاتی ہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے پانچوں نمازوں کی اذان سب سے پہلے اس مینار سے بلند ہوتی ہے اس کے بعد بشمول یروشلم کے تمام فلسطین کی مساجد سے اپنی اپنی اذان دی جاتی ہے۔ گویا ایک رواج اور ایک قانون ہے نہ کسی کو اختلاف کی اجازت ہے نہ گنجائش۔ یوں فرقہ بندیوں میں بٹی مسلمانی یہاں فلسطین میں نہیں چلتی اور نمازوں کے اوقات بھی یکساں ملتے ہیں۔

سلایا مینار (Salaya Minaret): اسے قبائلی دروازے کا مینار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مینار مسجد اقصیٰ کی شمالی دیوار پر واحد گول مینار ہے۔ یعنی سپرنگ کی طرح اوپر اٹھتا دکھائی دیتا ہے۔ پہلے پہل اس کو گورنر یروشلم سیف الدین قطز پاشا نے تعمیر کروایا تھا مگر 1599ء میں عثمانی حکمرانوں نے اس کی از سر نو تعمیر کروائی۔ تاریخ میں ہے کہ پہلے پہل اس کی طرز تعمیر بھی شامی یعنی مربع شکل کی بنیادوں پر تھی مگر عثمانیہ فرمانرواؤں نے اسے سلنڈر کی شکل کا بنوایا۔ 1927ء کے زلزلہ کے دوران اس کو نقصان پہنچا تھا مگر جلد مرمت کرا دی گئی۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں یہ واحد مینار تھا جس کو گولیوں کے نشانات نصیب ہوئے۔ نقصان تو زیادہ نہیں تھا مگر مسجد کی حرمت اور وقار کو پامال کر دیا گیا تھا۔

سلایا مینار کو مینار الاسباط بھی کہا جاتا ہے یعنی Lions Minaret۔ اس لیے کہ یہ لائن گیٹ کے قریب ہے اور 1367ء میں پہلے پہل تعمیر کرایا گیا تھا۔

مسجد اقصیٰ یا حرم شریف کی مشرقی دیوار میں کوئی مینار نہیں بنایا گیا۔ 2006ء میں اردن کے شاہ عبداللہ دوئم نے اس مشرقی دیوار پر مینار بنانے کا عندیہ دیا تھا مگر تا حال کوئی آثار نہیں کہ وہ کبھی بنے گا بھی یا نہیں۔ حکومت اردن نے اس سلسلہ میں حکومت اسرائیل سے متعدد بار رابطہ کیا، اجلاس بھی ہوئے، امریکی سیکرٹری خارجہ جان کیری کے دور کے ایک معاہدہ کی رو سے اس امر پر زور بھی ڈالا گیا مگر تا حال اسرائیلی حکومت نے اس درخواست کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ دیکھیے حالات بہتر ہونے پر اس کی توقع بہر حال موجود ہے۔

گنبد نبی ﷺ

گنبد سلسلہ

حرم شریف میں داخلہ

گنبد میزان

تکیہ جانثاران محمد ﷺ

تین گنبدوں کا دلآویز نظارہ

صحن اقصیٰ میں پڑے نوادرات

گنبد نبی ﷺ

گنبد الارواح

سبیل قاسم پاشا

دو گنبدوں کا حسین منظر

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جائے وفات (اسرائیلی روایت)

مینار السلسلہ

لائنز مینار

مینار گوانیا

مینار غربی

اقصیٰ سے مروانی ہال جانے کا راستہ

مروانی ہال

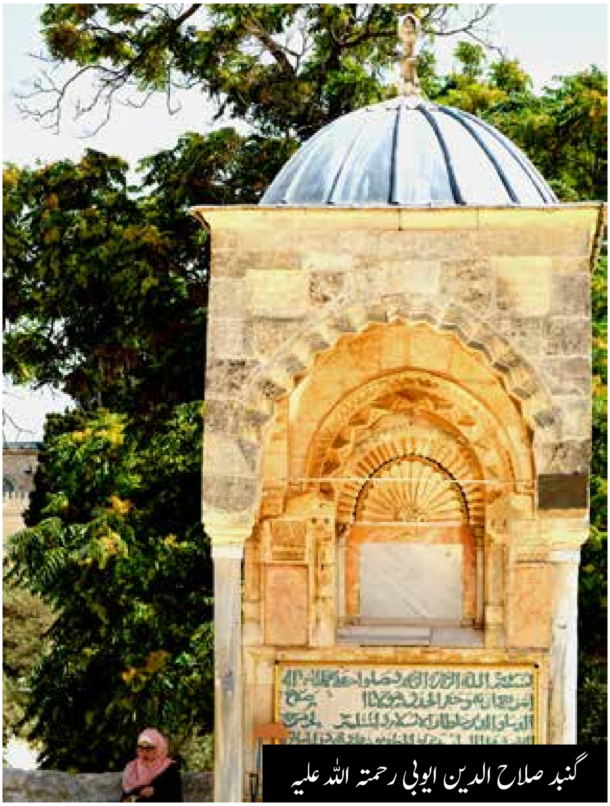

گنبد صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ

گنبد معراج

لائنز مینار

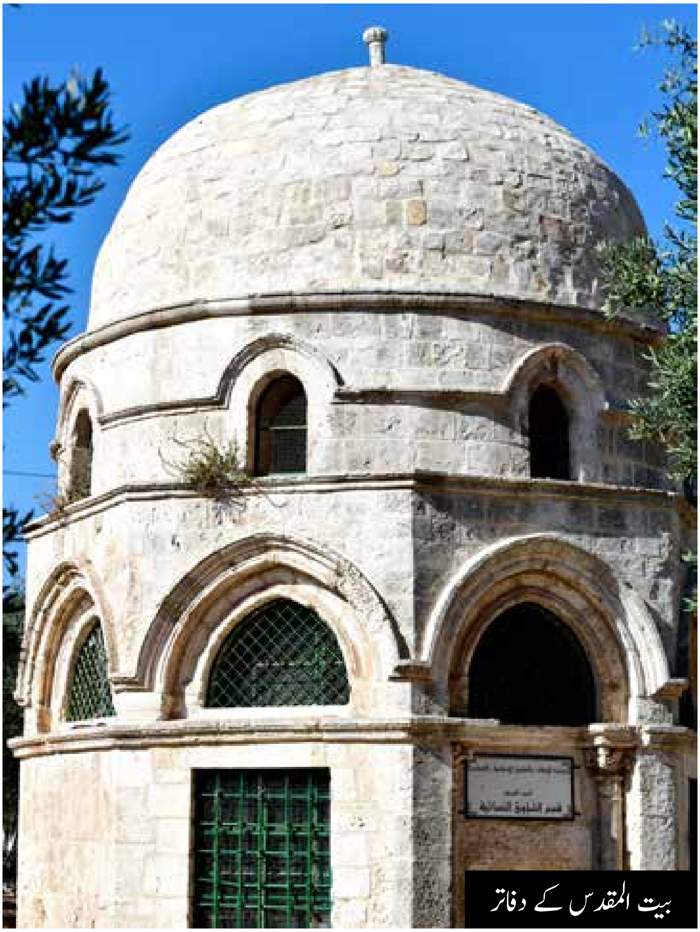

بیت المقدس کے دفاتر

گنبد حضرت خضر علیہ السلام

گنبد حضرت خضر علیہ السلام

بیت المقدس کے دفاتر

فصیل شہر اور بو ہے باریاں

یروشلم جانے کے لیے بہترین موسم خزاں کا ہے یا بہار کا، یعنی ستمبر تا نومبر یا پھر مارچ سے مئی تک۔ گرمیوں میں یہاں درجہ حرارت عموماً تیس یا پینتیس (30-35) سینٹی گریڈ ہوتا ہے اور سردیوں میں گیارہ سے پندرہ (11 تا 15) مگر کبھی کبھار سردی زیادہ ہوجایا کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں بارشیں بھی سردیوں میں ہی ہوتی ہیں۔ یروشلم میں موسم گرما خشک اور گرم تو ہوتا ہے مگر راتیں کو پرسکون ہوجاتا ہے۔ یہودیوں کے مذہبی تہوار اگر گرمیوں میں آئیں (ان کی تاریخیں بھی اسلامی مہینوں کی طرح تبدیل ہوتی رہتی ہیں) تو یروشلم میں چہل پہل بھی زیادہ ہوتی ہے مگران دنوں میں ایک مسئلہ بھی ہوتا ہے کہ تمام شاپنگ سنٹرز اور ٹرانسپورٹ بھی بند رہتی ہیں۔

اسلامی کیلنڈر کے مطابق رمضان کے مہینے میں مسلمان چونکہ دن میں روزے سے ہوتے ہیں پس قدیم شہر اور حرم شریف کے ارد گرد تمام کیفے اور ریستوران بند ہوتے ہیں۔ اس دوران کام کے اوقات بھی تبدیل ہوجاتے ہیں دوسرے اسلامی ممالک کی طرح۔ پس سیاح حضرات کو بھی احترام رمضان میں روزے کے اوقات میں کھانے پینے کی احتیاط کرنا پڑتی ہے۔

اگر آپ نے یروشلم کی زیارات کو مناسب طریقے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دیکھنا ہے تو اس کی تیاری چند ہفتے قبل سے کرنا ہوگی۔ آپ پیدل چلنے کی عادت کو پختہ کریں گے ایک کلومیٹر روزانہ چلنے کی مشق کریں گے۔ بازار سے نئے جوگر یا نرم بوٹ لائیں گے اور انہیں دو چار ہفتے تک پیدل چلنے کے لیے استعمال میں بھی رکھیں گے تاکہ نئے جوتے کی تکالیف وہاں آپ کو بدمزہ نہ کردیں۔ اگر آپ کو کوئی عارضہ ہے تو اپنے ڈاکٹر کو اپنے یروشلم کے پروگرام کی تفصیل بتا کر مناسب ادویات لے کر ساتھ رکھیں۔ آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ یروشلم میں کسی بھی وقت میں پیدل چلنا اور کہیں بھی جانا ہو تو آپ تسلی سے اور بے فکر ہو کر جائیں گے کیونکہ یہاں کوئی شخص آپ کو مذہب یا رنگ و نسل کی بنیاد پر تنگ نہیں کرے گا اور نہ ہی آپ کے جان و مال پر حملہ آور ہوگا۔ بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ عرب اسرائیل جنگ کے دنوں میں بھی یروشلم میں کبھی کسی سیاح کا جانی یا مالی نقصان نہیں ہوا۔ یوں تو یہاں پر کرائم ریٹ تقریباً صفر ہے اور یہ دنیا کے بہترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ ہاں البتہ جنگ کے دنوں میں لوگ اپنے طور پر احتیاط کرتے ہیں جو کہ مناسب بھی ہے۔ کہاوت ہے کہ ہم اپنے سیاحوں کو خواہ وہ کسی بھی مذہب یا ملک سے تعلق رکھتے ہوں، بندوق کے فائر نہیں بلکہ ڈبل روٹی کے بہترین سلائس پیش کرتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کا کسی شہر پہ اس سے بڑا انعام اور کیا ہوسکتا ہے۔

یروشلم شہر اسی لیے دنیا بھر کے سیاحوں کی نگاہوں کا مرکز ہے اس کی سحر انگیز فضا اور دلکش جادوئی مضافات، ہزاروں برسوں پر محیط زندہ و متحرک تاریخ، ذہن کو ایسی جلا بخشتی ہے کہ واپس جانے والوں کے ذہن مہینوں بھر اس کیف و سرور سے لبریز رہتے ہیں۔ شہر چونکہ تینوں بڑے مذاہب کے ماننے والوں کے لیے یکساں طور پر متبرک و معتبر ہے پس یہاں کی زیارات کا تمدنی اور روحانی سرور آنے والے سیاحوں کے لیے اثاثہ بن جاتا ہے۔ در و دیوار خاموش دکھائی نہیں دیتے بلکہ ہر سمت سے آپ کو پرانی تہذیب کی پیغمبرانہ پر اسرار ئیت سرگوشیاں کرتی ہوئی ملتی ہے جس کے جلو میں پر کیف تصور، پاکیزگی اور خوشبو کے جھونکے آپ کے ذہن کو معطر رکھتے ہیں۔ اسی لیے قدیم شہر اور اس کے در و دیوار یونیسکو (UNESCO) کا سرمایہ افتخار ہیں۔

تقریباً پانچ صدی قبل مسیح میں جب ایرانیوں نے بابل کو فتح کیا تو شہنشاہ سائرس دوئم نے مہاجر یہودیوں کو واپس جا کر یروشلم میں آباد ہونے کی اجازت دے دی اور یہ کہ ان کو اپنا ہیکل دوبارہ تعمیر کرنے کے لیے رقم بھی فراہم کی۔ قدیم عبرانی بائبل کی کتاب نحمیاہ (Nehemiah) کے مطابق 445 سال قبل مسیح میں نحمیاہ جو کہ وہاں ایرانی بادشاہ کا نائب تھا، نے محسوس کیا کہ یروشلم کے گرداگرد فصیل جابجا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور باہر سے حملہ آور قوتوں کو روکنے کے قابل نہیں ہے پس اس نے یہ دیوار دوبارہ بنانے کا حکم دیا۔ یروشلم کی یہ دیوار آج بھی نحمیاہ کی دیوار کہلاتی ہے اور اس کے نشانات بھی کسی کسی جگہ مل جاتے ہیں۔ نحمیاہ ہیکل دوئم کے زمانے میں ایرانی سلطنت کی طرف سے یہاں کا گورنر تھا شاید اسی دور میں یعنی 516 قبل مسیح کے لگ بھگ ہی ہیکل دوئم کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ اس فصیل کی اہمیت کیا تھی اور اس میں بنائے گئے دروازوں کے کیا مقاصد تھے اس کو انجیل کی کتاب نحمیاہ کے تیسرے باب میں یوں درج کیا گیا ہے:

ایک دروازے کا نام Sheep Gate تھا جہاں سے تاجران بھیڑوں بکریوں کو شہر کے اندر لاتے تھے جو ہیکل میں قربانی کی عبادات میں بھی کام آتی تھیں۔ ایک دروازہ Fish Gate تھا جو مچھلی منڈی کی طرف کھلتا تھا۔ ایک Inspectors Gate تھا، جسے کونسل گیٹ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ شہر کے بڑے یہاں اپنی عدالت لگاتے تھے اور جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ ایک Valley Gate تھا جو کہ نیچے جانے والے ان راستوں کی طرف تھا جو منسلکہ وادیوں کی طرف جاتے تھے۔ ایک کا نام Dung Gate تھا جس راستے سے ہیکل میں کی جانے والی قربانیوں کی گندگی پرانے شہر سے باہر لے جائی جاتی تھی۔ ایک Foundation Gate تھا جو شہر کے پانی کے واحد چشمہ Gihon کی طرف نکلتا تھا۔ ایک Water Gate تھا جہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام اور اس کے بعد صدیوں تک ہیکل کے راہب لوگوں کو مذہبی پیغامات دیتے رہے۔ پرانے دور میں یہاں ایک Horse Gate بھی تھا جس میں سے صرف حضرت داؤد علیہ السلام کی گھوڑ سواری ہیکل میں آیا جایا کرتی تھی مگر افسوس کہ 70ء میں مشہور یہود رومن جنگ میں سب کچھ ہی تباہ ہو گیا۔ ہیکل دوئم، فصیل، اس کے دروازے سب نیست و نابود ہو گئے اور اتنی قتل و غارت ہوئی کہ فصیل یروشلم کی جگہ انسانی سروں اور کھوپڑیوں کے مینار بنتے گئے تھے۔

پرانی فصیل کی بنیادوں پر یروشلم پر قبضہ کرنے والی تمام رومن حکومتیں اپنی سوچ کے مطابق دیوار کی تعمیر کرتی رہیں مگر تاریخ میں ان کی تفصیل نہیں ملتی۔ نحمیاہ کی دیوار تقریباً پندرہ سو برس تک کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی لیکن ایک بار 1033ء کے زلزلہ نے یروشلم شہر کو ملیا میٹ کر دیا اور یہ دیوار بھی زمین بوس ہو گئی۔ رہی سہی کسر 1099ء میں شروع ہونے والی صلیبی جنگوں نے نکال دی اور فصیل کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ لیکن نوے (90) سال بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب 1187ء میں یروشلم فتح کیا تو شہر کی فصیل کو از سر نو تعمیر کرنے کا منصوبہ بھی شروع کر دیا گیا۔ فصیل تو بنائی گئی مگر تاریخ میں اس بارے میں بھی تفصیلات نہیں ملتیں کہ اس کے خدوخال کیا تھے تا آنکہ سولہویں صدی عیسوی میں جب خلافت عثمانیہ کا دائرہ یروشلم تک پھیلا تو اس وقت کے شہنشاہ معظم ترکی کے سلطان سلیمان نے شہر کے گرد دیوار کو بالکل ہی نئے سرے سے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس دیوار کی تکمیل 1535 - 40ء کے دوران ہوئی۔ مگر اس قدر مضبوط اور پائیدار کہ آج دنیا بھر کے سیاح اسی دیوار کو دیکھنے یروشلم کا رخ کرتے ہیں۔

یروشلم میں قدیم شہر کے گرد اس فصیل کی مسافت چار کلومیٹر ہے۔ عمومی طور پر تو اس دیوار کی اونچائی بارہ میٹر ہے مگر کہیں کہیں اونچائی بیس (20) میٹر بھی ہو جاتی ہے۔ اس دیوار میں چونتیس (34) سیکورٹی ٹاورز بھی ہیں اور اس میں سات بڑے دروازے تو موجود تھے ہی مگر اب دو چھوٹے دروازے بھی بنا دیئے گئے ہیں۔ چھوٹے دروازے دراصل شہر کے مدفون تاریخی خزانوں تک رسائی اور ریسرچ کے لیے بنائے گئے ہیں جہاں سیاح حضرات کو کبھی کبھار ہی داخلہ کی اجازت ملتی ہے۔ جب صلیبی حکمرانوں نے یروشلم کا انتظام سنبھالا تھا تو انہوں نے شہر کی چاروں اطراف میں صرف ایک ایک دروزہ کھلا رکھا یعنی اس سو سال کے دوران شہر صرف چار دروازں سے گزارا کرتا رہا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور حکومت میں اور اس کے بعد چار سو سال تک چھ دروازے کھلے رہے۔ پھر عثمانی دور میں ہی 1887ء میں ایک اور دروازہ New Gate نئے طور پر بنایا گیا تا کہ قدیم شہر میں موجود عیسائیوں کے گھروں کو کم فاصلہ طے کرنا پڑے۔ پھر چار مزید دروازے فصیل میں ایسے ہیں جو موجود تو ہیں مگر تاریخ کے مختلف ادوار میں ان کو بند کر دیا گیا تھا۔ ان میں نمایاں طور پر گولڈن گیٹ ہے جس کا تفصیل سے تذکرہ آئندہ صفحات پر ہو گا۔ دوسرے بند دروازوں میں شاہ ہیرڈ کے ذاتی محل کی طرف جانے کے لیے ایک دروازہ اور پھر باب الجنائز یعنی Gate of Funerals اور باب البراق Gate Al-Buraq بھی نمایاں تھے۔ مختصراً یہ کہ یروشلم کے گرد فصیل میں یہ دروازے کئی بار ے اجڑے، تباہ ہوئے پھر بنائے گئے۔ کبھی ان کی جگہ تبدیل ہوئی اور کبھی بالکل بند کر دیئے گئے اور یہ تاریخی کھیل صدیوں تک کھیلا جاتا رہا شاید آج بھی جاری ہے۔

چلیے ہم یروشلم کی بڑی فصیل کے اندر ایک اور فصیل کی بات کرتے ہیں جو حرم شریف کو احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ جس میں چند وہ دروازے ہیں جو خصوصاً زائرین کو سنہری گنبد اور مسجد اقصیٰ تک لے جاتے ہیں۔ حرم شریف کی جنوبی دیوار کا کونہ پینسٹھ (65) میٹر بلند ہے جہاں بادشاہ ہیرڈ کے دور کے

پتھر بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور خلیفہ سلیمان معظم کے دور کے پتھر بھی ایک دوسرے میں پیوست ہیں اور پتھروں کی دو قطاروں کے درمیان پندرہ سو سال کی تاریخ چن دی گئی ہے۔حرم شریف کے گرد دیواروں میں کچھ غیر اہم دروازوں کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے جن میں باب الآتم (Gate of Darkness)، باب بنی غنیم، باب السرائے، باب السلام، باب السکینہ اور باب الجنائز وغیرہ۔ مگر اب یا تو استعمال میں نہیں رہے یا بند کر دیئے گئے ہیں۔حرم شریف کو جانے کے لیے جن پانچ بڑے دروازوں کا ذکر عموماً کیا جاتا ہے ان کے نام باب المغربیہ، باب السلسلہ، باب القطانین (Cotton Merchants Gate)، باب الحدید اور باب النظر (Watchman's Gate) ہیں اور ان کے ناموں سے ہی ان کی وجہ تسمیہ ظاہر ہو جاتی ہے۔

حرم شریف کو جانے والے ان دروازوں کی مختصر تفصیل یہ ہو گی کہ باب القطانین کو 1337ء میں مملوک سلطان محمد بن قلاؤن صالحی نے چھ سو سال پہلے سے موجود ایک دروازے کو بہترین خدوخال دے کر دوبارہ سے تعمیر کرایا تھا۔ انتہائی خوبصورت خدوخال جہاں سرخ اور زرد پتھروں کی پٹیاں بنائی گئیں۔ بعد میں اس کو کئی بار بڑی مرمتوں کے مراحل سے گزارا گیا مگر اس کے خدوخال وہی رکھے گئے۔خلافت عثمانیہ کے دور میں یہودی اسی دروازے کے باہر اپنی عبادات کیا کرتے تھے کیونکہ یہ دروازہ سنہری گنبد کے نیچے مقدس چٹان کے قریب ترین ہے۔ باب المغربیہ کو اب Moroccan Gate بھی کہتے ہیں جسے صلاح الدین ایوبی نے تعمیر کرایا تھا اور مراکش و شمالی افریقہ کے بہت سے لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ان کی بستی کو 1967ء کے بعد ملیامیٹ کر دیا گیا کیونکہ یہ دروازہ یہودیوں کی دیوار گریہ کے قریب ترین ہے اور ان کو سہولت کے ساتھ عبادت کرنے کے موقعہ کی تلاش تھی۔

ایک اور قابل ذکر دروازہ گولڈن گیٹ ہے جو گذشتہ پانچ سو سال سے بند تو ہے مگر یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ یہ دروازہ حرم شریف کی مشرقی دیوار میں ہے۔ظہور اسلام سے قبل بازنطینی دور حکومت میں اس کو تعمیر کیا گیا تھا مگر نحمیاہ کے دور کے پتھر بھی اس دروازہ میں نظر آتے ہیں۔ 1969ء کی کھدائی کے دوران اس کے نیچے زیر زمین ایک اسی طرح کا اور دروازہ ملا جس نے واضح کیا کہ یہ گیٹ دراصل نحمیاہ کی تعمیر کردہ فصیل کا حصہ بھی رہا ہے۔ گولڈن گیٹ کا ذکر قدیم عبرانی بائبل کی کتاب میں بھی ملتا ہے۔ کچھ تاریخ دان تو اس دروازے کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہیکل اول کی تباہی کے دور تک لے جاتے ہیں کہ اس وقت مقدس پہاڑی پر بنے ہیکل اول کا یہی راستہ سب سے زیادہ مستعمل تھا اور یہ کہ ترک سلطان سلیمان نے 1540ء میں اس کی مرمت بہترین طریقے سے کی تھی مگر اسے بند بھی کر دیا تھا۔

عیسائی پادریوں کا یقین ہے کہ فارس کے حملہ آور جب 614ء میں یروشلم کو تاراج کر کے گئے تھے۔تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی صلیب کے ٹکڑے بھی اپنے ساتھ فارس لے گئے تھے اور اسی دروازے سے نکل کر گئے تھے۔صلیب کے ان ٹکڑوں کو بازنطینی سپہ سالار پندرہ سال بعد ہی فارس سے واپس لے آئے تھے تو بھی اسی راستے اور دروازے کا استعمال کیا گیا تھا۔متیٰ کی انجیل مقدس کے مطابق بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جبل زیتون (Mount Olives) سے اتر کر اسی دروازے کے راستے سے گزر کر یہودیوں کے بڑے مذہبی کھانے میں شرکت کی تھی۔سب عیسائی اور یہودی متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ جب دنیا میں آئیں گے تو اسی گولڈن گیٹ سے گزر کر آئیں گے۔ اس گولڈن گیٹ کے باہر آج کل بہت بڑا قبرستان ہے۔ ہے تو یہ مسلمانوں کا قبرستان مگر لطف کی بات یہ ہے کہ ہر عیسائی اور یہودی یہیں پر دفن ہونا چاہتا ہے۔ پس عملی طور پر یہاں کئی مقامات ایسے ہیں کہ جہاں یہودی اور عیسائیوں کی قبریں مسلمان قبروں کے ساتھ ہیں اور یوں مرنے کے بعد ایک خدا کو ماننے والے تینوں مذاہب کے لوگ ساتھ ساتھ ہی دفن ہونا گوارا کر لیتے ہیں۔مگر زندگی میں ایسا کیوں ممکن نہیں۔ یہ میرا موضوع نہیں علمائے دین کا ہے۔

ایک اور مستعمل دروازہ باب الاسباط (Lions Gate) ہے جسے ترکی کے سلطان سلیمان نے اپنے اسی دور یعنی 40 - 1535ء کے دوران باقی دیوار کے ساتھ ہی تعمیر کرایا تھا۔ تاریخ میں مذکور ہے کہ

سلطان سلیمان کو خواب میں اشارہ ہوا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی باقیات کی حفاظت کے لیے شیروں کا اہتمام کیا جائے پس سلطان خود یروشلم آئے اور اس دروازے کی تعمیر کا حکم دیا اور اس پر شیروں کے نشانات کندہ کرائے۔ یاد رہے کہ شہر کی مشرقی جانب اس سے قبل صدیوں سے یہاں یا اس کے قرب و جوار میں ایک دروازہ ایسا تھا جس کا نام سینٹ میری گیٹ تھا کیونکہ اس دروازے کے ذرا اندر حضرت مریم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی اور اب وہاں عیسائیوں کا چرچ بھی ہے اور ان کے لیے انتہائی مقدس جگہ بھی۔ اس سے بھی زیادہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب ہونے سے قبل اپنی ہی صلیب اٹھا کر جس راستے پر چلایا گیا وہ اسی دروازہ سے شروع ہوتا ہے جس کا نام راہ غم (Via Dolorosa) ہے اور یہ گلی یا راستہ عیسائیوں کے لیے بہت متبرک ہے۔ آج کل یہاں بہت مصروف مارکیٹ ہے جہاں سیاحوں کا ہجوم ہمہ وقت دیکھا جاتا ہے۔

قدیم یروشلم کی فصیل کے شمال مشرقی حصے میں ایک اور دروازہ بھی ہے جسے ہیرڈ گیٹ (Herods Gate) کہا جاتا ہے۔ اس کو بھی ترک سلطان سلیمان نے مسلم کوارٹرز میں متبادل دروازے کے طور پر بنوایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بالکل قریب ہی ایک اور دروازہ زمانہ قدیم سے تھا جو کہ شاہ ہیرڈ کے محل کی طرف جاتا تھا مگر اب اس کا نشان تک نہیں ہے۔ 1998 - 2004ء کی کھدائی کے دوران یہ معلوم ہوا کہ زمانہ قدیم سے اب تک یروشلم کی کم از کم نو (9) تہیں ملتی ہیں۔ یعنی نو (9) بار یہ شہر اپنے پہلے سے غرق شدہ ملبے پر تعمیر ہوتا رہا اور یہیں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یروشلم میں پلنے بڑھنے اور نبوت ملنے کے تمام ثبوت دستیاب ہوئے۔

قدیم یروشلم کا ایک اور اہم دروازہ نابلوس گیٹ یا **دمشق گیٹ** ہے جس کو عربی لوگ **باب العمود** کہتے ہیں۔ شمالی دیوار میں اسے بھی ترک سلطان سلیمان نے 40 - 1535ء کے دوران بنوایا تھا اور ابھی بھی اسی تمکنت کے ساتھ قائم ہے۔ قدیم شہر کا یہ سب سے بڑا بزنس سنٹر ہے جہاں سیاح خواہ وہ کسی بھی مذہب یا ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ دن کا بیشتر حصہ یہیں گزارتے ہیں یہاں پر ہی ہر قسم کے کھانوں کے ریستوران ملتے ہیں اور ہر وقت رونق رہتی ہے۔ اسے باب العمود اس لیے کہا جاتا ہے کہ کبھی یہاں رومن تعمیرات کے ستون ملتے تھے۔ عربی روایات کے مطابق ابھی بھی آپ کو یہاں کندھوں پر سماوار اٹھائے کچھ لوگ مل جائیں گے جن سے عربی قہوہ یا کافی چلتے پھرتے سیاحوں کو پیش کی جاتی ہے۔ تعمیراتی ستون اب تو ناپید ہیں مگر تاریخ میں ان کا ذکر 638 - 324ء کے دوران بازنطینی حکومتوں کے حوالے سے ملتا ہے۔ باب العمود کے قرب و جوار کی کھدائی کے دوران تین محرابوں والے پرانے دروازوں کی نشاندہی بھی ہوئی جسے رومن فرمانروا ہیڈرن نے 135ء میں تعمیر کروایا تھا مگر یہودیوں کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

تاریخ میں مذکور ہے کہ ترک سلطان سلیمان نے دمشق دروازہ کو پرانے سہ محرابی دروازے کی بنیادوں پر ہی تعمیر کرایا تھا۔ اس دروازے سے باہر نکلتے ہی ایک کھلا سا احاطہ ہے جس کے ایک طرف تو سیکورٹی کے مسلح جوان ملیں گے مگر سامنے اور طرفین کی سیڑھیوں پر سیاح بھی آرام کرتے ملیں گے اور چھوٹی موٹی اشیاء بیچنے والے افراد بھی آپ کی خدمت کے لیے آپ کے آس پاس پھرتے رہتے ہیں۔ اس دروازے کے سامنے دو تین عام قسم کے تھری اسٹار ہوٹل بھی ہیں اور رنگا رنگ قسم کے ریستوران بھی۔ زمانہ قدیم میں بھی یہاں تجارت عروج پر ہوتی تھی اور تاجروں کے لیے یہاں سرائے ہوا کرتی تھی۔

قدیم شہر کی فصیل میں آپ کو ایک **باب الجدید** (New Gate) بھی ملتا ہے جو شہر کے شمال مغربی حصے میں 89 - 1887ء میں اس وقت کے ترکی خلیفہ یا سلطان نے بنوایا تھا کیونکہ شہر کی عیسائی آبادی نے ترک فرمانروا کو یادداشت بھیجی تھی کہ قدیم شہر کے کرسچیئن کوارٹر کو براہ راست کوئی راستہ میسر نہیں اور ان کے گرجا گھروں کو بھی مسلم کوارٹر یا یہودی کوارٹر سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ ترک سلطان نے فوری طور پر فصیل میں دروازہ نصب کرنے کے احکامات دے دیے تھے جو 1889ء کے لگ بھگ مکمل ہوا تھا۔ 30 - 1920ء کی درمیانی تاریخ میں یہاں لوہے کے ایک بڑے دروازے کا ذکر ملتا ہے جسے باقاعدہ پولیس کنٹرول کرتی تھی اور یہی جگہ 1917ء کے بعد تصوراتی اسرائیل اور اردن کے مابین سرحد کا کام دیتی تھی یعنی تب بارڈر کنٹرول اسی دروازے سے ہوتا تھا۔ 1967ء تک یہ دروازہ

زیادہ تر بند ہی رہا مگر اس کے بعد اب اسرائیل کی پولیس باقاعدہ اس کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے ہے۔

ایک اور اہم دروازے کا نام جافا گیٹ (Jaffa Gate) ہے جسے عربی لوگ **باب الخلیل** کہتے ہیں۔ یہ دروازہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ہے مگر درمیانی عرصہ میں اسے ڈیوڈ گیٹ بھی لکھا اور کہا جاتا رہا۔ جافا دروازے کے اندر قریب ہی قدیم رومن فرمانروا ہیرڈ کے محل کے کھنڈرات ہیں جو اس نے 34 - 37 قبل مسیح کے دوران تین میناروں کی شکل میں تعمیر کرایا تھا بلکہ ایک مینار کو اب مینار داؤد (Tower of David) کہا جاتا ہے۔ قریب ہی ایک اونچی سٹیج ہے جہاں پر رومن جج اپنی عدالت لگایا کرتے تھے اور فیصلے سناتے تھے۔ قدیم کھنڈرات پر یہ دروازہ بھی ترک سلطان سلیمان نے تعمیر کروایا تھا اور اس کے اوپر سولہویں صدی عیسوی کے وہ دن اور سال تحریر ہیں جن میں اس دروازہ کی تعمیر کی گئی تھی۔ جافا دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی آپ کے بائیں طرف کرسچین کوارٹر، دائیں ہاتھ پر آرمینین (Armenian) کوارٹر اور سیدھی سمت میں مسلم کوارٹر واقع ہیں۔ 1099ء کے صلیبی حملوں کے دوران مسلمان عورتوں اور بچوں نے یہاں مینار داؤد میں ہی پناہ لی تھی۔ 1860ء میں یہاں پر ہی ایک ترک سلطان نے بہت سے جرائم پیشہ باغیوں کے سر قلم کیے تھے۔ یوں یروشلم جس قدر پاکیزہ اور متبرک ہے تاریخ کے مختلف ادوار میں یہاں خون کی ندیاں بھی اتنی ہی آسانی سے بہائی جاتی تھیں۔ 1898ء میں جافا گیٹ کے ساتھ ہی فصیل توڑ کر اتنا بڑا راستہ بنایا گیا کہ اس وقت کے جرمن حکمران قیصر ولیم دوئم کو شہر میں داخل ہوتے ہوئے گھوڑے سے نیچے نہ اترنا پڑے۔ بعد ازاں 9 دسمبر 1917ء کو یروشلم کے میئر نے اسی دروازے پر انگریز بریگیڈیر واٹسن اور کرنل بیلے کا استقبال کیا تھا تاکہ انگریزوں کو شہر کی حکومت حوالے کی جا سکے۔ دو دن بعد جنرل ایلن بی اسی دروازے سے داخل ہوا تو میئر نے باقاعدہ طور پر ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس جنرل کے ساتھ ایک میجر لارنس بھی تھا جو تاریخ میں لارنس آف عریبیا کے طور پر مشہور ہوا۔ یاد رہے کہ 17 - 1914ء کے ان تین سالوں میں یروشلم کی آبادی پچاسی ہزار سے کم ہو کر پچپن ہزار رہ گئی تھی۔

17 اکتوبر 1938ء کو ہٹلر کی جرمن افواج نے یروشلم پر حملہ بھی کیا تھا مگر وہ یہاں دو دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکی۔ انگریز بدستور حاکم رہے۔ 17 مئی 1948ء کو اسرائیل بھی معرض وجود میں آ گیا مگر یہ دروازہ اردن کے ہی زیر نگیں رہا بعد ازاں 1967ء میں اسرائیل نے یروشلم کا انتظام مکمل طور پر سنبھال لیا تھا۔

قدیم یروشلم کا ایک اور دروازہ صیہونی گیٹ (Zion Gate) بھی ہے۔ جو حرم شریف کی جنوبی دیوار میں ہے اور سیاحوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مقبرہ اور اس عمارت کی دوسری منزل پر واقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری کھانے کے کمرہ تک لے جاتا ہے جسے (Last Supper) کہتے ہیں۔ یہی دروازہ صیہون کی پہاڑی کی نشاندہی بھی کرتا ہے جو یہودیوں کے نزدیک بہت مقدس ہے۔ اس دروازے کو بھی ترک سلطان سلیمان نے ہی تعمیر کروایا تھا مگر اس کے قرب و جوار میں ہاسمونی بادشاہوں اور ہیرڈ کے دور کی دیواروں کے کھنڈرات بھی ملتے ہیں۔ مسلمان عثمانیہ دور خلافت میں بھی اس دروازے کا انتظام و انصرام ایک یہودی خاندان ہی کے سپرد رہا تھا۔
17 مئی 1948ء کو صیہونی افواج نے اس باب النبی داؤد علیہ السلام کا محاصرہ کر لیا تھا جو کئی دن جاری رہا مگر دس روز کے بعد دو صیہونی مذہبی پیشواؤں (Rabbis) نے سفید جھنڈا الہراتے ہوئے قدیم شہر کے یہودی کوارٹر کے علاقے کو اردنی افواج کے حوالے کر دیا تھا۔ اردنی افواج کا کنٹرول پھر 1967ء تک رہا جب اسرائیلی افواج نے تمام یروشلم کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ 2008ء میں اسرائیلی حکومت نے اس کو از سر نو تزئین و آرائش سے آراستہ کیا۔

قدیم یروشلم کی فصیل میں ایک اور اہم دروازہ ڈنگ گیٹ (Dung Gate) ہے۔ اسے سلوان گیٹ (Gate of Silwan) بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ راستہ قریبی گاؤں سلوان کو جاتا تھا اور اسے بھی ترک سلطان سلیمان نے ہی تعمیر کروایا تھا۔ اس دروازہ کو ڈنگ گیٹ کا نام اس لیے دیا گیا تھا کہ اسی راستے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے اور اس کے بعد صدیوں تک ہیکل اول اور دوئم میں دی جانے والی قربانیوں کی

آلائشیں اور شہر بھر کی گندگی شہر سے باہر لے جائی جاتی تھی اور اسے قریبی بستی Hinnom Valley میں پھینک دیا جاتا رہا۔ مگر آج کل یہ دروازہ اس لیے اہم ہے کہ یہ یہودیوں کی دیوار گریہ (Wailing Wall) کو جانے کے لیے قریب ترین راستہ ہے۔ دسویں صدی قبل مسیح کے زمانے کا قدیم دروازہ بھی قریب ہی واقع ہے شاید اسی لیے اس دروازہ کو یروشلم شہر کا قدیم ترین راستہ کہا جاتا ہے جو مسلسل تین ہزار سال سے مستعمل ہے اور اس دروازہ کا ذکر قدیم عبرانی بائبل نحمیاہ میں بھی موجود ہے۔

یاد رہے کہ حرم شریف اور مسجد اقصیٰ کو جانے کے لیے غیر مسلم سیاحوں کے لیے ڈنگ گیٹ ہی واحد راستہ ہے جہاں بڑی سخت سیکورٹی اور جانچ پڑتال کے بعد ان کو اندر جانے کی اجازت دی جاتی ہے اور وہ بھی مخصوص و مختصر اوقات میں۔ دو گھنٹے دوپہر سے قبل اور ایک گھنٹہ دوپہر کے بعد۔ پس یہاں سیاحوں کی قطار بھی بہت لمبی ہوتی ہے۔ اسی دروازے کے اندر ایک لکڑی کا بڑا راستہ Ramp کی شکل میں ہے جس کے راستے سے یہ غیر مسلم سیاح حرم شریف جاتے ہیں۔ یہاں آٹھ سو سال پرانا کنکریٹ یا پتھروں کا ریمپ فروری 2004ء میں گر گیا تھا۔ 2007ء میں اسرائیلی حکومت نے لکڑی کا یہ ریمپ عارضی طور پر بنوایا تھا مگر ابھی تک چل رہا ہے کیونکہ نئے راستے کے ڈیزائن پر ابھی تک اسرائیل اور فلسطینی لیڈر متفق نہیں ہو سکے ہیں۔ پرانے ریمپ کا ملبہ بھی اب تک اسی جگہ پڑا ہے کیونکہ اس پر ریسرچ ہو رہی ہے۔

اسی ڈنگ گیٹ کے باہر کی طرف دو اور بند دروازوں کے نشانات ملتے ہیں جن کو ڈبل گیٹ اور ٹرپل گیٹ کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی پندرہ بڑی چھوٹی سیڑھیوں کے نشانات ہیں جو عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے نہایت مقدم و محترم ہیں۔ اس جگہ پر کبھی قدیم زمانوں میں حلدہ گیٹ (Hulda Gate) ہوا کرتا تھا۔ یاد رہے کہ حلدہ یہودیوں کی ایک انتہائی پارسا خاتون تھیں جن کا ذکر عبرانی بائبل (2 kings 22: 14 -20) میں ملتا ہے جو کہ ہیکل اول کے زمانے میں لوگوں کو ایک خدا کو ماننے کی تلقین کیا کرتی تھیں۔ کچھ یہودی محققین کے قریب یہ سیڑھیاں دوسرے ہیکل کا راستہ تھیں کیونکہ قریب کی کھدائی میں ہیکل دوئم کے مزید کچھ کھنڈرات دستیاب ہوئے ہیں۔ متذکرہ بالا ڈبل گیٹ اور ٹرپل گیٹ جو کہ سیڑھیوں کے ختم ہونے پر بند ملتے ہیں دراصل ہیکل کو جانے اور واپس آنے والے دو دروازوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہاں پر سیاح حضرات اپنی مذہبی رسومات کے مطابق ہر ایک سیڑھی پر کھڑے ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور سے لیے گئے مشہور پندرہ نغمے (مسلمان ان کو آیات ہی کہیں گے) ایک ایک کر کے گا کر پڑھتے ہیں۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ پاک کی تسبیح اس قدر خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے کہ ہوا میں اڑتے پرندے بھی ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے تھے۔ اسلامی صوفیائے کرام نے شاید اسی بنیاد پر سماع (قوالی) کی نص کو پروان چڑھایا ہوگا۔

یہودیوں کا ایمان ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ان پندرہ آیات تسبیح کو بعد میں آنے والے تمام راہب انہی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اسی طرح گاتے رہے ہیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ مگر مسلمان بھی ان سیڑھیوں پر اسی اپنائیت کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور اپنے طور پر اللہ پاک کو یاد کرتے ہیں۔ یہاں کھڑے ہوئے یہودی یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہیکل اول یا دوئم کو جانے والے راستے پر کھڑے ہیں جبکہ مسلمان بھی یہاں بیٹھنا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں کہ ان کا قبلہ اول یعنی سنہری گنبد اس دیوار کے پیچھے ہے اور نیک روحیں اور فرشتے ان کے سامنے قبلہ اول کی طرف جاتے اور آتے نظر آتے ہیں۔

آخری بات: قدیم یروشلم نے اپنی ہزاروں سال کی زندگی میں ان گنت جنگیں دیکھیں، سینکڑوں بار اس شہر کا محاصرہ ہوا، جنگ و جدل میں لاشوں کے ڈھیر بھی دیکھے، بیسیوں بار تباہ ہوا مگر پھر بھی اسی شان سے دوبارہ بن جاتا رہا۔ کئی بار تقسیم ہوا، پھر ایک ہو جاتا رہا۔ قرب و جوار کی وادیاں اسی قدیم یروشلم سے باہر نکالے گئے ملبوں میں دبی ہوئی ہیں۔ سولہویں صدی عیسوی کے عثمانیہ دور میں بنائی گئی ترک سلطان سلیمان کی یہ عظیم الشان دیوار آج بھی اسی تمکنت سے کھڑی ہے اور ان میں پیوست ساتوں دروازے اسی طرح کھلے اور مستعمل ہیں جو تعمیر کے ابتدائی دنوں میں بھی ایسے ہی تھے۔ ہاں مگر تاریخ یہ واضح نشاندہی کرتی ہے کہ یہ دروازے انہی قدیم دروازوں کی بنیادوں پر ہی بنائے گئے جو کہ متعدد پیغمبروں کے زمانے میں اسی شان و شوکت سے کھڑے کیے گئے تھے اور آج بھی دنیا بھر کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔

اعلان سائرس (539 BC)

فصیل شہر: جنوب کی سمت سے

دیوار میں ٹرپل گیٹ

اقصیٰ کے گرد فصیل کا منظر

فصیل شہر: رات کا منظر

باب الاسباط

باب الاسباط: اندرونی منظر

فصیل شہر: بطرف اقصیٰ

فصیل شہر میں ہیرڈ گیٹ

فصیل شہر میں دمشق گیٹ

فصیل شہر میں ڈنگ گیٹ

فصیل شہر میں باب صیہون

باب خلیل: بیرونی منظر

دمشق گیٹ پلازہ

نیو گیٹ

فصیل شہر: شمال کی سمت سے

باب خلیل

باب خلیل: رات کا منظر

ڈبل گیٹ کا نشان

باب القطانین

دمشق گیٹ کا بازار

باب حطہ

باب فیصل

مراکن گیٹ

باب الحدید

گولڈن گیٹ

گولڈن گیٹ: اندرونی منظر

مسجد الاقصیٰ

اسلام کی آمد سے قبل بھی یروشلم کی جبل موریا (Mount Moriah) پر کئی ہزار سال سے رحمتوں کا نزول ہوتا رہا تھا۔ یہاں کئی ایک مذہبی متبرک مقامات تھے جن میں ایک بازنطینی گرجا گھر بھی تھا جسے فارس (پرشیا) کی افواج نے 614ء میں تاراج کر دیا تھا۔ آج اسی مقام پر مسجد اقصیٰ قائم ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ نمبر 17 کی پہلی آیت اسی متبرک مقام کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں حضور نبی کریم ﷺ کے واقعہ معراج کا ذکر ہے۔ اقصیٰ سے مراد دوری یعنی مکہ مکرمہ سے بہت فاصلے پر ہونا ہے۔ اس سے مراد یروشلم کا یہی مقام تھا مسجد تو بعد میں بنی کیونکہ مسلمانوں پر نماز معراج کے واقعے کے ساتھ ہی فرض ہوئی تھی۔

مسلمان عموماً بیت المقدس کے سنہری گنبد کو ہی مسجد اقصیٰ خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ دو مختلف مقامات میں اور ان کے درمیان تقریباً دو سو گز کا فاصلہ ہے۔ بیت المقدس کے سنہری گنبد کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے نیچے وہ متبرک چٹان ہے جس پر پاؤں رکھ کر حضرت محمد ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تھے اور اس سے قبل یہودیوں کے نزدیک اس لیے یہ برکت کا مقام قرار پایا تھا کہ ان کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی چٹان پر حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی اپنے رب کے حضور پیش کرنا چاہی تھی اور یہ کہ یہودیوں کے نزدیک اسی چٹان کی کھوہ میں ان کا مقدس تابوت سکینہ دفن تھا۔ جبکہ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے عمومی فن تعمیر کی شان و شوکت کے ساتھ سنہری گنبد کے قریب جلوہ افروز ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کے دوران اقصیٰ مسجد کا نام نہیں بلکہ ایک مقام تھا۔

اسلامی سلطنت میں شامل ہونے سے قبل یروشلم بازنطینی حکمرانوں کے زیر اثر تھا اور اس جگہ پر حضرت مریم علیہا السلام کے نام کا بڑا گرجا گھر بھی تھا جسے فارس کی افواج نے جلا دیا تھا۔ 638ء میں جب خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یروشلم آئے تو انہوں نے اس وقت کے پادری شہر کے ساتھ جبل موریاہ کی زیارت کی اور یہاں پر نماز بھی ادا کی۔ تب ہی انہوں نے اس تباہ شدہ گرجا گھر کا ملبہ اپنے ہاتھوں سے اکٹھا کیا اور اسی جگہ پر یروشلم میں پہلی مسجد قائم کی۔ آج کی مسجد اقصیٰ کے منبر کے قریب ایک جگہ کو مقام فاروق رضی اللہ عنہ یا مسجد عمر رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے۔ تقریباً ساٹھ سال بعد اسی چھوٹی سی مسجد کے ڈھانچے کو بنو امیہ کے خلیفہ عبدالملک بن مروان نے عالی شان مسجد اقصیٰ میں تبدیل کرنے کی ابتدا کی جسے اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے 705ء میں (کچھ روایات کے مطابق 715ء میں) پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ اس کے بعد کئی بار یہ مسجد زلزلوں کی زد میں آئی، کئی بار بنی اور اس کی شکل وہیئت تھوڑی بہت تبدیل بھی ہوئی مگر آخر 1033ء میں مصر کے فاطمی خلیفہ ابوالحسن علی الظاہر نے اس کو وسیع کر کے مضبوط بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا جو آج بھی قائم ہے۔ مسلمان بھی تب سے ہی یروشلم پر حکومت کرتے آ رہے ہیں۔

احاطہ حرم میں نماز و اذان صرف اٹھاسی برس کے لیے رکی جب یروشلم پر 1099ء سے 1187ء تک صلیبی حکمرانوں کا قبضہ رہا جنہوں نے بیت المقدس کو گرجا گھر میں تبدیل کیے رکھا اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کو شاہی محل کے طور پر استعمال کیا۔ 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبی حکمرانوں کو یروشلم سے نکال باہر کیا اور اسلام کی عملداری تب سے یہاں قائم ہے اور اذان کی آواز اور نماز کو پھر آج تک دبایا نہ جا سکا۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے احاطہ میں ہزاروں لوگ بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ عید یا دوسرے اسلامی تہواروں کے مواقع پر یہاں عرب بھر سے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں جس کا روح پرور منظر دیدنی ہوتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کا رقبہ پینتیس ہزار (35000) مربع فٹ ہے اور اس کے گرداگرد خالی صحن میں مل ملا کر ان موقعوں پر پچاس ہزار (50000) نمازی اپنے خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے اندر سات متوازی قطاروں میں ستون قائم ہیں اور صرف اس ایک چھت تلے پانچ ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اندر ہی ایک کونہ خواتین کے لیے مخصوص ہے لیکن جمعہ یا تہواروں پر بیت المقدس کی چھت تلے بھی صرف خواتین ہی نماز ادا کرتی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے چاروں کونوں میں ایستادہ مینار اور چودہ منقش محرابیں اس کے حسن کو چار چاند لگائے ہوئے ہیں۔ وضو کرنے کے لیے ایک گول فوارہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے عین درمیان میں واقع ہے جسے الکاس (El-Kas) کہتے ہیں۔

الکاس فوارے کی تعمیر 709ء میں ہوئی تھی۔ یعنی مسجد اقصیٰ کے باقاعدہ افتتاح سے بھی قبل مگر موجودہ فوارہ 1455ء میں سلطان اشرف قائتبائی نے بنوایا تھا جو آج بھی اسی تمکنت سے اپنی جگہ قائم ہے اور سیاح مسلمان یہاں وضو کرنا بھی عین سعادت خیال کرتے ہیں۔ اس کی تعمیر کی ابتدائی دہائیوں سے لے کر تقریباً چالیس سال قبل تک اس فوارے کو پانی آٹھ میل دور قصبہ بیت اللحم (Bethleham) سے سپلائی ہوتا تھا مگر 1967ء کے بعد سے یروشلم شہر کی میونسپلٹی اسے پانی فراہم کر رہی ہے۔

بیت المقدس کی طرح مسجد اقصیٰ کو دیکھنے والے غیر مسلم سیاحوں کو مغربی گیٹ (Moroccan Gate) سے ہی داخلہ کی اجازت ہے ہاں مگر مسلمان سیاح کسی بھی گیٹ سے داخل ہو سکتے ہیں۔ ہر گیٹ پر دو پولیس پارٹیاں، ایک اسرائیلی پولیس کی اور دوسری فلسطینی فدائین کی، الگ الگ ہر سیاح کا پاسپورٹ چیک کر کے، یہ تسلی کر کے اندر جانے دیتی ہیں کہ سیاح واقعی مسلمان ہے۔ داخلہ کے وقت سیاحوں کو شائستہ (مہذب) لباس میں ہی اندر جانے دیا جاتا ہے۔ عورتوں کو سکرٹ یا ننگے بازوؤں والے بلاؤزر یا ننگے سر کے ساتھ اندر جانے کی ممانعت ہے اور اسی طرح مردوں کو بھی نیکریں پہن کر احاطہ حرم میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ غیر مسلم سیاحوں کو بھی مسجد کے اندر جانے سے قبل جوتے اتار کر شیلف پر رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

ماہرین آثار قدیمہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جب صلیبی افواج نے یروشلم پر قبضہ کیا تو ان کے علوم کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہیکل اول مسجد اقصیٰ والی جگہ پر تھا نہ کہ بیت المقدس والی جگہ پر، مگر اس تحقیق کو خود یہودی بھی مشکل ہی سے تسلیم کرتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کی دیگر قدیم عمارتوں کی طرح مسجد اقصیٰ بھی ہمہ وقت تجدید و آرائش کے مراحل سے گزرتی رہی ہے۔ ماضی قریب میں 43-1938ء کے دوران اس پر نمایاں کام ہوا کیونکہ مسجد کے تمام ستونوں پر سفید کرارہ ماربل (White Carrara Marble) لگایا گیا تھا جسے اٹلی کے اس وقت کے حکمران مسولینی نے فراہم کیا تھا۔ اس کے بعد مصر کے شاہ فاروق نے مسجد کی اندرونی چھتوں کو از سر نو آراستہ کروایا۔ یاد رہے کہ مسجد اقصیٰ کی اندرونی چھتیں فن تعمیر اور آرائش کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور دیکھنے والا اس کے جادوئی اثر سے باہر نہیں نکل پاتا۔

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اس کو تھوڑا بہت نقصان بھی پہنچا مگر زیادہ تشویش اس وقت ہوئی جب اگست 1969ء میں آسٹریلیا کے ایک ذہنی مریض عیسائی جس کا نام روہین (Rohan) تھا، نے بارہویں صدی عیسوی کے انتہائی خوبصورت منبر کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا لیکن اڑتیس سال بعد 2007ء میں اسلامی وقف نے اسی قسم کا، اسی سائز اور ڈیزائن کا ایک نیا منبر تیار کروا کر مسجد اقصیٰ کی روایاتی خوبصورتی کو دوبارہ جلا بخشی۔ جبکہ مسجد کی محراب شروع سے ہی نہایت خوبصورت اور اعلیٰ مہارت کی نقاشی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

یاد رہے کہ یروشلم کے ابتدائی مسلمان حکمران احاطہ حرم شریف میں ہی رہائش پذیر ہوا کرتے تھے۔ 1149ء میں صلیبی حکمرانوں نے مسجد کو ہی رائل پیلس بنا لیا وہ کبھی کبھار اس مسجد کو گرجا گھر بنا کر بھی اس میں عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صلیبی حکمرانوں نے مسجد کے اندرونی خدوخال سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی اور اس کے ڈیزائن یا نقاشی کو تبدیل نہیں کیا تھا۔

20 جولائی 1951ء کا دن مسجد اقصیٰ کے لیے روسیاہ دن تھا جب اردن کے شاہ حسین اول کو ایک فلسطینی نے مسجد کے اندر ہی شہید کر دیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ یہاں جمعہ کی نماز ادا کرنے آئے تھے۔ شاہ حسین اول کو تین گولیاں لگیں تھیں اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے تھے۔ ان کے بیٹے شہزادہ حسین کو بھی ایک گولی لگی تھی مگر وہ اس کے سینے پر سجے میڈل پر لگی اور شہزادے کی جان بچ گئی، جو بعد میں اردن کے فرمانروا بھی رہے۔

مسجد اقصیٰ کے اندر قدیم منبر کی جگہ ایک چٹان کے ساتھ تھی۔ وہ منبر جب جل گیا اور 2007ء میں اس کی جگہ نیا منبر رکھا گیا تو اس کو پہلے والی اصل جگہ ہی پر رکھا گیا۔ اس چٹان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بائیں پاؤں کے نشان ہیں۔ عیسائی سیاح اس کو عقیدت سے دیکھنے آتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مسجد عمر ہے جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس مسجد کے نیچے ایک ہال ہے اور اسی ہال

یا تہہ خانے سے سیڑھیاں بیت المقدس کی طرف جاتی ہیں جو تمام پبلک کے لیے بند ہیں۔ یہودیوں کا خیال ہے کہ یہ سیڑھیاں ہیکل دوئم کا متبادل راستہ تھا جو ہیکل کی 70ء میں تباہی کے وقت بند ہو گیا تھا۔ مسجد کے باہر جنوب مغربی حصے کے صحن میں ایک عمارت ہے جو کبھی مسجد مور (Mosque of Moors) ہوا کرتی تھی مگر اب اس میں اسلامی میوزیم قائم ہے۔

مسجد الاقصیٰ کے پندرہ دروازے ہیں جن پر سبز روغن کیا ہوا ہے۔ ان میں سے پانچ دروازے بند ہی رکھے جاتے ہیں جبکہ دس دروازوں میں سے آمدورفت ہوتی ہے۔ یہ سارے دروازے رات کو مقفل کر دیے جاتے ہیں اور ان کی چابیاں اسلامی وقف کے پاس ہوتی ہیں سوائے ایک مغربی دروازے کے جس کی چابی اسرائیل کی پولیس کے پاس ہوتی ہے۔ صبح کو دروازے کھولنے اور رات کو بند کرنے کا عمل اسرائیلی پولیس کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے مین دروازے سے نکلتے اور بیت المقدس کی طرف جاتے ہوئے آپ کو پندرہ سولہ بڑی سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں اور ایک خوبصورت اونچی محراب سے گزر کر احاطہ سنہری گنبد میں داخل ہوا جاتا ہے۔ یہ محرابیں اور عمودی ستون مملوکی دور کی یاد دلاتے ہیں جنہوں نے یہ تعمیر کروائے تھے۔

غیر ملکی سیاح یہاں آتے ہیں تو مسجد کی خوبصورتی، وسعت اور اندر موجود لوگوں کے اعلیٰ اخلاق کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جمعہ اور تہواروں کے دنوں میں، خصوصاً رمضان شریف کی افطاری کے اوقات میں فلسطینیوں کے دسترخوان کھلے ہوتے ہیں ہاں تمام سیاح، مسلمان ہوں یا غیر مسلم، مناسب اوقات میں مہمان نوازی سے محظوظ ہوتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ میں عید: مسجد اقصیٰ میں عید کا تہوار بھی اپنی ایک الگ حیثیت رکھتا ہے اور یہ منظر دیدنی ہوتا ہے۔ رمضان شریف کے آخری عشرے میں یہاں فلسطین اور اسرائیل کے تمام علاقوں سے مسلمان مع اپنے بیوی بچوں اور دیگر افراد خانہ کے، اپنے اپنے بستر اور سفری برتن لے کر حرم شریف میں آجاتے ہیں۔ حرم شریف اور مسجد اقصیٰ کے ہر طرف برآمدوں اور صحن میں بستر ہی بستر نظر آتے ہیں۔ وہ یہیں سوتے ہیں۔ سحری اور افطاری بھی یہیں ہوتی ہے اور عبادات بھی۔ دن کے اوقات میں بچے بالے یہیں کھیلتے نظر آتے ہیں اور خواتین یروشلم کے بازاروں میں خریداریوں میں مشغول ہوتی ہیں۔

عید کے چاند کا اعلان ہوتے ہی تمام بستر اور برتن سمٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں ایک ہی عید ہوتی ہے اور اس کا اعلان مفتی اعظم فلسطین کی طرف سے ہوتا ہے۔ کوئی رویت ہلال کمیٹی نہیں ہے۔ سعودی عرب سے اعلان عید ہوتے ہی یہاں پر عید کی نوید سنا دی جاتی ہے۔ ایک روح پرور کیفیت ہوتی ہے۔ تمام لوگ فجر کی نماز مسجد اقصیٰ میں ادا کرتے ہیں کیونکہ اس کے ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد یہیں پر نماز عید ہوتی ہے۔ اس کے لیے الگ سے وقت کا اعلان نہیں ہوتا۔

نماز فجر کے بعد لوگ اپنی اپنی نشستوں ہی پر بیٹھے رہتے ہیں اور فلسطین بھر سے آئے ہوئے قاری یا امام صاحبان بڑی ترتیب سے دس سے پندرہ منٹ کے لیے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوش الحان اور دلکش آواز کانوں میں رس گھولتی ہے اور سب سے آخر میں مفتی اعظم یا مسجد اقصیٰ کے چیف پانچ دس منٹ کے لیے عربی زبان میں تقریر کرتے ہیں اور پھر نماز کھڑی ہو جاتی ہے۔

نماز عید کے بعد مسجد اقصیٰ کے ہال سے نکلتے ہوئے دیر ہو جاتی ہے کیونکہ باہر ایک جم غفیر ایک دوسرے سے گلے ملتے ہوئے، عید کے کلمات مبارکہ کہتے اور سنتے، مسکراتے اور خوشیوں سے بھرپور مجمع کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ ہر طرف بچوں کے لیے ٹافیاں اور جوس کے ڈبے تقسیم ہوتے نظر آتے ہیں۔ بڑوں میں مٹھائیاں تقسیم ہو رہی ہوتی ہیں۔ یہ جشن عید تقریباً ایک گھنٹہ چلتا ہے یا شاید اس سے بھی زیادہ۔

وہ مسافر فلسطینی جو دور دراز سے رمضان کے آخری عشرے کے لیے آئے ہوتے ہیں وہ جاتے ہوئے اپنے بستروں کی چادریں، جائے نماز، چٹائیاں اور لوٹے اکثر ادھر ہی صحن اقصیٰ میں چھوڑ جاتے ہیں جنہیں پھر عید کی شام میں خدام ایک جگہ اکٹھا کرتے ہیں۔ بچی کھچی کھانے کی اشیا خصوصاً روٹیاں بھی الگ سے جمع کر دی جاتی ہیں جو بعد میں کبوتروں اور

پرندوں کا کھا جا بنتی ہیں۔

عید کے دوسرے روز صبح ہی انتظامیہ صحن اقصیٰ اور حرم شریف پر لگے تمام ٹینٹ اتار لیتی ہے اور تمام جگہوں کی پانی سے دھلائی کی جاتی ہے۔ دو پہر تک اقصیٰ اور حرم شریف زائرین کے لیے، تمام دنیا سے آئے ہوئے سیاحوں کے لیے، ہر خاص و عام کے لیے اسی طرح چمکتا، اجلا اجلا اور روایتی تمکنت سے بھرپور ملتا ہے جیسے یہاں کبھی لوگوں کا اجتماع ہوا ہی نہ ہو۔

اقصیٰ: عرب اسرائیل تنازعہ: اگر باریک بینی سے مشرق وسطیٰ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ ہوگا کہ عرب اسرائیل تنازعہ کی بنیاد حرم شریف کے احاطہ میں موجود مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس پر اسرائیلی قبضہ وکنٹرول کی خواہش اور کوشش ہی ہے۔ اس میں شدت 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد ہی آئی مگر تنازعہ کی تاریخ اس سے بھی قبل کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔

مئی 1947ء میں UNO نے فلسطین کی سرزمین کو تقسیم کرنے کے لیے ایک پلان بنایا تھا جسے مؤرخ Partition Plan کے نام سے جانتے ہیں۔ اس تقسیم میں اسرائیل کو معرض وجود میں لانا تھا اور زیادہ تر یورپ سے نقل مکانی کر کے آئے ہوئے یہودیوں کے لیے اس کو پچپن (55) فیصد زمین ملنا تھی جبکہ فلسطینی لوگوں کے لیے پنتالیس (45) فیصد زمین مختص کرنا تھی۔ اس پلان پر عمل درآمد کرنے کے لیے ایک سال کا ٹائم فریم دیا گیا تھا۔ تب تک یروشلم شہر UNO کے زیر انتظام تھا کیونکہ اس شہر میں موجود زیارتوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ سے چلے ہوئے تینوں بڑے مذاہب کا حق تھا۔ مگر اسرائیل نے فلسطینیوں کے بقول سال مکمل ہونے سے ایک ہفتہ قبل ہی فلسطین کی اٹھہتر (78) فیصد زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر پہلی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی تھی کیونکہ مصر، شام، اردن اور دیگر عرب ممالک نے اس ناانصافی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

دوسری عرب اسرائیل جنگ 1967ء کے بعد اسرائیل نے یروشلم کے مشرقی حصے اور قدیم یروشلم پر قبضہ کر لیا اور 1980ء میں اسرائیلی پارلیمنٹ نے یروشلم کے ایک ہونے اور اسرائیل کے صدر مقام ہونے کا بل پاس کر لیا جس سے یروشلم کے فلسطینی باشندوں کی قومیت ختم ہوگئی۔ چار لاکھ فلسطینی جن کی پیدائش یروشلم میں ہوئی تھی فقط رہائشی بن کر رہ گئے جسے قانون میں Residency Status کہا گیا۔ دوسری طرف اسی مشرقی یروشلم میں بارہ نئی یہودی بستیوں کے مقام کی اجازت اور پلاننگ کی گئی۔

جون 1967ء سے ہی یہ انتظام چلا آرہا ہے کہ احاطہ حرم شریف اور مسجد اقصیٰ کے تمام اندرونی معاملات مسلم وقف دیکھے گا اور بیرونی سیکورٹی کی تمام تر ذمہ داری اسرائیل پر ہوگی۔ مگر یہودیوں کے اندر بھی انتہا پسند تنظیمیں موجود ہیں جن میں سے دو بہت فعال ہیں۔ یہ تنظیمیں Temple Mount Faithful اور The Temple Institute ہیں جن کا مشن ہے کہ وہ خدانخواستہ بیت المقدس کی جگہ پر ہی اپنا تیسرا ہیکل تعمیر کریں گے۔ گو اسرائیل کی حکومتیں ان کو سمجھاتی بجھاتی رہتی ہیں مگر یہ نوجوان یہودیوں کی تنظیمیں ہیں جو ان کے بھی قابو میں نہیں۔ 1990ء میں انہی میں سے ایک انتہا پسند تنظیم The Temple Institute نے احاطہ حرم میں تیسرے ہیکل کی بنیادی اینٹ رکھنا تھی مگر فلسطینیوں نے مظاہرے کیے اور ان ہنگاموں میں بیس (20) فلسطینی شہید ہو گئے۔ اسی طرح 2000ء میں اسرائیل کے ایریل شیرون نے ہزاروں پولیس والوں کی معیت میں حرم شریف میں ڈیرے ڈال دیے۔ اس بار بہت زیادہ ہنگامے ہوئے جن میں تین ہزار (3000) فلسطینی شہید ہوئے اور تقریباً ایک ہزار (1000) اسرائیلی پولیس کے جوان بھی مارے گئے۔

فلسطینی لوگوں کو اس بات کا بھی احساس ہے کہ 2015ء میں سینکڑوں یہودی مسجد اقصیٰ میں اکٹھے ہو گئے تھے اور اپنا کوئی تہوار منانا چاہتے تھے حالانکہ مسجد اقصیٰ یہودیوں کے کسی بھی فنکشن کے لیے مناسب نہ تھی۔ پھر 2016ء میں بھی یہودی نوجوانوں کے گروہوں نے رمضان شریف کے مہینے میں مسلسل نمازیوں اور روزہ داروں کو تنگ کیے رکھا تھا۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ 1969ء کے بعد پہلی بار مسجد اقصیٰ 14 جولائی 2017ء کو دو دن کے لیے بند رکھی گئی کیونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کے مابین گن فائر کا تبادلہ ہوتا رہا تھا۔ اس جھڑپ میں دو اسرائیلی پولیس آفیسر مارے گئے اور

تین فلسطینی شہید ہو گئے تھے۔
مسجد اقصیٰ دو دن کے لیے بند ہوئی تو شہر میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ فلسطینی مسلمانوں نے احتجاجاً لائن گیٹ کے باہر اور ساتھ والی گلیوں میں نماز ادا کرنا شروع کر دی جس سے حالات مزید خراب ہو گئے۔ اس احتجاج میں شہر کے عیسائیوں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا اور اسرائیلی حکومت کے خلاف نعرے بازی کرتے رہے۔ اس لاقانونیت کو دبانے کے لیے اسرائیل نے پھر پولیس ایکشن کا راستہ اپنایا اور فلسطینیوں پر فائرنگ کھول دی جس سے مزید چار فلسطینی شہید اور دسیوں زخمی ہو گئے۔
الاقصیٰ ایک چھوٹا سا خطہ زمین ہے مگر روایاتی طور پر اسرائیل و فلسطین کے مابین جھگڑے کا سبب اسی مسجد کی توقیر و حرمت ہے جسے مسلمان ہر حال میں مقدم جانتے ہیں۔ مؤرخہ 6 دسمبر 2017ء کے **اخبار الجزیرہ** کی رپورٹ سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

> فلسطینی لوگوں کی مسجد اقصیٰ تک رسائی کے راستے مسدود اور محدود کیے جا رہے ہیں اور دوسری طرف یہودی تنظیموں کو احاطہ حرم شریف میں مذہبی رسومات ادا کرنے کے لیے ابھارا جا رہا ہے ایسے میں سب لوگوں کا خیال ہے کہ کہیں احاطہ حرم شریف تقسیم نہ کر دیا جائے اور اگر ایسا ہوا تو یہ عالم اسلام کے لیے بہت بڑا دھچکہ ہوگا۔

مسجد عمر: مسجد اقصیٰ کے بائیں کونے میں یہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو اقصیٰ کے قبلی ہال کا ہی حصہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں 638ء میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ دوئم یروشلم آئے تھے تو انہوں نے ایک تباہ شدہ گرجا گھر کا ملبہ صاف کرتے ہوئے یروشلم کی پہلی مسجد وہاں قائم ہونے کا عندیہ دیا تھا۔ جب پچاس برس بعد اموی خلیفہ عبدالملک نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا قصد کیا تو یہی جگہ بہترین قرار پائی اور اسی لیے مسجد عمر دراصل مسجد اقصیٰ کا ہی ایک حصہ ہے۔ رومن حکمرانوں کے دور میں تو یہ جگہ کوڑا کرکٹ اکٹھا کیے جانے کے لیے استعمال ہوتی رہی تھی اور معراج کے واقعے سے منسلک ہونے کے ناطے اس جگہ کی مسلمانوں کے نزدیک بہت زیادہ حرمت تھی۔ پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہاں آ کر خاصے تأسف کا اظہار کیا تھا۔ آجکل مسجد عمر کی اس جگہ پر ایمرجنسی کلینک بھی چلایا جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں نمازیوں یا زائرین کی انتہائی ضرورت کے فرسٹ ایڈ سنٹر کے طور پر۔ مسلمان سیاح یہاں نوافل بھی ادا کرتے ہیں۔

اسلامی میوزیم: مسجد اقصیٰ کے صحن کے جنوب مغربی حصے میں ایک پرانی عمارت اسلامی میوزیم کے طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ 1923ء میں فلسطین میں قائم ہونے والا یہ پہلا عجائب گھر تھا۔ تب اسے مسلم وقف کے دفاتر کے قریب، رباط المنصور بلڈنگ میں کھولا گیا تھا مگر 1929ء میں اسے اس عمارت میں لایا گیا، مراکن گیٹ کے بالکل ساتھ۔ یہ میوزیم ایل شکل کے دو ہال ہیں جن میں ایک ہال تو کبھی مسجد مور (Moors Mosque) کہلاتا تھا مگر چونکہ مسجد اقصیٰ صحن میں قریب ہی موجود تھی۔ لہٰذا یہ مور مسجد کبھی خاطر خواہ طور پر آباد نہ ہو سکی۔ پس اسے میوزیم میں تبدیل کر دیا گیا۔ دوسرا ہال اصل میں مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کے لیے آنے والی خواتین کے لیے مخصوص تھا مگر اکثر خواتین مسجد اقصیٰ کے اندر نماز ادا کرنے کو زیادہ باسعادت خیال کرتی ہیں تو خواتین کے لیے مخصوص یہ ہال بھی ہمیشہ سے خالی ہی رہا۔ دونوں ہالوں کو ملا کر اسلامی میوزیم بنا دیا گیا اور اب وہاں ہر خاص و عام کے لیے کچھ نہ کچھ معلوماتی مواد موجود ہے۔
کبھی انہی دو ہالز میں مالکی فقہ کا ریسرچ سنٹر اور سکول بھی رہا مگر میوزیم کے طور پر اس جگہ کا استعمال زیادہ مناسب سمجھا گیا۔ اس میوزیم میں اسلامی دور کی اولین تحریریں اور تاریخی نوادرات رکھے گئے ہیں۔ تقریباً 750 نسخے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن پاک کے بھی یہاں پر ہیں جن میں قدیم ترین نسخہ آٹھویں صدی عیسوی کا ہے۔ 37 - 1422ء کے دوران حکومت کرنے والے مملوک سلطان برزبے کا لکھا ہوا قرآن کریم بھی اسی میوزیم میں ہے۔ 170 X 110 سینٹی میٹر سائز میں لکھا ہوا سب سے بڑا قرآن کریم اب تک یہی دریافت ہوا ہے۔

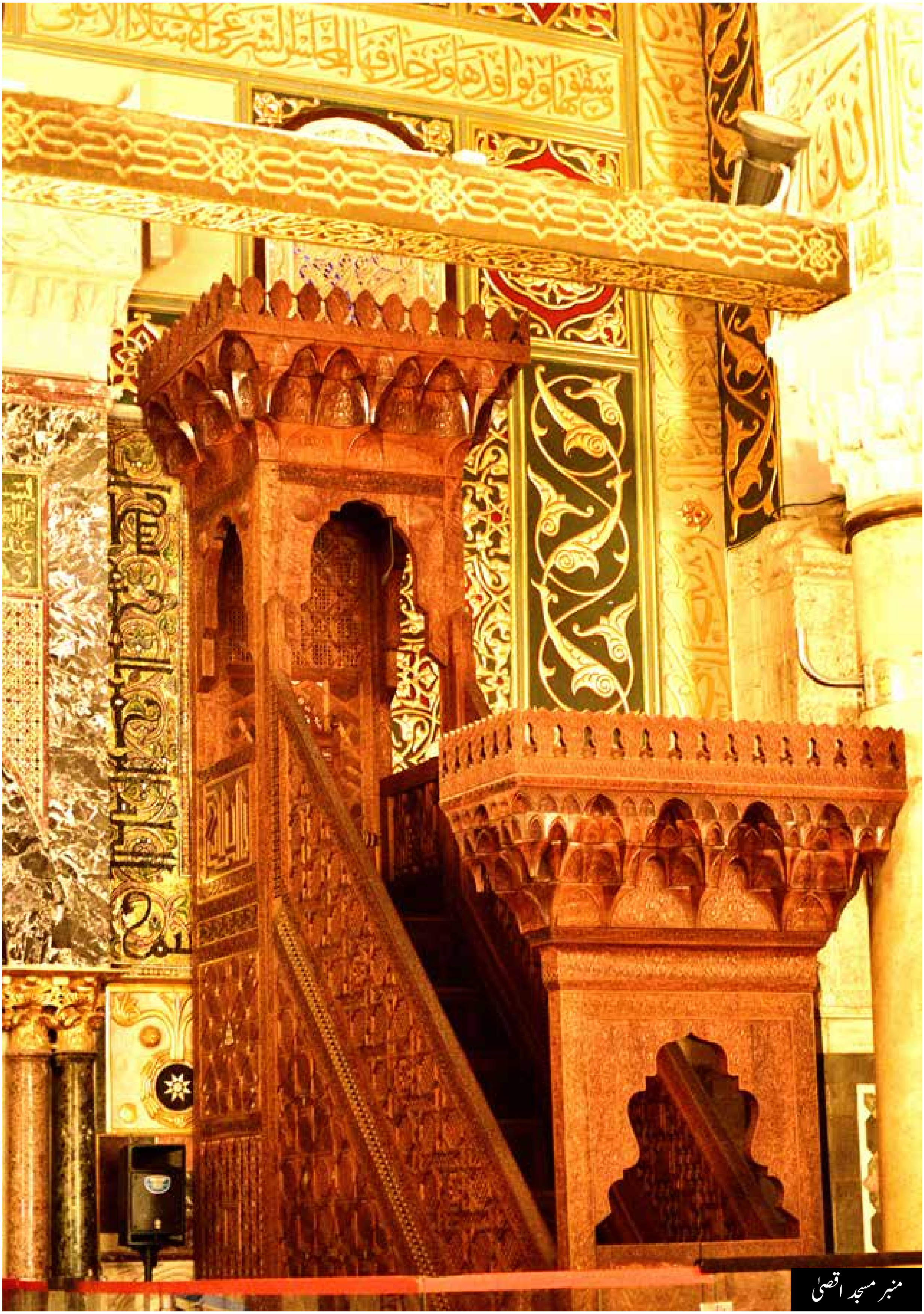

منبر مسجد اقصیٰ

مسجد اقصیٰ: صبح کا منظر

مسجد اقصیٰ: شام کا منظر

مسجد اقصیٰ: رات کا منظر

اقصیٰ کا برآمدہ

اقصیٰ کی جنوبی دیوار

اقصیٰ کی عقبی دیوار

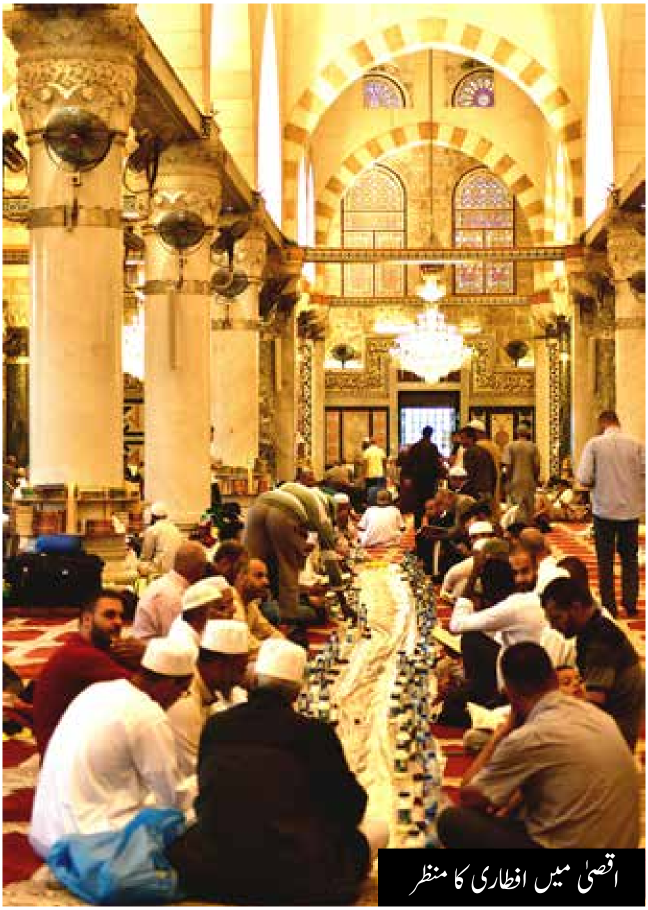

اقصیٰ میں افطاری کا منظر

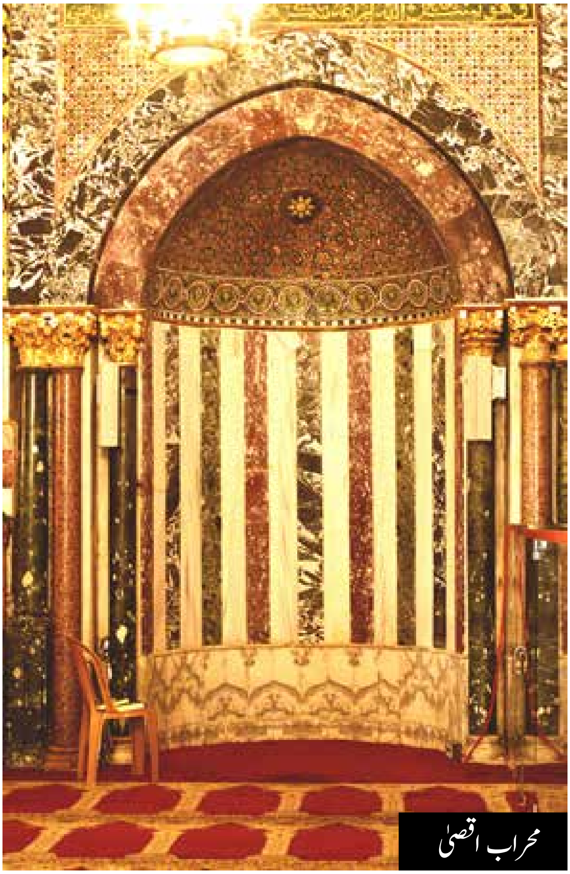

محراب اقصیٰ

اقصیٰ کے قدیم ستون

اقصیٰ کے قدیم ستون

اقصیٰ میں نماز کا اجتماع

اقصیٰ کا ہال

اقصیٰ کا اندرونی کونہ

اقصیٰ کا تہہ خانہ

گنبد اقصیٰ کی چھت کا منظر

اقصیٰ کی چھت کا منظر

محراب عمر رضی اللہ عنہ

اقصیٰ کی ایک اور منقش محراب

اقصیٰ کا برآمدہ

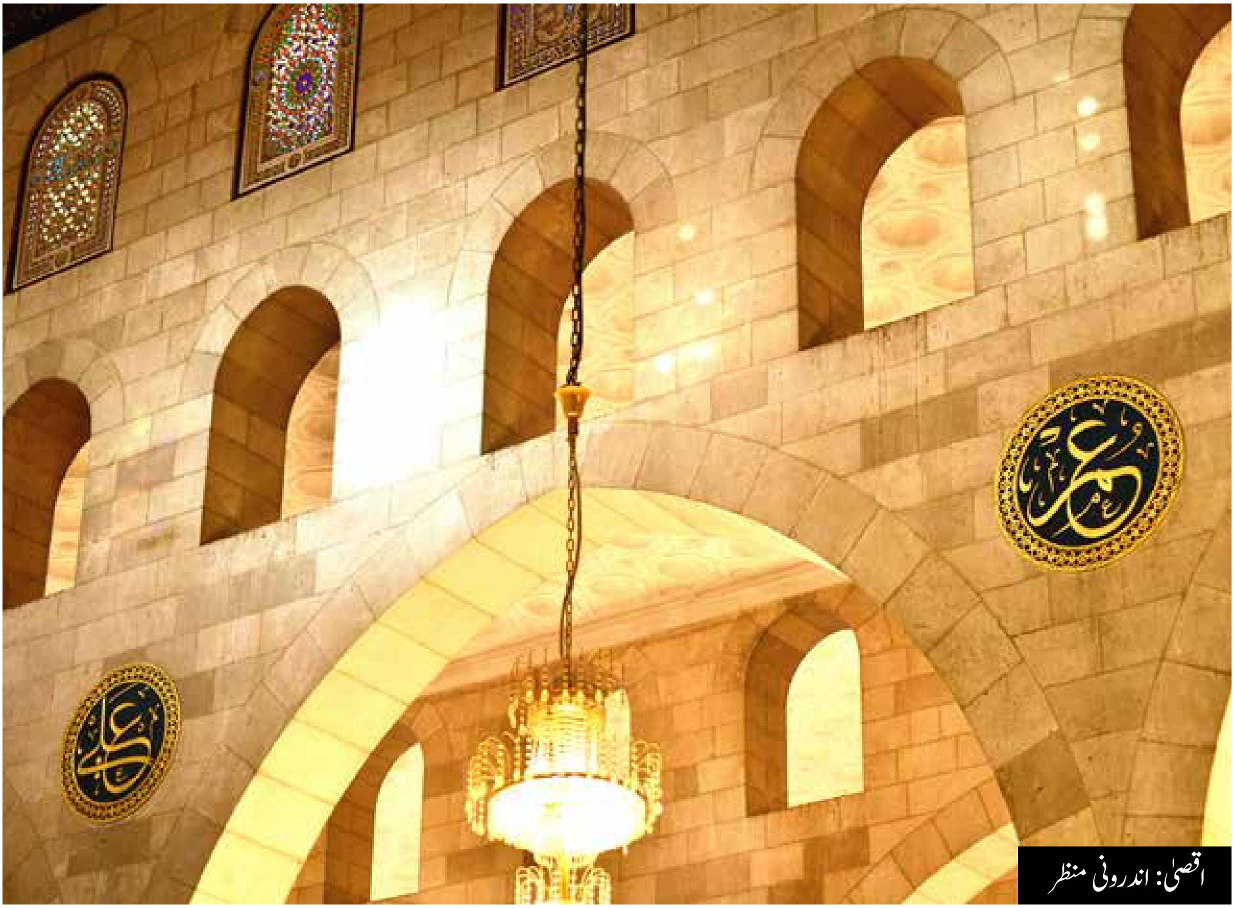

اقصیٰ: اندرونی منظر

محراب اقصیٰ

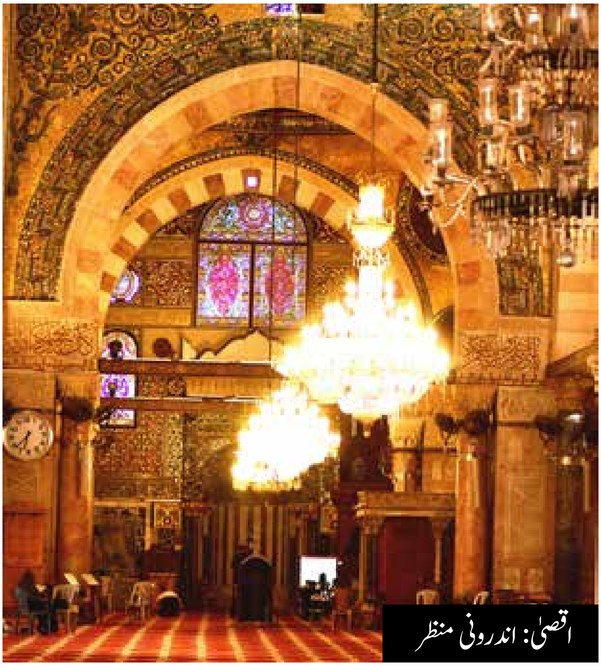
اقصیٰ: اندرونی منظر

اقصیٰ: مشرقی دیوار

اقصیٰ کی پیشانی

الکاس: وضو کی جگہ

اقصیٰ: مغربی مینار

اقصیٰ: لائبریری

اقصیٰ گنبد: اندرونی منظر

شہرِ نبی داؤد علیہ السلام

تاریخ کے قدیم مذہبی نسخوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے نام کے ایک شہر کا ذکر ملتا ہے جہاں یروشلم آباد ہونے کے آغاز کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ہزاروں سال سے آباد اس بستی میں جہاں ان گنت پیغمبروں علیہم السلام اور رسولوں علیہم السلام کی آمد اور تبلیغ کا تذکرہ ملتا ہے وہیں بعد میں بادشاہی اور قبضوں کے جلو میں ہزاروں انسانوں کو لہولہان بھی کیا گیا۔ ابتدائے تمدن کی مکمل تاریخ اور اس کے ادوار پر مبنی ایک آڈیو فلمی نائٹ شو یروشلم کی آج کل کی ثقافت کا ایک لازمی جزو ہے جسے حضرت داؤد علیہ السلام کے نام سے منسوب ایک مینار (David Tower) کے ساتھ جڑے ہوئے ڈیوڈ میوزیم میں دکھایا جاتا ہے۔ تاریخ کے طالب علموں اور سیاحوں کے لیے یہ انتہائی پرکشش موقع ہوتا ہے کہ یروشلم کی قدیم تاریخ، ثقافت، فوج کشی، مذہبی رجحانات اور رہن سہن کے تمام ادوار میوزیم کے چاروں سمت در و دیوار پر نمودار ہوتے ہیں۔ ہر دور پہلے سے مختلف اور جب شو ختم ہونے لگتا ہے تو تمام ادوار کے چیدہ چیدہ واقعات اور لوگوں کی زندگیوں کے نچوڑ کے طور پر موجودہ یروشلم کی تصویر ابھرتی ہے جس میں تمام مذاہب اور اس کے پیروکار مل کر ایک نیا معاشرہ تشکیل دے رہے ہوتے ہیں۔

جب آپ درج بالا نائٹ شو کو دیکھتے ہیں تو ایک بار یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام واپس اس دنیا میں تشریف لا رہے ہیں۔ قدیم مذہبی معاشرے کی کہانی تورات و انجیل میں درج واقعات کی بنیاد پر ترتیب دی ہوئی ہے جس میں نقطۂ محور صرف حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کے ادوار ہیں مگر اس سے بھی زیادہ حیران کن بات کہ منتظمین نے کس طرح Cutting Edge ٹیکنالوجی کو جدید ترین شکل میں نہایت نفیس انداز میں استعمال کیا جس میں بیس (20) کمپیوٹرائزڈ لیزر پروجیکٹرز، دس (10) آڈیو سسٹم، چودہ (14) اعلیٰ پروفائل کمپیوٹرز، چودہ (14) کمپیوٹرائزڈ ایمپلی فائرز اور دس (10) کلومیٹر لمبی بجلی کی تاریں استعمال کی گئی ہیں۔ یہ سٹیٹ آف دی آرٹ انتظام حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کو تو وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہی ہے مگر یروشلم کے ماضی اور حال کو بھی ایک دوسرے میں سموئے رکھتا ہے۔

اس شو کا آغاز تو دنیا کے مشہور ترین آرٹسٹ کی تصاویر کو ٹاور کی عظیم الشان دیواروں پر پھیلا کر پیش کرنے سے کیا جاتا ہے مگر جوں جوں رات گہری ہوتی جاتی ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی کے حیران کن واقعات سامنے آتے جاتے ہیں۔ ایک جادوئی کیفیت ہر ایک پر طاری ہو جاتی ہے مگر اس شو کا ہر ڈائیلاگ اور تصویر تورات و انجیل کے مندرجات سے ماخوذ ہوتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے خوش الحان نغمے (Psalms) جنہیں لوگ زبور کی آیات بھی کہتے ہیں اور جن کو ارد گرد کے تمام پرندے ہم آواز ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ گایا کرتے تھے، بھی اس شو میں سننے کو ملتی ہیں۔

جب شو ختم ہوتا ہے تو یہودی اور عیسائی سیاحوں کی اکثریت، جافا گیٹ سے ذرا باہر مامیلا ایونیو (Mamilla Avenue) پر واقع اگادا (Agada) ریسٹورنٹ کی طرف دوڑتی ہے۔ یہ ایک روایاتی ریسٹورنٹ ہے جہاں صیہونیت کے بانی تھیوڈور ہرزل (Herzl) نے قیام کیا تھا۔ اس کو کتابوں میں ہرزل ہاؤس بھی کہا گیا ہے۔ کھانے کے لیے وہ گاہک خود کو خوش قسمت ترین خیال کرتا ہے جس کو اس ریسٹورنٹ کے بڑے ہال میں جگہ مل جائے کیونکہ یہاں کھانا بادشاہوں اور شہزادوں کے آداب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

مقبرہ حضرت داؤد علیہ السلام: جافا گیٹ کے اندر مینار داؤد و میوزیم سے آگے بڑھیں اور چوک عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے گزر کر سیدھے ہی چلتے جائیں تو تقریباً تین سو گز کی مسافت کے بعد داہنے ہاتھ پر صیہونی گیٹ ملے گا۔ اس سے باہر نکلیں تو بمشکل پچاس گز پر حضرت داؤد علیہ السلام کا مقبرہ ایک پرانی و بوسیدہ سی عمارت کے اندر ہے۔ اس تمام خطے کو جبل صیہون (Mount Zion) کہتے ہیں اور یہ شہر قدیم کی فصیل سے ذرا باہر واقع ہے۔ رومیوں کی حکمرانی کے آخری دور میں یہاں یہودیوں کی ایک عبادت گاہ بنائی گئی تھی مگر اب اس کا نشان نہیں ملتا۔ بارھویں صدی عیسوی میں حضرت داؤد علیہ السلام کے مقبرہ والی عمارت کو بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور آج تک اس کی تکریم اسی طرح کی جاتی ہے۔

عثمانیہ دور میں چار سو سال تک مقبرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عمارت میں مسجد بنی رہی مگر 1948ء میں اسرائیل بننے کے بعد اس کو سنا گاگ

(Synagogue) یعنی یہودیوں کی عبادت گاہ بنا دیا گیا اور ابھی تک یہ پوزیشن برقرار ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر مبارک کے اوپر ایک محراب ہے جس پر کبھی انگریزی میں لکھا ہوتا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام یہاں رہتے ہیں اور یہیں رہیں گے۔ مگر پھر وہ کتبہ وہاں سے غائب کر دیا گیا اور محراب کے اندرونی حصہ پر نہایت بھونڈے انداز میں سفیدی سی پھیر دی گئی۔ 67 - 1948ء کے دوران مقبرہ حضرت داؤد علیہ السلام یہودیوں کی سب بڑی اور عزیز نشانی تھی۔ لوگ اس کی چھت پر چڑھ کر دور سے بیت المقدس کے سنہری گنبد کی طرف منہ کر کے (یہ ان کے اپنے تیئں ہیکل اول و دوئم کی جگہ تھی) اپنی عبادت کیا کرتے تھے اور تورات کی تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ مگر 1967ء کے بعد دیوار گریہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل یہودیوں سے زیادہ مسلمان مقبرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔

تقریباً بیس سال تک مقبرہ حضرت داؤد علیہ السلام اسرائیل اور اردنی فوجوں کے مابین بفرزون کا درجہ حاصل کیے رہا۔ دسمبر 2012ء میں کچھ شرارتی لوگوں نے مقبرہ پر لگی سترہویں صدی عیسوی کی منقش ٹائلز تمام کی تمام توڑ ڈالیں اور چونکہ ان کی جگہ مناسب ٹائلز نہیں لگیں تو اب یہ عمارت تھوڑی بھدی ہو گئی ہے مگر عقیدت کا عالم تو وہی ہے۔ آج کل تمام علاقے میں آثار قدیمہ کی کھدائی ہو رہی ہے۔ حال ہی میں بہت سے ایسے مقامات کی نشان دہی ہوئی ہے جن میں سیڑھیاں ہی سیڑھیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ابھی کھدائی چونکہ مکمل نہیں ہوئی پس تاریخ کے اس رخ سے پردہ نہیں اٹھا۔ امکان ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اپنے اس وقت کے محل کی فصیل ہو سکتی ہے جو دسویں صدی قبل مسیح میں تعمیر کیا گیا تھا۔ لیکن اگر یہ کسی کنعانی قلعہ کی دیوار نکلی تو تاریخ ماہرین کو حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی قبل کے زمانے میں لے جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری کھانے کا کمرہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے سے ایک رات قبل کا کھانا جسے The Last Supper کہتے ہیں، اپنے حواریوں کے ساتھ جہاں کھایا گیا تھا وہ کمرہ حضرت داؤد علیہ السلام کے مقبرہ کی بالائی منزل پر بیان کیا جاتا ہے۔ عیسائی حضرات اس کی یاد میں ایسٹر سے پہلے آنے والی جمعرات کی شام افسوس میں گزارتے ہیں۔ اس کمرہ کو انجیل مقدس کی زبان میں Cenacle بھی کہا جاتا ہے۔ مقبرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بالائی منزل کے اس کمرہ کی چھت پر ایک مسجد کا مینار بھی ابھی تک ایستادہ ہے۔ عثمانیہ دور کی اس یادگار کو دیکھنے سیاح اوپر ضرور جاتے ہیں۔

مگر حیرانگی کی ایک اور بات کہ تمام عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری کھانے کے اس کمرے کو مستند خیال نہیں کرتے۔ اس کے مقابلے میں قدیم یروشلم کے جیوش کوارٹر میں ایک اور چرچ بنام سینٹ مارک کو بہت سے لوگ حقیقی لاسٹ سپر روم سمجھتے ہیں۔ اس سے بھی بڑی حیرانگی کی بات یہ ہے کہ دنیا کے تمام چوٹی کے مصوروں نے، جن میں اٹلی کے مونالیزا شہرت والے ڈی ونسی بھی شامل ہیں، اپنی اپنی تصاویر میں، آخری کھانے کی جو تصورکشی کی ہے ان میں کوئی بھی تصویر یروشلم کی ان دونوں جگہوں سے مطابقت نہیں رکھتی۔

جبل صیہون پر واقع اس کمرے کو تاریخ دان اس چرچ کا حصہ قرار دیتے ہیں جو بارہویں صدی عیسوی میں صلیبی فرمانرواؤں نے یہاں بنایا تھا کیونکہ اس کمرے کے کونے میں ایک ماربل کے ستون پر پتھر سے بنی ایک چھتری سی اب بھی موجود ہے اور اس ستون کے اوپر کے سرے پر نصب ڈیزائن میں ایک پرندہ ماں اپنے دو بچوں کو اپنا خون پلا رہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحم دل فطرت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ صلیبی فرمانرواؤں کی ہی ڈیزائن کردہ جگہوں کی نشاندہی کرتی ہے۔

سولہویں صدی عیسوی میں جب ترکوں نے یروشلم کا نظم ونسق سنبھالا تو اس کمرے کو مسجد داؤدی بنا دیا گیا۔ آج کے سیاح اب بھی کھانے کے اس کمرے کے اندر سنگ مرمر کی ایک خوبصورت محراب اور دیواروں پر لکھی قرآنی آیات دیکھ کر حیران ہوتے ہیں اور چھت پر موجود مینار کے بارے میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ وہاں اب بھی موجود ہے۔

چشمہ گیہان (Gihon Spring): 1050 قبل مسیح میں جب حضرت داؤد علیہ السلام نے کنعانی قبیلے کو شکست دے کر ان پہاڑیوں پر بنے ہوئے ایک قلعے کے سامنے اپنے خیمے گاڑے تھے تو انہوں نے پہلے قریب بہتے ہوئے گیہان چشمے کے راستے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی چشمے کے

پانی سے قلعہ کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ جب قلعہ نے شکست تسلیم کی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس تمام جگہ کو اپنا صدر مقام بنا لیا اور شہر داؤد کا نام دیا۔ تورات و انجیل کی مقدس کتابوں میں بھی اس جگہ اور چشمے کا ذکر موجود ہے۔ یہ چشمہ بھی ایک معجزہ ہے زمزم کی طرح، سارا سال چلتا ہے مگر پانی کی کمی بیشی موسموں کے تغیر کے ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ بعد کے ایک حاکم ہزکیہ (Hezkiah) نے اس چشمہ سے پہاڑی کے اندر ہی اندر سرنگ بنا کر اس کا پانی ایک چھوٹے سے 20X7 فٹ سائز کے حوض میں گرایا اور اسی حوض سے تین ہزار سال تک پانی مہیا ہوتا رہا اور اب بھی یہ چشمہ اسی طرح چل رہا ہے۔

عیسائی اس کو چشمہ مریم بھی کہتے ہیں کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام یہیں پر آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کپڑے دھویا کرتی تھیں۔ اس چشمہ کے فیض سے یہاں ہزاروں سال سے زندگی کے مکمل آثار ملتے ہیں اور تبھی سے شہر داؤد سے یروشلم تخلیق ہوا۔ تبھی سے یہ نظام ایک قدرتی سائفن کے ذریعے کام کرتا ہے اور ہیکل اول و دوئم کو بھی پانی یہیں سے مہیا ہوتا رہا تھا۔ 1867ء میں ایک انگریز انجینیر وارن نے عثمانیہ سرکار کو اس میں بہتری لا کر دی تھی اور وارن کا وہ سسٹم بھی ابھی تک کام کر رہا ہے۔ تمام سیاح اس چشمے کو اور ہزکیہ کی اس سرنگ کو دیکھنے ضرور جاتے ہیں بلکہ نوجوان سیاح تو 530 میٹر لمبی اندھیری سرنگ میں چلنے کو بھی سعادت خیال کرتے ہیں۔ بہت گہرائی میں بھی سیاح صرف کمر تک ہی پانی دیکھتے ہیں۔ کیچڑ اور اندھیرے میں پانی میں چلنے کا سفر ان کی زندگی کا یادگار سفر قرار پاتا ہے کیونکہ 2700 سال پرانے اس آبی راستے پر کیا سائنس لاگو ہوئی ہوگی ابھی تک سمجھ سے باہر ہے۔

اوپر بیان کردہ چھوٹا سا حوض دراصل پہاڑی کے درمیان پتھروں کو کاٹ کر ہی بنایا گیا تھا اور اب بھی اسی طرح ہے اور اتنا ہی ہے جسے ہزکیہ بادشاہ نے 687 - 715 قبل مسیح کے دوران بنوایا تھا۔ نحمیاہ کے دور (445 قبل مسیح) اور ہیکل دوئم 76 - 103 قبل مسیح میں اس کی صفائی اور تعمیر نو ضرور ہوئی تھی مگر سسٹم وہی رہا۔

اس سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس چشمہ پر بہت سے لوگوں کی بینائی واپس لا کر دی تھی اور اس معجزہ پر تو سب اہل کتاب متفق ہیں۔ ان کے بعد بازنطینی حاکموں نے بھی اس چشمہ اور سرنگ کی صفائی و ستھرائی کروائی تھی۔ 2009ء میں کھدائی کے دوران اس چشمہ کی سرنگ کے نواح میں 225 مربع فٹ کا ایک اور حوض دریافت ہوا جس میں اترنے کے لیے تین اطراف سے سیڑھیاں بھی اترتی تھیں۔ مگر مزید تحقیق نہ کی جا سکی کیونکہ وہ قطعہ زمین ایک یونانی چرچ کی ملکیت ہے اور انہوں نے کھدائی بند کرا دی۔ امکان اغلب ہے کہ یہ حوض ہیکل دوئم کے تباہ ہونے پر 70ء میں کہیں بند ہوا اور پھر اطراف کی پہاڑیوں سے مٹی اور مواد نے اسے بھر دیا ہوگا۔

یہودی قبائل اور عیسائی سیاح اس چشمہ اور سرنگ کو ضرور دیکھنے آتے ہیں کیونکہ ایک تو یہ زندہ معجزہ ہے اور دوسرے ان کی تورات و انجیل میں اس کا ذکر بھی ہے۔ ان کے بہت سے نبیوں علیہم السلام کی کہانیاں یہاں کے پانی سے جڑی ہوئی ہیں۔ متذکرہ بالا 2009ء کی کھدائی کے دوران یہاں سے آٹھویں صدی قبل مسیح کا ایک کتبہ بھی ملا تھا جو اس وقت کی حکومتی عمارات کا حصہ تھا جس سے یہ اخذ کیا گیا کہ اس دور کے یروشلم میں بھی آج کی طرح انتظامی عمارات کا وجود تھا بے شک اسے شہر داؤد کہہ لیں یا یروشلم مگر مقام ایک ہی تھا۔

نزمل گرجا (Abbey of Dormition): قدیم یروشلم کی فصیل سے باہر، جبل صیہون پر ہی بازنطینی دور کے ایک چرچ کی عمارت تھی جو 614ء میں ساسانیوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئی تھی مگر انیسویں صدی کے آخری سالوں میں یہاں انہی بنیادوں پر ایک نیا چرچ بنا دیا گیا۔ اس کا ذکر تفصیل سے کچھ یوں ہوگا کہ یہ Hagia Sion نامی گرجا گھر کی عمارت 415ء میں بنائی گئی تھی۔ پھر تباہی کے تیرہ سو سال بعد 1899ء میں ترک معماروں نے ان بنیادوں کو ڈھونڈ نکالا تو ان کی مضبوطی اسی طرح قائم تھی۔ پس عیسائیوں کو کہا گیا کہ وہ انہی بنیادوں پر اپنا گرجا گھر کھڑا کر لیں۔ دوسری روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اسی جگہ پر گہری نیند (موت) سو گئی تھی۔ مگر عیسائیوں میں اس امر پر بھی اختلاف ہے۔ ان کے ایک گروہ کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام نے ترکی کے علاقہ افسس (Ephesus) میں آخری سانس لی تھی کیونکہ وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ وہاں چلی گئی تھیں۔ مگر اس دوسری روایت میں شک اس لیے ہے کہ

حضرت مریم علیہاالسلام کا مزار بھی تو یروشلم کی فصیل سے ذرا باہر روز اول سے موجود ہے اور مرجع خلائق بھی۔

حقیقت یہ ہے کہ 1898ء میں جرمنی کے قیصر ولیم دوئم نے ترک سلطان عبدالحمید دوئم سے یہ قطعہ اراضی خرید لیا تھا اور عیسائیوں کی پروٹسٹنٹ جماعت کو تحفہ کر دیا تھا۔ اکتوبر 1900ء میں یہاں چرچ کی بنیاد رکھی گئی، تعمیر ہوئی اور اپریل 1910ء میں اس کے دروازے عوام کے لیے کھول دیے گئے۔ اس چرچ کے تہہ خانہ میں دو سڑھیاں اترتی ہیں۔ لوگ جاتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ حضرت مریم علیہاالسلام کا پورے جسم کا مجسمہ بڑے ادب سے وہاں رکھا ہوا ہے۔ 1926ء میں اس گرجا گھر کا درجہ بلند کر دیا گیا۔ 1948ء میں اسرائیل نے اس کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لی مگر 1951ء میں ہی پاپائے روم کے حوالے کر دی گئی تھی۔

14 - 2011ء کے دوران کچھ انتہا پسند یہودی نوجوانوں نے اس کو نقصان بھی پہنچایا۔ ان کے حملوں کو Price Target Attacks کہا جاتا ہے۔ جنوری 2016ء میں انہوں نے اس چرچ پر ایک اور حملہ کیا مگر اس کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ کی اطلاع نہیں ہے۔

نرمل گرجا کی یہ قلعہ نما عمارت خوبصورت بھی ہے اور یروشلم کے لیے ایک نشان بھی۔ اس کے چار مینار بھی ہیں اور چھت درمیان سے اوپر اٹھی ہوئی ہے۔ بازنطینی طرز تعمیر کی طرح یہ گرجا بھی دو منزلوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ بالائی ہال میں تمام تقریری و عبادتی سیشن ہوتے ہیں جبکہ نیچے حضرت مریم علیہاالسلام کے مجسمے کے گرد اگرد انفرادی عبادات اور انجیل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

رامپرٹ واک (Ramparts Walk): ابتدائی صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ یروشلم شہر تہہ در تہہ ایک دوسرے کے اوپر ہی تعمیر ہوتا رہا ہے اور ہیرڈ گیٹ کے قریب کھدائی کے دوران شہر کی نو (9) تہوں تک رسائی حاصل کی جا چکی ہے جہاں ریسرچ جاری ہے۔ جب سیاح جافا گیٹ سے قدیم یروشلم میں داخل ہوتے ہیں تو ان میں سے اکثر نوجوان شہر کے گرد فصیل کے اوپر پیدل چلنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ فصیل کی چوڑائی اس قدر ہے کہ اس پر دو افراد کندھے سے کندھا ملا کر بآسانی چل سکتے ہیں۔ تقریباً ہر سو گز کے بعد آپ کو لوکل انفارمیشن کی تختیاں ملیں گی۔ لوگ اس لیے یہ سفر پسند کرتے ہیں کہ دیوار کے اوپر سے قدیم شہر کے اندر اور باہر کی تمام تر تاریخ آنکھوں کے سامنے نقشے کی مانند پھیلی محسوس ہوتی ہے۔ جافا گیٹ سے ایک راستہ ڈنگ گیٹ تک جاتا ہے اور دوسرا راستہ لائن گیٹ تک۔ سیاح جو بھی دیکھنا چاہیں میدان حاضر ہیں۔

رامپرٹ واک پر چلنے کے پروگرام سے قبل یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس میں ان گنت سیڑھیوں پر بار بار اترنا اور چڑھنا پڑتا ہے۔ ایک بار آپ سفر پر نکل پڑیں تو راستے میں رکنا ممکن نہیں کیونکہ وہاں واش روم ہیں نہ کوئی ٹھیلے والا آپ کو پانی یا ڈرنک بیچنے کے لیے موجود۔ پس پانی کی بوتل ساتھ رکھنا پڑتی ہے۔ یہ تفریح ویسے بھی عورتوں، بچوں یا بوڑھوں کے لیے مناسب خیال نہیں کی جاتی۔

ہولو کاسٹ چیمبرز (Holocaust Chambers):

حضرت داؤد علیہ السلام کے مقبرے کے دوسری طرف ایک چھوٹا سا راستہ ہولو کاسٹ چیمبرز کی طرف جاتا ہے۔ جسے 1948ء میں ہی بنا دیا گیا تھا۔ اسی سال ہی اسرائیل کی نئی حکومت نے جرمنی کے ہولو کاسٹ کیمپوں سے آئی ہوئی مردوں کی راکھ، بعض مردہ افراد اور دوسری شکل میں یہودیوں کے تابوت مع مقدس تورات کے جلے ہوئے نسخے اکٹھے کر کے ایک جگہ کر دیے اور اسے میوزیم کی شکل دے دی۔ اسی میوزیم کو مرنے والوں کی تفصیل اور مخصوص کتبوں کے ساتھ ہولو کاسٹ چیمبرز کہا گیا۔ ان چیمبرز کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے قبرستان میں اوسکر نامی ایک عیسائی دفن ہے جس نے 1200 یہودیوں کو جرمنی کے نازیوں کے ہاتھوں مرنے سے بچایا تھا۔ مگر اسی قبرستان میں ان اکیانوے (91) افراد کی تدفین بھی ہوئی تھی جو 22 جولائی 1946ء کی صبح یروشلم کے کنگ ڈیوڈ ہوٹل میں دھماکے کے دوران جاں بحق ہوئے تھے۔ یہ دھماکہ ایک انتہا پسند صیہونی تنظیم The Irgun نے کیا تھا کیونکہ اس ہوٹل میں برطانوی انتظامیہ کا ہیڈ کوارٹر برائے فلسطین قائم تھا۔

ڈیوڈ میوزیم: صدر دروازہ

ڈارمی شن چرچ

שער־כניסה ראשי
מבנה מימי הביניים ששוקם על־ידי הממלוכים. בגומחה שבקשת הפנימית נמצאה כתובת המעידה על שיקומו בידי הסולטאן הממלוכי אל־נאצר מוחמד אבן קלאון בשנת 1310.

المدخل الرئيسي
بُني هذا المدخل في القرون الوسطى. ثم رممه المماليك. وتوجد على القوس الداخلي كوة نقشت عليها كتابة تشير الى ان عملية الترميم تمت سنة ١٣١٠ على يد السلطان المملوكي الناصر محمد بن قلاوون.

Main Gate
Medieval structure restored by the Mamluks. An inscription noting the restoration in 1310 by the Mamluk ruler, al-Nasir Muhammad ibn Qala'un, was found on the recess in the interior archway.

میوزیم کا کتبہ

ہولوکاسٹ چیمبرز: بیرونی تجریدی آرٹ

میوزیم: اندرونی تجریدی آرٹ

حضرت داؤدعلیہ السلام کا مجسمہ (اسرائیلی روایت)

ڈیوڈ ٹاور

مقبرہ داؤدعلیہ السلام کے اوپر مینار

ڈارمی شن چرچ

حضرت داؤدعلیہ السلام کی قبر مبارک

ڈیوڈ ٹاور قلعہ کے کھنڈرات

برٹش آرمی کی آفیسرز کلب

برٹش آرمی آفیسرز بار

حضرت مریم علیہا السلام کی ظاہری موت کا مجسمہ (عیسائی روایت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری کھانے کا کمرہ (عیسائی روایت)

ڈارمی شن چرچ : اندرونی منظر

ڈارمی شن چرچ : اندرونی منظر

ڈارمی شن چرچ : اندرونی منظر

مقبرہ داؤد علیہ السلام کا دروازہ

حضرت مریم علیہا السلام کی ظاہری موت کا مجسمہ (عیسائی روایت)

مقبرہ داؤدعلیہ السلام کا داخلی دروازہ

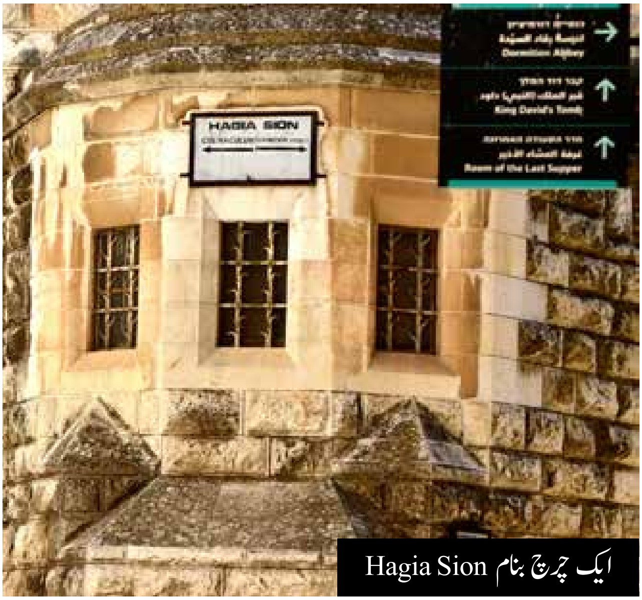

ایک چرچ بنام Hagia Sion

جنگ عظیم دوم میں نقصان زدہ مقدس تورات

ہولوکاسٹ چیمبرز

مینار داؤد علیہ السلام اور دیوار گریہ

مینار داؤد، جافا گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر واقع قدیم اور قد آور پتھروں کی دیواروں کے اندر ہے۔ اس ٹاور کے گرد اگرد پرانی بلڈنگ میں میوزیم بنا دیا گیا ہے جو سیاحوں کو یروشلم کی چار ہزار سالہ پرانی تاریخ کو تصویروں کی وساطت سے پیش کرتا ہے۔ میوزیم کے اندر ہی سیڑھیوں کے ذریعے ایک اور اونچی چھت پر سیاح جاتے ہیں تو تمام یروشلم ان کے قدموں میں بچھا محسوس ہوتا ہے۔ اس تمام عمارت کی بنیادیں دو ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہیں جنہیں مذہبی راہبوں اور بادشاہوں نے مل کر 37 - 167 قبل مسیح میں اٹھایا تھا۔ پھر صدیوں تک اس شہر کو تاراج و برباد کیا جاتا رہا مگر پھر بنایا بھی جاتا رہا۔ پرانے بادشاہوں نے پہلے سے زیادہ خوبصورت تعمیرات کیں۔ یہ شہر سب کو عزیز رہا، غرض رومن، بازنطینی، مسلمان، صلیبی حکمران، مملوک، عثمانیہ دور کے فرمانروا، انگریز، اردنی اور اسرائیلیوں نے اپنا اپنا حصہ بڑے خلوص سے ڈالا اور فخر کیا۔

70ء میں جب رومنوں نے یروشلم کو تباہ کیا اور ہیکل دوئم کو بھی ملیامیٹ کیا تب بھی شہر داؤد کو نقصان نہیں پہنچایا گیا بلکہ رومن فوج کی دسویں بٹالین اسی عمارت میں ٹھہری اور اپنا کمانڈ دفتر بنائے رکھا۔ چوتھی صدی عیسوی میں یہ عیسائی پادریوں کے دفاتر اور عبادت گاہ بنی رہی۔ پھر چار سو سال تک ترک افواج کا ہیڈ کوارٹر یہیں پر رہا۔ یاد رہے کہ دسمبر 1917ء میں ترکوں کی عثمانیہ خلافت کا سورج یہیں سے غروب ہونا شروع ہوا تھا جب انہوں نے اسی ڈیوڈ ٹاور کی سیڑھیوں پر انگریز جنرل ایلن بی (Allenby) کے سامنے سر جھکا کر یروشلم کی چابیاں اس کے حوالے کی تھیں۔ یوں مسلمانوں کے بارہ سو سالہ تاریخی دور اقتدار کا خاتمہ ہوا تھا۔

انگریز حکمرانوں نے اس ڈیوڈ ٹاور کی عمارت کو کلچرل سنٹر میں تبدیل کر دیا مگر کچھ سالوں کے بعد اس کی یہ حیثیت بھی ختم ہوگئی۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد اسرائیلی سرکار نے اس کو پھر کلچرل سنٹر ہی کے طور پر عوام کے لیے کھول دیا تھا۔ اب یہ عمارت میوزیم کے طور پر اپنی کہانی خود بیان کر رہی ہے۔

دیوار گریہ یہودیوں کے لیے مقدس ترین مذہبی جگہ ہے جسے ویسٹرن وال بھی کہتے ہیں۔ یہاں آ کر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر روتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ دھاڑیں مار کر روتے ہیں اس لیے کہ ان کے ہیکل اول و دوئم دونوں ہی تباہ ہو گئے تھے اور یہ دیوار انہی عبادت گاہوں کی نشانی کے طور پر باقی بچی ہوئی ہے۔ دعاؤں میں سب سے اول یہ ہے کہ اللہ پاک ہمارے لیے تیسرے ہیکل کی تعمیر کا انتظام کر دے۔ دیوار گریہ کے پتھروں کے درمیانی جگہوں و دراڑوں میں چھوٹے چھوٹے کاغذ ٹھونستے ہیں جن پر انہوں نے دعائیں لکھی ہوتی ہیں۔ اس خیال میں کہ اللہ رب العزت اس دیوار کے پیچھے ہی ان کے بہت قریب بیٹھا ہے۔ ان کی دعائیں سن رہا ہے اور کاغذوں پر لکھی ہوئی یہ دعائیں بھی وہ کسی دن نکلوا کر لے جائے گا اور انہیں شرف قبولیت بخشے گا۔ سنہری رنگت کے پتھروں کی یہ دیوار انہیں مسلمانوں کے حرم کعبہ کی طرح عزیز ہے کیونکہ 70ء میں رومیوں کے حملوں میں تباہ ہونے والے ہیکل دوئم کے احاطہ کی بیرونی دیوار ہی بچی ہوئی ہے گو کہ یہ ہیکل دوئم کی اپنی دیوار نہیں مگر اس کی بیرونی فصیل کا حصہ تو ہے۔

پچاس (50) میٹر لمبی اور انیس (19) میٹر اونچی بھاری پتھروں کی دیوار کا یہ ٹکڑا احاطہ بیت المقدس کی جنوبی فصیل بھی ہے اور یہ اس فصیل کا ٹکڑا ہے جسے بادشاہ ہیرڈ نے 19 قبل مسیح میں بنوایا تھا۔ تقریباً تب سے ہی یروشلم پر عیسائی اور مسلمان حکمرانوں کی عملداری رہی ہے۔ انگریز تو پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر آئے تھے۔ مگر سب نے اس دیوار کی حرمت کو برقرار رکھا اور اس کی تعظیم کی۔ دیوار گریہ کے دائیں ہاتھ پر بڑا سا لکڑی کا پل ہے جو کہ اطراف اور اوپر سے بند ہے۔ یہ غیر مسلم سیاحوں کو احاطہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ لے جانے کے لیے ہے کیونکہ غیر مسلم صرف اسی ایک راستے سے احاطہ اقصیٰ میں سیکورٹی چیک کے بعد داخل ہو سکتے ہیں۔ یہاں مٹی اور سیمنٹ کا ایک باقاعدہ پل ہوا کرتا تھا مگر 2004ء میں وہ گر گیا اور اسرائیلی حکومت نے عارضی طور پر یہ لکڑی کا پل بنا کر دیا تھا جو ابھی تک چل رہا ہے۔

ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہودی دیوار کے اس ٹکڑے کو ویسٹرن وال ہی کہتے ہیں۔ دیوار گریہ یا Wailing Wall کا نام عیسائی حکمرانوں نے صدیوں قبل تجویز کیا تھا اور یہودی لوگ اس کو قابل نفرت اور مضحکہ خیز

سمجھتے ہیں۔ اس لیے اکثر سیاح جب شہر قدیم میں آتے ہیں تو گائیڈ ان کو سمجھا دیتے ہیں کہ انہوں نے نام ویسٹرن وال ہی استعمال کرنا ہے کوئی اور نہیں۔ پس منظر اس کا یہ ہے کہ سلطنت روما کے عیسائی حکمرانوں (638ء - 324ء) نے یہودیوں کا یروشلم شہر میں داخلہ ممنوع قرار دیے رکھا تھا۔ یہودی صرف سال میں ایک تہوار Tisha Be-AV، یعنی اس دن کی یاد میں جس دن ان کے ہیکل تباہ ہوئے تھے، یروشلم میں آ سکتے تھے۔ اس دن وہ سب یہودی مل کر یہاں روتے تھے۔ آہ وزاری کرتے تھے تو عیسائیوں نے اس کو Wailing Wall کا نام دے دیا۔ ہم اردو دانوں نے بھی اس کا ترجمہ من وعن کر کے اس کو دیوار گریہ کر دیا۔ عثمانیہ دور حکومت میں پانچ سو سال تک اس کو Buraq Wall یعنی دیوار براق کہا جاتا رہا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریز حکمرانوں نے اس کو پھر سے دیوار گریہ کر دیا مگر 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد اس کو سرکاری طور پر ویسٹرن وال کر دیا گیا ہے۔

اسرائیل کی 1967ء جنگ سے قبل اس دیوار کو حرم شریف کے حصے کے طور پر وقف مسلم پراپرٹی ہی سمجھا جاتا رہا اور یہی حقیقت تھی اور یہ کہ یہاں مراکو کے آباد علاقے کے طور پر مراکن کمیونٹی ہی اس کے انتظام وانصرام کی ذمہ دار ہوا کرتی تھی۔ درج بالا جنگ کے صرف تین روز بعد ہی اسرائیلی افواج نے دیوار کے سامنے قائم صدیوں پرانی بستی کو یکسر بلڈوز کر کے چٹیل میدان کر دیا اور اس ویسٹرن وال کو آج کل دیکھی جانے والی شکل دے دی۔ ہاں مگر تاریخ میں یہ ضرور لکھا ملتا ہے کہ مسلمانوں کے عثمانیہ دور کے آغاز سے ہی یہودیوں کے لیے عبادت گاہ کے طور پر یہی جگہ مقدس و معتبر رہی ہے۔ انیسویں صدی کے کئی ادوار میں یہودیوں نے اس جگہ کو خریدنے کی کوششیں کیں مگر عثمانی حکمرانوں نے ان کی پیش کش کو کبھی بھی تسلیم نہ کیا تھا۔ بیسویں صدی میں اٹھنے والی صیہونی تحریک (Zionist Movement) کے دوران یہودیوں اور مسلمانوں کے مابین کشیدگی بڑھتی گئی۔ پرتشدد واقعات میں تیزی آتی گئی حتیٰ کہ سال 1929ء کے فسادات تو یروشلم کی تاریخ میں یاد رہیں گے کہ ان میں 133 یہودی جان گنوا بیٹھے تھے جبکہ 339 افراد شدید زخمی بھی ہوئے تھے۔

1948ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد مشرقی یروشلم پر اردن کا قبضہ ہوا تو بہت سے (بلکہ تقریباً سبھی) یہودی یہ علاقہ چھوڑ گئے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے مقبرہ کے اوپر کی منزل اور چھت سے بیت المقدس اور اپنی ویسٹرن وال کی طرف منہ کر کے عبادات کرنے کو ہی کافی سمجھتے تھے۔ ویسٹرن وال کی موجودہ شکل جون 1967ء کے بعد کی ترقی یافتہ صورت ہے۔

دیوار گریہ کی سرنگیں (Western Wall Tunnels): دیوار گریہ کے بائیں ہاتھ ایک کمرے کے سامنے سیاحوں کی ایک لمبی قطار اکثر دیکھنے کو ملتی ہے۔ جو اس دیوار کے ساتھ تازہ کھدی ہوئی سرنگوں کو دیکھنے والوں کی ہوتی ہے۔ اس کی بکنگ ایڈوانس میں ہوتی ہے اور ہر گھنٹہ میں اٹھارہ بیس سیاحوں کی ایک جماعت اندر جاتی ہے کیونکہ یہ مکمل گائیڈڈ ٹور ہوتا ہے اور سرنگیں تنگ، جہاں زیادہ آدمی چل نہیں سکتے۔ متعلقہ گائیڈ ہی آپ کو اندر لے کر جاتا ہے۔ اپنے کمرے میں لے جا کر آپ کو تاریخ کا ایک سبق پیش کرتا ہے اور پھر تقریباً اسی (80) منٹ سرنگوں میں گزرتے ہیں۔ چند منٹ بعد ہی آپ ویسٹرن وال کے سامنے ہوتے ہیں پھر ہیکل دوئم کے زمانے کے گھروں کے کھنڈرات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ پانی کے قدیم حوض، مسلمان حکمرانوں کی تعمیر وتوسیع کے نشانات، ہاسمن دور کے پانی کے راستے آپ کو ہزاروں سال پرانی تہذیب سے روشناس کراتے ہیں۔ یہ سرنگ 488 میٹر لمبی ہے پھر مزید کھدائی رک جاتی ہے حکومتوں کے مابین معاہدوں کی رو سے۔ مگر سیاح دیوار میں پیوست بڑے بڑے پتھر دیکھ کر حیران ضرور ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک پتھر چودہ (14) میٹر لمبا بھی ہے جس کا وزن اندازاً 570 ٹن بنتا ہے۔ اسی لیے تو یہ فصیل ہزاروں سال سے اسی طرح مضبوط ہے۔ سیاحوں کے لیے ایک بڑی اور سیدھی سرنگ ہی کھولی گئی ہے باقی چھوٹی شاخوں پر ابھی کام ہو رہا ہے۔ اس لیے ان میں نہیں لے جایا جاتا۔ یہ سرنگوں کا جال ہاسمن دور یعنی 116 - 140 قبل مسیح تک تو مان لیا گیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ قدیم ہو سکتا ہے مگر شواہد پر ابھی کام ہو رہا ہے۔ ان سرنگوں کی کھدائی انگریز ماہرین کی نگرانی میں انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہو گئی تھی مگر 1967ء کے بعد ان پر تیزی سے کام ہوا۔ اسی بڑی سرنگ میں ایک مقام یہودی زائرین کے لیے بہت متبرک مانا جاتا ہے

کیونکہ وہ جگہ اس قدیم سپاٹ کی نشاندہی کرتی ہے جہاں یہودیوں کا متبرک تابوت سکینہ دفن رہا جب تک کہ ہیکل اول و دوئم قائم رہے۔ اس جگہ ایک چھوٹا سا سناگاگ (عبادت گاہ) بھی بنایا گیا ہے جہاں یہودی حضرت مخصوص دعا کرنے آتے ہیں۔

اوفل پارک (Ophel Park): احاطہ حرم شریف کی جنوب مشرقی دیوار کے باہر کچھ بند دروازوں کے قدیم نشانات ملتے ہیں جنہیں حلدہ گیٹ کہا جاتا ہے۔ یہ بہت سے بند دروازوں کی نشاندہی ہے کہ کبھی یہ ہیکل اول اور دوئم کو آنے جانے والے راستے تھے۔ قدیم شہر کی فصیل سے متصلہ مگر باہر کی طرف ماہرین آثار قدیمہ نے کئی پرانے حوض، دکانوں کی موجودگی اور دوسری تعمیرات کو سطح زمین پر نکال کر رکھ دیا ہے جو کہ ہیکل اول کے دور یعنی تین ہزار سال پرانے تمدن کو آشکار کرتے ہیں۔ ڈنگ گیٹ سے ذرا اندر یہ تمام کھنڈرات اوفل پارک کے نام سے محفوظ کیے گئے ہیں۔ یہودی مذہبی کتابوں میں اور تورات میں بھی یہ جگہیں شہر داؤد علیہ السلام اور سماریہ (Samaria) سے متعلقہ بیان کی گئی ہیں۔

ایک بڑی حیران کن حقیقت کہ ان کھنڈرات کے درمیان واقع ایک احاطہ میں مسلمان طلبا کے گروہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے ہیں مگر عین اسی وقت ان کے تقریباً ساتھ ہی کھڑے ہوئے نوجوان یہودی اپنی تورات کی پڑھائی کر رہے ہوتے ہیں۔ سیاح تھوڑے پریشان ہوتے ہیں مگر پھر وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر اپنی اپنی مذہبی کتابوں کی تلاوت کرنے لگتے ہیں اور تمام ماحول یگانگت کی ایک مسحور کن فضا میں سانس لے رہا ہوتا ہے۔

انہیں کھنڈرات میں پندرہ سیڑھیاں بھی اوپر جاتی دکھائی دیتی ہیں جن کے ہر Step پر یہودی رک رک کر حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور میں سے الہامی نغمے (Psalms) گا رہے ہوتے ہیں جن کا ذکر پچھلے ابواب میں تفصیل سے کر دیا ہوا ہے۔

ہول میوزیم (Whol Museum): قدیم شہر یروشلم میں دیوار گریہ کے احاطہ میں سے ہی کچھ سیڑھیاں سیاحوں کو جیوش کوارٹر میں قائم دو چھوٹے چھوٹے میوزیم کے سامنے لے جاتی ہیں۔ یہ دراصل ہیکل دوئم کی تباہی کے دوران زمین بوس ہو جانے والے دو مکانوں کے کھنڈرات ہیں۔

ایک کو Burnt House کہتے ہیں جو گلی کی سطح سے تقریباً چھ میٹر نیچے ہے۔ یہ ایک پادری یا راہب کا گھر تھا جسے 70ء میں رومیوں نے یروشلم پر حملے کے دوران جلا دیا تھا اور اسے اسرائیلی حکومت نے 82 - 1969ء کی کھدائی کے دوران دریافت کیا۔ یہ پوری بستی بنیادی طور پر ان امراء اور راہبوں کی رہائش گاہیں تھیں جو ہیکل دوئم میں یا تو کسی خدمت پر مامور تھے یا ان کی انتظامیہ کے اراکین تھے۔ کھنڈر بذات خود اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ان کی رہائشیں عالی شان تھیں۔ سیاحوں کو بیس (20) منٹ دورانیے کی ایک ویڈیو دکھائی جاتی ہے جس میں ہیکل دوئم پر رومیوں کے حملے کی جذباتی عکاسی بہت اعلیٰ انداز میں پیش کی جاتی ہے۔ اگلے صفحات پر آپ کو تفصیل ملے گی کہ ہیکل اول و دوئم کیوں کر تباہ ہوئے تھے اور ان کے جواب بھی یہودیوں نے خود ہی تورات سے تلاش کیے۔ وہ دونوں کتبے دراصل اسی میوزیم کی سیڑھیوں پر آویزاں کیے ہوئے ہیں اور جنہیں ہر سیاح نیچے جاتے ہوئے اور اوپر آتے ہوئے نہایت غور سے پڑھتا ہے۔

برنٹ ہاؤس سے باہر نکلتے ہی سامنے ہول میوزیم کا دروازہ ہے۔ یہ بھی دو ہزار سال قبل تباہ ہوئے چند گھروں کے کھنڈرات ہیں جو باقاعدہ تین منزلوں پر محفوظ کیے گئے ہیں۔ ان کی تعمیر ہی اسی طرح ہوئی تھی یعنی نیچے والے گھروں کی چھت اوپر والے گھروں کا صحن ہوتی تھی۔ پاکستان میں اس قسم کے گھر اب بھی مری اور دوسرے پہاڑی علاقوں میں ملتے ہیں مگر یورپی سیاحوں کے لیے ممکن ہے کہ اچنبھے کی بات ہو۔ اس ہول میوزیم میں اسرائیلی حکومت نے چھ گھروں کے کھنڈرات محفوظ کر کے اپنی سیاحت کو ہی فروغ دیا ہے ورنہ تاریخی اعتبار سے ان کی اہمیت شاید زیادہ نہ ہو۔

کارڈو مارکیٹ (The Cardo): قدیم سلطنت روما کی روایت رہی ہے کہ وہ ہر بڑے شہر میں ایک کشادہ مارکیٹ بنوایا کرتے اور دکانوں کی پریڈ کے سامنے اونچے اونچے ستون، منقش و اعلیٰ ڈیزائن کے ساتھ بنوایا کرتے تھے۔ یروشلم میں بھی ان کا یہ فن تعمیر سر چڑھ کر بولتا ہے۔ رومن بادشاہوں نے اپنے تسلط کے دوران قدیم شہر میں جو کارڈو بنوایا وہ یوں تو باب العمود سے شروع ہو کر باب صیہون تک جاتا ہے مگر دو ہزار سالوں کی

دست بردنے ہر چیز جدید رنگوں میں رنگ دی ہے۔ اب جیوش کوارٹر میں دی کارڈو کے نام سے ایک قدیم مارکیٹ اور اس دور کے کچھ ستون قدیم یروشلم کی عظمت کی داستان سنا رہے ہیں۔ قدیم یروشلم میں دوسری صدی عیسوی کے دوران بنائی گئی وہ گلیاں اب بھی انہی پتھروں کے ساتھ مسلسل مستعمل ہیں اور لوگ اسی طرح یہاں چلتے پھرتے ہیں جیسے یہ کل کی بات ہو۔ تب یہ روم کے شاہ ہیڈرین نے بنوائی تھیں۔ ہاں مگر چھٹی صدی عیسوی میں اس کارڈو کو بازنطینی حکمرانوں نے جنوب کی طرف زیادہ بڑھا دیا تھا۔ اٹھارہ سو سال قبل کی طرح یہ آج بھی مصروف ترین کمرشل پلازہ ہے۔ صلیبی حکمرانوں کے دور میں بنوائی گئی ایک عالی شان Covered Market اب بھی جدید فیشن کے ملبوسات کے لیے مشہور ہے۔

محفوظ کیے گئے اس کارڈو کے کالم اب بھی سیاحوں کے لیے پر کشش ہیں۔ سرخ منقش چھت کے کچھ حصے دیکھ کر حیرانگی بھی ہوتی ہے۔ اسی میں ایک فرانسیسی جدید آرٹ کا ادارہ بھی کام کر رہا ہے۔ کچھ ستونوں کو دوبارہ سے پرانی طرز پر ہی مرمت کیا گیا ہے۔ ان ستونوں کے ساتھ خالی جگہ پر کبھی کبھار فن کاروں کے گروہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں جو کہ پرانے لباس اور اصلی Theme کے ساتھ دی کارڈو کی عظمت کو سلام پیش کرتے ہوئے سیاحوں کو محظوظ کر رہے ہوتے ہیں۔

حروا سنا گاگ (Hurva Synagogue): سولہویں صدی عیسوی میں یہودیوں کی ایک جماعت نے ترک فرمانرواؤں سے ایک قطعہ زمین یروشلم میں سنا گاگ یعنی اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنے کے لیے حاصل کیا۔ انہوں نے یہ عبادت گاہ بنا تو لی مگر بہت ہی مالی دشواریوں کے بعد اور وہ بھی نامکمل رہی۔ قصہ مختصر یہودیوں کی یہ عبادت گاہ دسیوں بار گرائی گئی اور بنائی گئی۔ ان کے اپنے ہی گروہ اور فرقے اس میں تبدیلیاں لاتے رہے حتیٰ کہ 1864ء میں وہ مکمل ہو ہی گئی اور اس میں ساڑھے چار سو (450) افراد کے عبادت کرنے کی گنجائش تھی۔ تب ہی اس کا نام حروا رکھا گیا یعنی Ruins۔

یاد رہے کہ حروا سنا گاگ کا ڈیزائن سلطنت عثمانیہ کے سرکاری معمار اسد آفندی نے بنایا تھا اور اسی کو اس کی تعمیر کا انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ آفندی نے اس کی ڈرائنگ میں بازنطینی طرز کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔ مختصراً یہ کہ چار بڑے ستونوں پر ایک بہت بڑا گنبد مناسب سمجھا گیا مگر تب یہودی قوم تمام مل کر بھی اس کی صرف ایک طرف کی دیوار ہی مکمل کر سکے تھے۔ فرش سے گنبد کی آخری اونچائی چوبیس (24) میٹر ڈیزائن کی گئی۔ جبکہ یہودی صرف بارہ میٹر ہی کی تعمیر تک مالی طور پر کنگال ہو چکے تھے۔ ابھی بارہ کھڑکیاں اور اس کے گرداگرد برآمدہ کی تمام تعمیرات باقی تھیں۔ لیکن جب 1864ء میں یہ عبادت گاہ مکمل ہوئی تو بلاشبہ یہ یروشلم کی بلکہ دنیائے عرب کی خوبصورت ترین عمارت بن کر ابھری تھی۔ مگر 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران کسی نے اس پر دو سو (200) لٹر پٹرول ملا دھماکہ خیز سیال مادہ پھینک کر آگ لگا دی تھی اور چشم زدن میں چوراسی سال (84) پرانی عبادت گاہ ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ 1967ء کی جنگ کے بعد اسرائیل نے فوراً ہی یہ عبادت گاہ پھر سے تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا۔ بیت المقدس کی طرح اب کی بار اس سنا گاگ کے گنبد کو بھی سولہ ستونوں پر کھڑا کر کے اسی طرح کی جزئیات اس میں سمونے کی کوشش کی گئی تاکہ مسلمانوں کے ساتھ مقابلے کی فضا پیدا کی جا سکے۔ وہ تو بھلا ہو یروشلم کے اس وقت کے مئیر کولک (Teddy Kollek) کا کہ اس نے حروا کے ڈیزائن کو بیت المقدس کی طرح رکھنے پر اتفاق نہیں کیا بلکہ مخالفت کر کے اس پلان کو دفن کر دیا۔

1977ء میں حروا کا نیا ڈیزائن بنوایا گیا جو زیادہ تر 1864ء کے حروا کے خدوخال سے مطابقت رکھتا تھا اور چند ماہ میں ہی دوبارہ اس کو اسی نقشے پر تعمیر کر لیا۔ ہاں مگر اس بار اس کا سائز کم رکھا گیا یعنی صرف ڈھائی سو (250) افراد کی عبادت کی گنجائش رکھی گئی۔ اب کی بار عبادت گاہ کے ساتھ ایک چھوٹے سے لان میں تباہ شدہ سنا گاگ کے نشانات بھی محفوظ کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی ایک راستہ براہ راست دیوار گریہ تک لے جایا گیا ہے جسے رسولوں علیہم السلام کا راستہ کہا گیا۔ اسی حروا کو آج سیاح دیکھتے ہیں اور یہودی اس میں عبادت کرتے ہیں۔

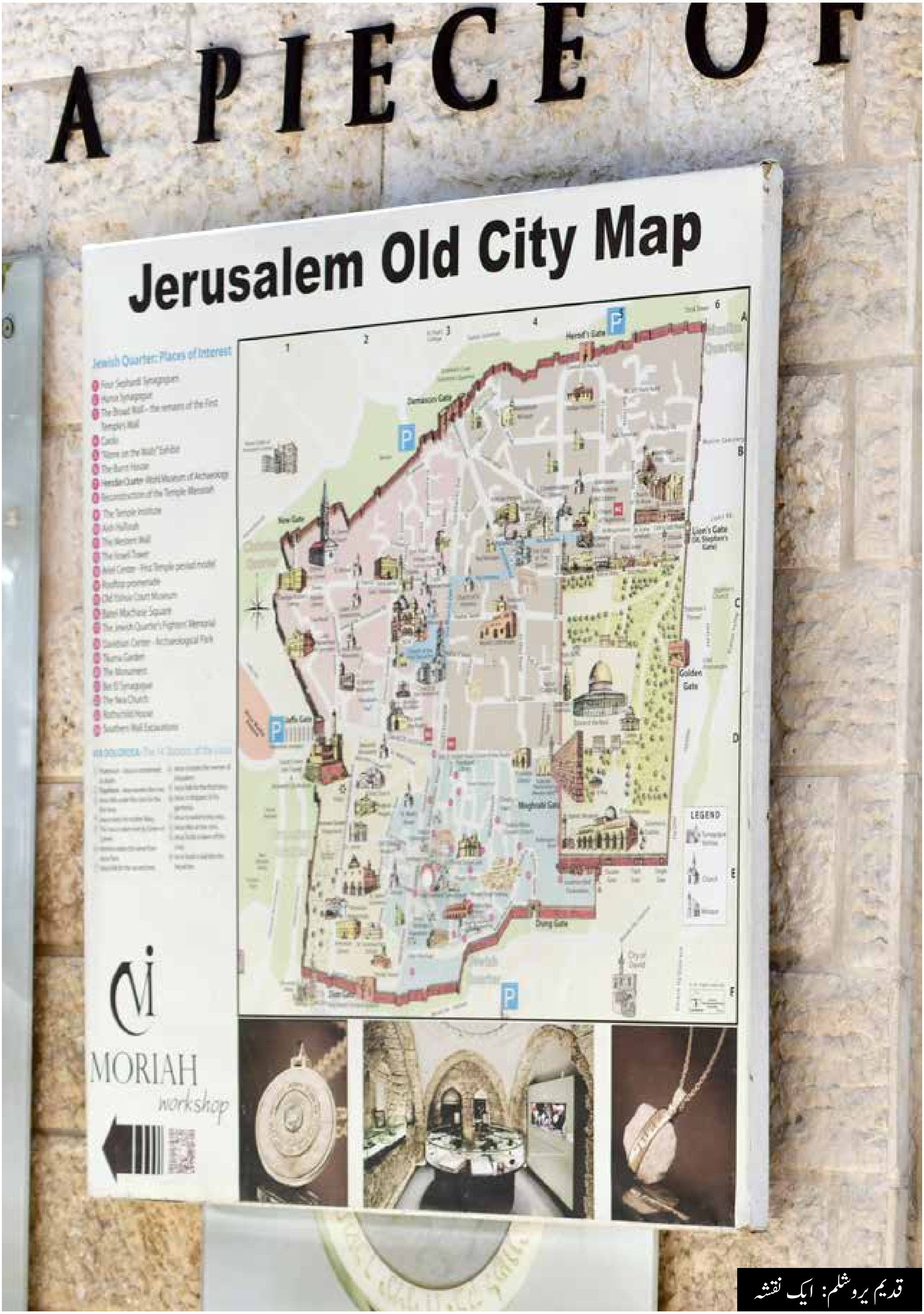

قدیم یروشلم: ایک نقشہ

مسلم کوارٹر سے دیوار گریہ کا راستہ

جیوش کوارٹر سے دیوار گریہ کا راستہ

دیوار گریه

دیوار گریه

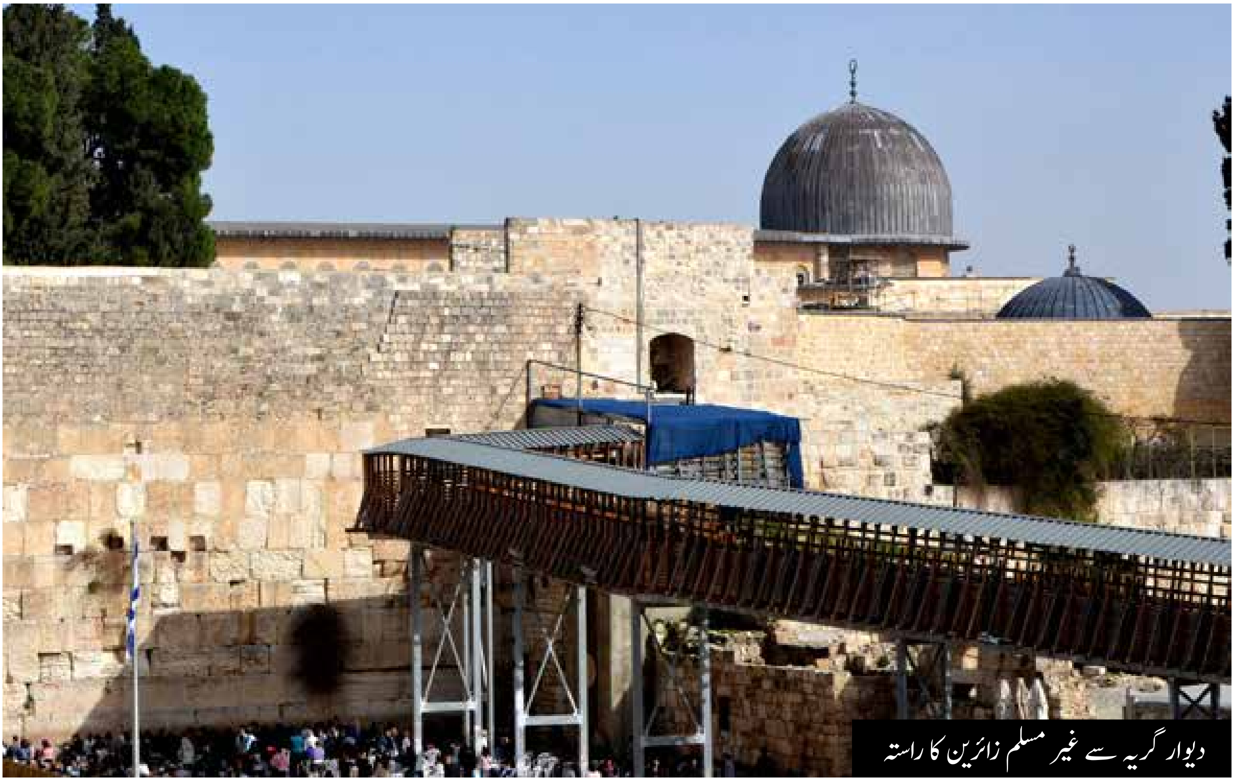

دیوار گریہ سے غیر مسلم زائرین کا راستہ

تباہ شدہ راستے کے کھنڈرات

دیوار گریہ سے سنہری گنبد کا نظارہ

دیوار گریہ کی سرنگیں

چودہ میٹر لمبا ایک ہی پتھر

470 ٹن وزنی پتھر

یہودیوں کی عبادت گاہ بنام حروا

عبادت گاہ: اندرونی منظر

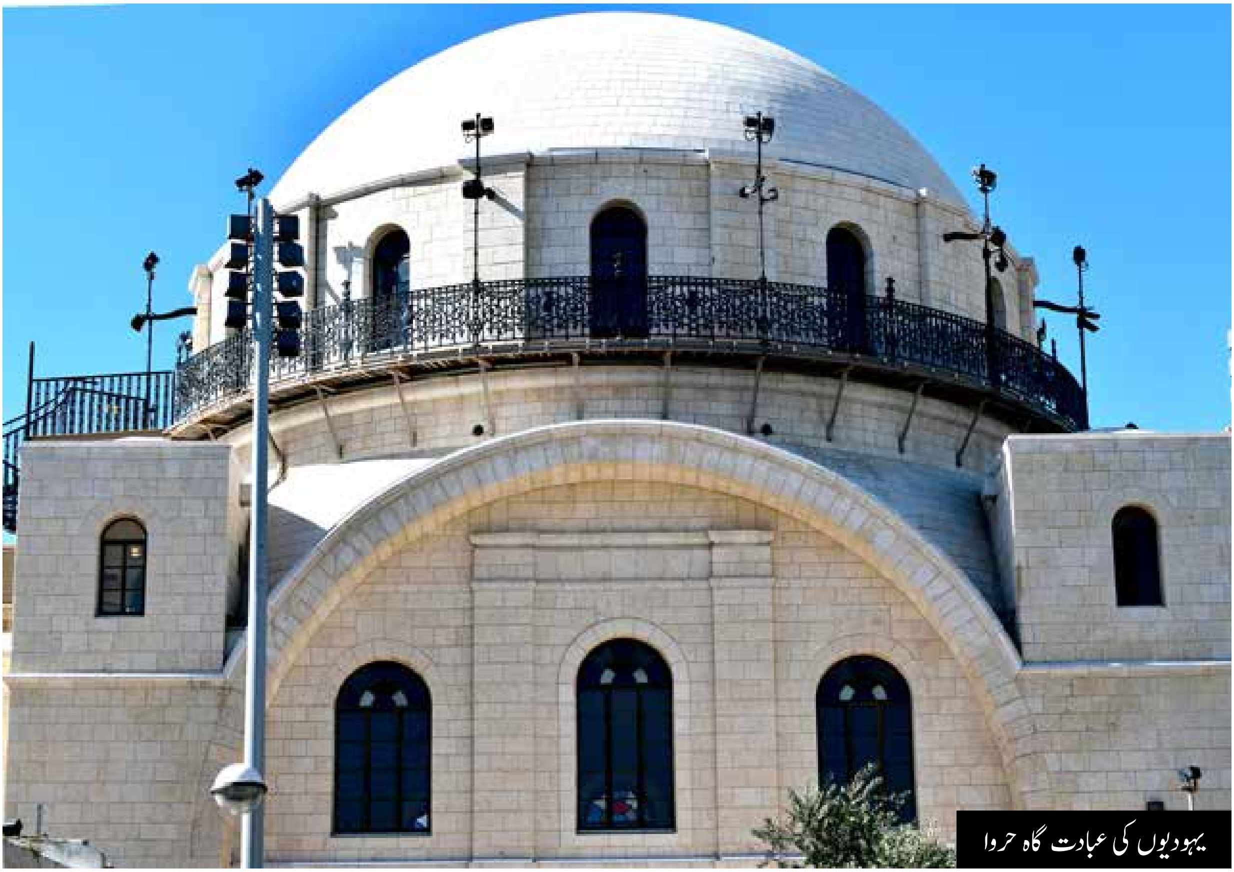

یہودیوں کی عبادت گاہ حروا

دی کارڈو کے کھنڈرات

دوہزار سال قبل کی کارڈو مارکیٹ

دی کارڈو میں ایک آرٹ

ہیکل دوم کا ایک ستون

ہیکل دوم کے دور کے کھنڈرات

تباہ شدہ ”برنٹ ہاؤس“

ہیکل دوم کے دور کی رہائش گاہیں

دی کارڈو کے کھنڈرات

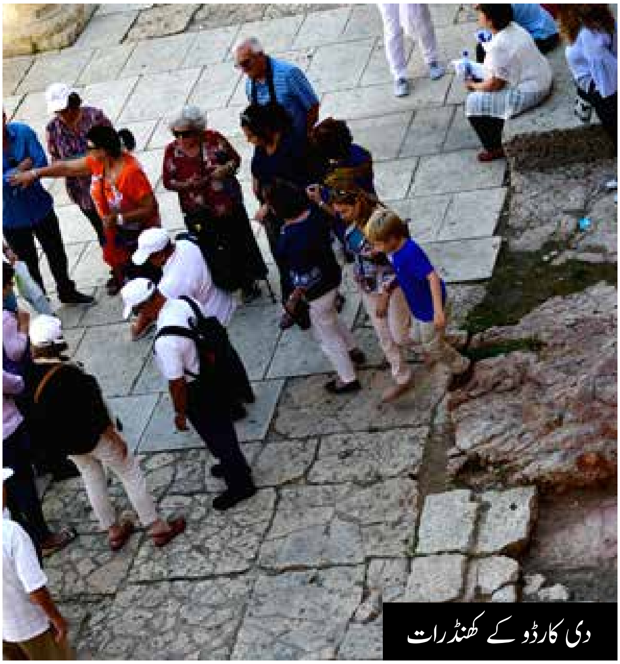
دی کارڈو کے کھنڈرات

گیہون چشمے کا تالاب

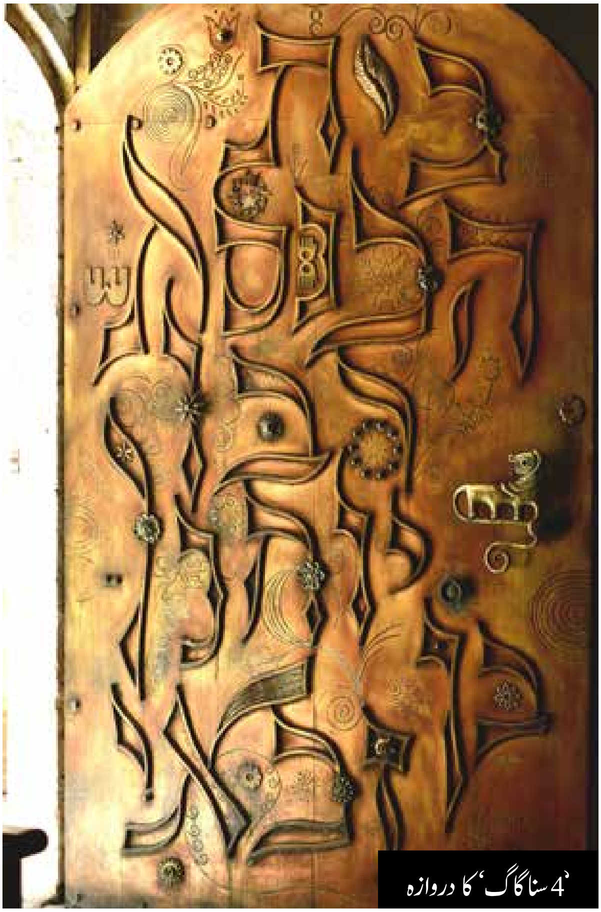

‘4 سناگاگ’ کا دروازہ

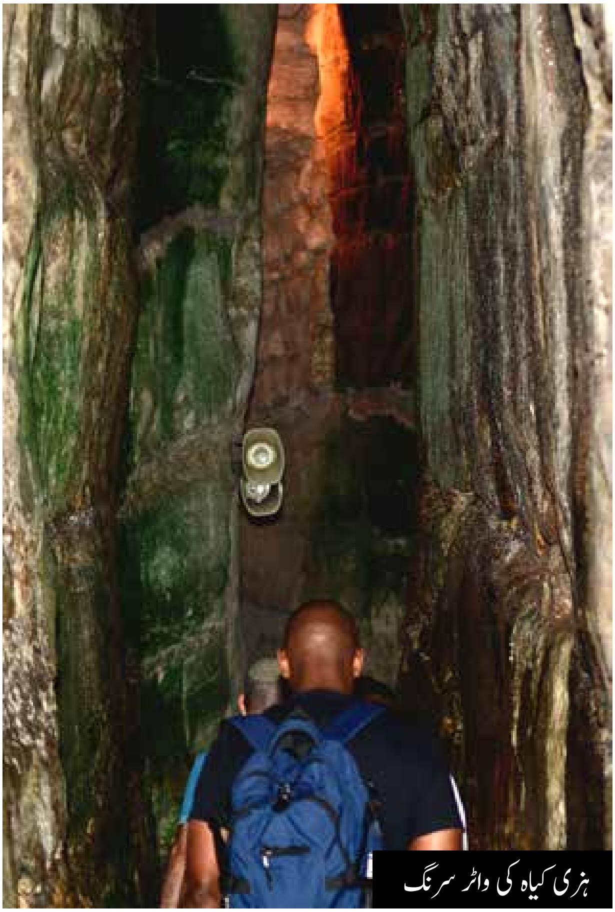

ہزی کیاہ کی واٹر سرنگ

ہیکل اول و دوئم کیوں تباہ ہوئے

دنیا بھر کی تاریخ اس بات پر متفق ہے کہ یہودیوں کا ہیکل اول 375 سال تک قائم رہا یعنی 960 قبل مسیح سے لے کر 586 قبل مسیح تک۔ان کا ہیکل دوئم 516 قبل مسیح سے لے کر 70ء تک یعنی کل 586 سال تک عبادت کا مرکز بنا رہا۔اسی جگہ پر مسلمانوں کا بیت المقدس پچھلے 1326 سال سے مرجع خلائق ہے اور اس کے پہلو میں مسجد اقصیٰ لگ بھگ 1305 سال سے مسلسل اور متبرک سجدہ گاہ ہے اور مسلم امہ کی یہ دونوں عمارات دنیا کے سب لوگوں کے لیے روشنی کے مینار، رحمتوں کے نزول کا مرکز، ہمہ وقت بابرکت اور یکساں طور پر واجب الاحترام قرار پائے ہوئے ہیں۔

اپنی مذہبی کتب کے حوالے سے یہودیوں کا ایمان ہے کہ احاطہ بیت المقدس یعنی حرم شریف میں جہاں آج کل سنہری گنبد واقع ہے، وہیں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہیکل اول قائم رہا ہے جو کہ تقریباً ایک ہزار قبل مسیح میں تعمیر ہوا تھا۔ جسے سرزمین بابل (آج کل کا عراق) کے فرمانروا بخت نصر دوئم نے تباہ کر دیا تھا۔انجیل کی کتاب (2 Kings 24:13) کے مطابق بخت نصر نے یروشلم پر پہلا حملہ 598 قبل مسیح میں کیا تھا۔تباہی تو بہت کی مگر ہیکل اول محفوظ رہا تھا۔دوبارہ اس نے 587 قبل مسیح میں یروشلم کا محاصرہ کیا اور اڑھائی سال کی مزاحمت کے بعد بالآخر وہ فصیل شہر میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔تب اس نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہیکل اول بھی تباہ کر دیا۔ یہودی اسی دن کا سوگ اپنے عبرانی کیلنڈر کے مطابق 9th day of AV کو کیا کرتے ہیں اور یہ دن آج بھی اتنے ہی افسردہ و غمگین طریقے سے گزارا جاتا ہے۔ پھر تقریباً ستر (70) سال بعد، یعنی 536 قبل مسیح سے 516 قبل مسیح کے درمیان بالکل اسی جگہ پر ہیکل دوئم تعمیر کیا گیا تھا گو کہ اس کا سائز کم تھا۔اس ہیکل دوئم کی تعمیر ان یہودیوں نے کی تھی جن کو نحمیاہ نے بابل کے علاقوں سے واپس بلوا لیا تھا۔یاد رہے کہ بخت نصر نے جب یروشلم پر چڑھائی کر کے ہیکل اول تباہ کیا تھا تو ساتھ ہی یہودیوں کو اس خطہ سے نکال دیا تھا اور ان میں سے بیشتر کو بابل کی طرف دھکیل دیا تھا جہاں وہ غلام بن کر زندگی گزار رہے تھے۔ پانچ سو سال بعد 19 قبل مسیح میں رومن شہنشاہ یا کمانڈر ہیرڈ نے ہیکل دوئم کو تقریباً از سرنو تعمیر کیا، اس کو وسیع کیا، تزئین آرائش کی اور ارد گرد کے علاقوں کو بھی ترقی دی۔ ہیرڈ (Herod) کے دور میں لگ بھگ دس ہزار افراد اس توسیعی منصوبے پر کام کرتے رہے۔تب احاطہ حرم شریف کا رقبہ بھی 34 ایکڑ تک پھیلا دیا گیا تھا۔ ہیرڈ نے قدیم زیارات یعنی یروشلم کے مرکزی علاقے کے گردا گرد ایک اونچی فصیل بھی بنوا دی تھی تا کہ شہر بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہے۔

4 قبل مسیح میں ہیرڈ دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا اور انہی سالوں میں یعنی تقریباً 35 سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی احاطہ مقدس کے قریب صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔قرآن مجید میں یہودیوں کی ان دونوں عبادت گاہوں کی تباہی کی طرف واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے۔قرآن پاک کے باب 17 (سورۃ الاسراء) کی پہلی آیت میں حضور نبی کریم ﷺ کو مسجد اقصیٰ کی طرف لے جانے کا ذکر ہے تو آیات 8 - 2 میں خدائے بزرگ و برتر نے واضح کر دیا کہ بنی اسرائیل کے لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود سے بہت آگے نکل گئے تھے۔پس زیادہ طاقتور لوگوں کو انہیں سبق سکھانے کے لیے بھیج دیا گیا۔ زیادہ طاقتور لوگوں سے مراد پہلی بار اہل بابل (Babylonians) تھے اور دوسری بار رومن جنگجو تھے اور اسی لیے حضور نبی پاک ﷺ کو وہاں لے جایا گیا تھا تا کہ آپ ﷺ اپنی آنکھوں سے دو ہیکلوں کی تباہی ملاحظہ کر سکیں اور اپنی امت کو بتا سکیں کہ جب اللہ پاک کسی قوم سے ناراض ہوتا ہے تو ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

دوسری آسمانی کتابوں میں بھی یہودیوں کی دو عبادت گاہوں کی تباہی کا منظر اور ان کا ذکر کم و بیش اسی طرح کیا گیا ہے مگر الفاظ ذرا مختلف استعمال ہوئے ہیں۔ یہودیوں کی مقدس کتاب تلمود (Talmud) کے Yoma 9b میں یہ مکالمہ لکھا ملتا ہے کہ

ہیکل اول کیوں تباہ ہوا:

اس لیے کہ بنو اسرائیل کے قبائل میں تین بنیادی بڑی برائیاں روزمرہ کا معمول بن گئی تھیں۔یعنی بتوں کی پرستش، بے حیائی اور قتل عام۔

ہیکل دوئم کیوں تباہ ہوا:

اس لیے کہ بنو اسرائیل کے قبائل میں بے وجہ نفرت، آخری حدوں تک سرایت کر چکی تھی اور خدائے واحد نے اس بے وجہ نفرت کو

اوپر بیان کی گئی تین بنیادی بڑی برائیوں کے ہم پلہ قرار دیا تھا۔

قدیم یروشلم میں حرم شریف اور اس کے گردونواح یہودیوں اور مسلمانوں کے لیے یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور واجب الاحترام بھی کیونکہ یہ جگہ بہت سے نبیوں علیہم السلام کی آماجگاہ رہی ہے۔ اسلامی تاریخ میں یہ حوالے بھی ملتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہیکل اول کی تعمیر سے بھی تقریباً ایک ہزار سال قبل یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے سب سے پہلی عبادت گاہ بنائی تھی جس میں ایک خدا کو ماننے کی تعلیم وتلقین کی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے لیے یہ جگہ اس لیے معتبر و متبرک ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں سے معراج کے سفر کی ابتدا کی تھی۔ مگر آج کی تاریخ بہت مختلف ہے۔ جون 1967ء میں اسرائیل نے اردن کی افواج پر حملہ کے بعد مشرقی یروشلم پر اختیار حاصل کر لیا تھا اور تب سے حرم شریف کے احاطہ جات اور دوسرے مقدس مقامات اسرائیلی کے ہی سیاسی کنٹرول میں ہیں۔ حکومت اسرائیل اس کو ایک یروشلم منصوبہ کا حصہ سمجھتی ہے جب کہ فلسطینی مسلمان اور ان کی حکومت مشرقی یروشلم پر قبضہ کو غاصبانہ اقدام قرار دیتی ہے۔ یاد رہے کہ اقوام متحدہ (UNO) کے ریکارڈ اور اس کی قراردادیں بھی مشرقی یروشلم کو فلسطین کا ہی حصہ قرار دیتی ہیں۔ گو کہ حرم شریف کا انتظام مسلم وقف کے پاس ہی ہے مگر انہیں بھی اسرائیلی حکومتی پالیسی کے تحت کام کرنا پڑتا ہے اور دونوں ایک دوسرے پر گہری نظر رکھے ہوئے روزمرہ کے معاملات نمٹاتے ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ عیسائیت دراصل یہودی مذہب سے ہی پیدا کی گئی مگر عیسائی لوگ بیت المقدس، اس کی تہہ میں موجود موریاہ پہاڑی یا ان سے منسلک دیگر زیارات پر اپنا حق نہیں جتاتے ہاں مگر اس کا برابر احترام اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ایک خدا کے ماننے والوں کی عبادت گاہ ہے۔ عیسائیوں کے قدیم راہب یہ پرچار کرتے ہیں کہ تمام جگہ مقدس ضرور ہے مگر بیت المقدس کا سنہری گنبد خاص اہمیت کا حامل نہیں۔ مگر عملی طور پر تمام عیسائی اس گنبد کا احترام بھی کرتے ہیں اور اس کی روحانیت کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔

جب سے ہیکل دوئم کی تباہی ہوئی تب سے یہودیوں کی روزانہ کی دعاؤں میں سب سے اہم یہ دعا ہے کہ کب اللہ کریم ان کے لیے تیسرے ہیکل کی تعمیر کا وسیلہ اور سامان مہیا کرے گا۔ ان کے لیے احاطہ حرم شریف کی تاریخ تین ہزار برس قبل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ ان کی مذہبی کتابوں خصوصاً عہد نامہ عتیق کی کتاب پیدائش میں جس موریاہ پہاڑی (Mount Moriah) کا ذکر ہے وہ سنہری گنبد کا احاطہ ہی تو ہے۔ قدیم بائبل میں بھی یہی ذکر ہے کہ کس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ہزار قبل مسیح میں اس علاقے کو فتح کر کے یہاں اپنی حکومت کا صدر مقام بنایا اور تب اس کا نام بھی یروشلم رکھا گیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا شاہی محل بھی قریب ہی تعمیر کیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کس طرح ہیکل اول تعمیر کیا اس کی تفصیل بھی انہی آسمانی کتابوں سے ملتی ہے مگر یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر بنجامین قیدار (Benjamin Kedar) کہتا ہے کہ

> ہمارے پاس ابھی بھی ہیکل اول کی تعمیر کی تفصیل نہیں کیونکہ اس دور کے مصدقہ کھنڈرات ابھی تک دریافت نہیں ہوئے ہیں۔ ہماری تمام تحقیق قدیم تورات وانجیل مقدس کی کتابوں میں درج واقعات کو جوڑ کر اس عبادت گاہ کا تعین کرنے تک ہی محدود ہے۔

رومن بادشاہ ہیرڈ نے اس احاطہ میں بہت کام کرایا۔ اس نے چھوٹی پہاڑیوں کے درمیانی فاصلوں کو مٹی سے بھر دیا تھا تاکہ ایک وسیع میدان بن سکے۔ مقدس زیارات کی حفاظت کے لیے اسے کہیں کہیں ایک سوفٹ دیوار بھی اٹھانی پڑی تھی اور یوں یہودیوں کے ہیکل دوئم کو اس نے انتہائی قیمتی اثاثہ بنا دیا تھا۔ مگر چھ دہائیوں کے بعد حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ 66ء میں یہودہ صوبہ کے یہودیوں نے اپنے رومن آقاؤں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس وقت کے شاہ روم نیرو (Nero) نے اپنے کمانڈر وسپاسیان (Vespasian) کے زیر کمان ایک دستے کو اس بغاوت کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اس نے دو سال کے اندر اندر اس بغاوت سے تو نبٹ لیا مگر تب تک تمام رومن افواج اور کمانڈر یروشلم کے شہر پر قبضہ کرنے کا پلان بھی بنا چکے تھے۔ 68ء میں نیرو بادشاہ دنیا سے چل بسا۔ روم میں افراتفری پھیل گئی تو اسی دوران وسپاسیان نے خود کو بادشاہ کہلوانا شروع کر دیا اور واپس روم چلا گیا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کے بیٹے ٹائٹس (Titus) نے فوجوں کی کمان سنبھالی اور یروشلم پر حملہ کر دیا۔ 70ء میں وہ یروشلم کی فصیل

میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ بس پھر کیا تھا، تباہی کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور دیوار میں سے تو آج کل کی دیوار گریہ کا ہی کچھ حصہ باقی بچا تھا جو آج بھی یہودیوں کی اولین عبادت گاہ ہے۔

یوں کمانڈر ٹائٹس نے ہیرڈ بادشاہ کی دیوار کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تباہ کر دیا۔ اوپر کی سطح سے بڑے بڑے پتھر جب نیچے گرائے گئے تو انہوں نے فصیل اور ہیکل دوئم کی دیواروں کے نچلے حصوں تک رسائی مسدود کر دی۔ دیوار کے یہی نچلے حصے جب بعد کے ادوار میں نکال لیے گئے یا آشکار ہوئے تو یہودیوں نے اس حصے کو دیوار گریہ کا نام دے کر ہیکل دوئم کی باقیات کے طور پر مقدس مان لیا اور یہ تعظیم و تکریم ابھی تک ان کے مذہب کی جان ہے۔

عیسائی لوگ اس لیے بھی حرم شریف یا سنہری گنبد پر اپنا حق نہیں جتلاتے کیونکہ ان کی مذہبی حکومت بازنطینی اور صلیبی جنگ کے فرمانرواؤں کی شکل میں بمشکل تین سو سال پر محیط رہی جبکہ مسلمان یہاں سترہ (17) صدیوں سے رہ بھی رہے ہیں اور حکومت بھی کرتے رہے ہیں۔ دیوار گریہ کے سامنے 1948ء تک افریقی اور عربی بستیاں آباد رہیں مگر پھر آہستہ آہستہ ان گھروں کو گرایا گیا۔ 1967ء کے بعد تو اس جگہ پر بلڈوزروں کے ساتھ صفائی کی گئی تاکہ یہودیوں کو دیوار تک رسائی اور عبادت کے لیے کھلا میدان مہیا کیا جا سکے۔ یہ پوزیشن ابھی تک برقرار ہے۔

رومن افواج جب شہر یروشلم میں داخل ہوئیں تو پھر مکمل تباہی کی تصویر سامنے آئی، ہیکل دوئم تو بالکل ہی تباہ کر دیا گیا تھا، جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔ ہزاروں یہودیوں کو قتل کر دیا گیا، ہزاروں کو غلام بنا کر مصر کی کانوں میں کان کنی کے لیے مزدوری کرنے بھیج دیا گیا۔ بلکہ کچھ یہودیوں کو رومن افواج کی تفریح کے لیے ذبح کر دیا جاتا رہا اور یہ سلسلہ 73ء تک چلتا رہا۔ یہودیوں کی سب سے آخری آماجگاہ بستی بحرہ مردار کے قریب مسادہ (Masada) تھی جسے سب سے آخر میں زیرنگیں کیا گیا تو تمام خطے پر رومنوں کا مکمل تسلط قائم ہوگیا تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت ہی پرانے یہودی اس امر کے سخت خلاف ہیں کہ اسرائیل کی حکومت یا کوئی اور ادارہ احاطہ حرم شریف کے قریب علاقوں میں کھدائی کر کے یہودیوں کی دونوں قدیم عبادت گاہوں کا کھوج لگانے کی کوشش کرے۔ ان کے خیال میں مذہبی کتابوں میں موجود تاریخ کو زیادہ مسلّم سمجھا جانا چاہیے بجائے اس کے کہ اینٹ گارے کی عمارت کی تلاش میں عمر ضائع کی جائے اور یہود و مسلم جھگڑوں میں زیادہ الجھاؤ پیدا کیا جائے اور واقعتاً یروشلم میں یہ قضیہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ کوئی کہیں چھینک بھی مارے تو اسے امن عامہ میں خلل قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسرائیل و فلسطین دونوں حکومتیں اس امر پر متفق ہیں کہ مزید کھدائی نہ کی جائے اور یروشلم شہر کی تہیں اسی طرح برقرار رکھی جائیں تاکہ سیاح حضرات کو حیرانگی مہیا ہوتی رہے۔

تابوت سکینہ: یہودیت کے مذہبی اوراق میں ایک ایسی چٹان کا ذکر بھی ملتا ہے جس میں ایک سوراخ ہے اور اس سوراخ سے روشنی اس چٹان کے نیچے ایک غار میں جاتی ہے۔ یہودی علما اس کی تشریح کرتے ہوئے اس چٹان کا تعین کرتے ہیں جو بیت المقدس کی مرکزی زیارت ہے اور اس میں ایک Well of Souls ہی وہ سوراخ ہے جسے مسلمان برالارواح (Bir Al-Arwah) کہتے ہیں۔ یہودیوں کے خیال میں یہ غار ہی وہ جگہ ہے جہاں ان کا وہ متبرک تابوت سکینہ دفن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے کپڑے، جوتے، عصا اور تورات کے اوراق موجود تھے اور جن کا ذکر قرآن پاک کے باب دوئم (سورۃ البقرہ، آیت: 248 - 247) میں بھی ملتا ہے۔ اسی تابوت سکینہ (Ark of the Covenant) میں مشہور خدائی آیات Ten Commandments بھی موجود ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر صحرائے سینا کے کوہ طور پر چودہ سو (1400) قبل مسیح میں نازل ہوئی تھیں۔ یہودی و عیسائی احباب ایمان رکھتے ہیں کہ اس تابوت اور دس احکامات کی تپائیوں میں بے پناہ پراسرار قوتیں جمع ہیں۔ مگر تاریخ دان یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہیکل اول کی تباہی کے بعد کسی کو اب تک یقین نہیں کہ وہ تابوت یا دس احکامات کی تپائیاں (Tablets) کہاں ہیں اور یہ ماہرین آثار قدیمہ کے لیے صدیوں سے چلا آیا ایک معمہ ہے جو ہنوز حل طلب ہے۔

دس احکامات (Ten Commandments) کیا ہیں۔ یہ وہ خدائی احکامات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے مگر عیسائی بھی ان کو اسی

طرح مقدس مانتے ہیں۔ یہ احکامات پوری انسانی زندگی کی اخلاقیات کا احاطہ کرتے ہیں اور ان کی عبادات کی اولین ضروریات بھی قرار پاتے ہیں۔ مثلاً پہلے حکم میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا اور بت پرستی سے باز رہنا ہے۔ پھر باقی احکامات میں پڑوسیوں کے حقوق، والدین کی عزت، قتل، چوری، بدکاری، بددیانتی اور ناجائز خواہشات سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مختلف مذہبی گروہ ان کی تشریح مختلف انداز میں کرتے ہیں مگر سب کا مقصد ایک ہی ہے اور یہی احکامات ہمارے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں بہت واضح انداز میں مذکور ہیں۔ انجیل مقدس کی دونوں کتابوں، خروج اور استثنا میں ان احکامات کا ذکر ملتا ہے۔

یہودیوں کے کئی گروہوں میں اس امر پر اختلاف ہے کہ کیا واقعی Holy of the Holies یعنی دس احکامات کی تپائیوں والا صندوق احاطہ بیت المقدس میں ہی دفن ہے مگر بہت سے لوگ تورات کے حوالے سے ان کے مقدس مجموعہ کتب (Tanakh) کا ذکر کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ Tanakh یہودیوں کی چوبیس (24) مقدس کتابوں کا مجموعہ ہے اور تورات کی پانچ کتابیں اسی مجموعہ کا حصہ ہیں۔ ہاں مگر وہ خدا کو یکتا اور واحد اور مکمل مانتے ہیں۔ عیسائیوں کی طرح تثلیث پر یقین نہیں رکھتے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب یا رب کا بیٹا مانتے ہیں۔ جس طرح مسلمان مساجد میں انفرادی و اجتماعی عبادات کرتے ہیں اسی طرح یہودی بھی سنا گاگ (Synogogue) میں عبادات کرتے ہیں مگر یہ لوگ سجدہ میں نہیں جاتے بلکہ تورات مقدس کی اور دوسری مذہبی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ ان کی اجتماعی عبادت کے لیے دس افراد کا جمع ہونا افضل خیال کیا جاتا ہے مگر مسلمانوں میں دو افراد بھی ہوں تو نماز کے لیے جماعت کھڑی ہوسکتی ہے۔ یہودی خنزیر کا گوشت بالکل ہی نہیں کھاتے اور مسلمانوں کی طرح ہر یہودی مذکر بچے کے ختنے پیدائش کے آٹھویں روز لازمی خیال کیے جاتے ہیں۔ تورات صرف عبادات کی کتاب ہی نہیں بلکہ یہودیوں کے لیے مکمل ضابطہ حیات اور قانون بھی ہے جس میں کل چھ سو تیرہ (613) احکامات ہیں۔ ہر یہودی کو مذہب کا پابند کیا جاتا ہے۔ پس تورات ان کی عبادت بھی ہے، قانون بھی، تعلیم و تربیت کا منبع بھی اور تہذیب (Culture) بھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین و ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا خدا، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھی خدا تھا اور ہم انہی کی تعلیمات کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔

تورات اب بھی قدیم زمانوں کی طرح عبرانی زبان میں چرخیوں پر لپٹے کپڑے یا کاغذ (Scroll) پر لکھی جاتی ہے۔ عبادت کے طور پر تورات کے کسی باب کی تلاوت تین دنوں میں ایک بار لازمی اور اجتماعی طور پر کیا جانا بھی ضروری ہے۔ یہ طریقہ کار وہی ہے جیسے عیسائیوں میں Sunday Prayer اور مسلمانوں میں جمعہ کے اجتماع میں اختیار کیا جاتا ہے۔

واپس چلتے ہیں تابوت سکینہ کی طرف: تابوت سکینہ مسلمانوں کے لیے بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے جس قدر عیسائیوں یا یہودیوں کے لیے۔ تفصیل کے لیے قرآن پاک میں اوپر دی گئی آیات کا حوالہ ہی کافی ہے۔ مگر آج کل یہ تابوت کہاں ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے لندن کے ایک بڑے اخبار ڈیلی میل کی اشاعت مورخہ پانچ دسمبر 2011ء ملاحظہ کیجیے۔ جس کے مطابق تابوت سکینہ اور دس احکامات کی تپائیاں آج کل افریقی ملک ایتھوپیا میں ایک قصبہ اکسیوم (Aksum) کے سینٹ میری چرچ کے ساتھ بنی ایک عبادت گاہ جس کو Church of the Tablets کہا جاتا ہے، میں موجود ہیں۔ مصر اور شمالی افریقہ کے قدیم عیسائی (Orthodox Church) یہ ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک بیٹے جن کا نام Meneuk اول تھا، کو یروشلم کے قریبی علاقہ ایتھوپیا کی حکمرانی سونپی گئی تھی وہ یروشلم سے یہاں آتے ہوئے دس احکامات کی تپائیاں ساتھ لیتے آئے تھے۔ آج بھی ہر مہینے کے ساتویں دن وہاں کے مجاور اس تابوت کی ایک نقل جلوس کی شکل میں باہر نکالتے ہیں اور اس جلوس میں سینکڑوں لوگ تعظیم کے طور پر ساتھ چلتے ہیں۔ جہاں پر یہ زیارت رکھی گئی تھی اس چرچ کی چھت جا بجا مقامات سے ٹپک رہی ہوتی ہے مگر اب وہاں ایک نئے چرچ کی تعمیر شروع ہے جلد ہی یہ تابوت نئی جگہ پر منتقل ہوجائے گا۔

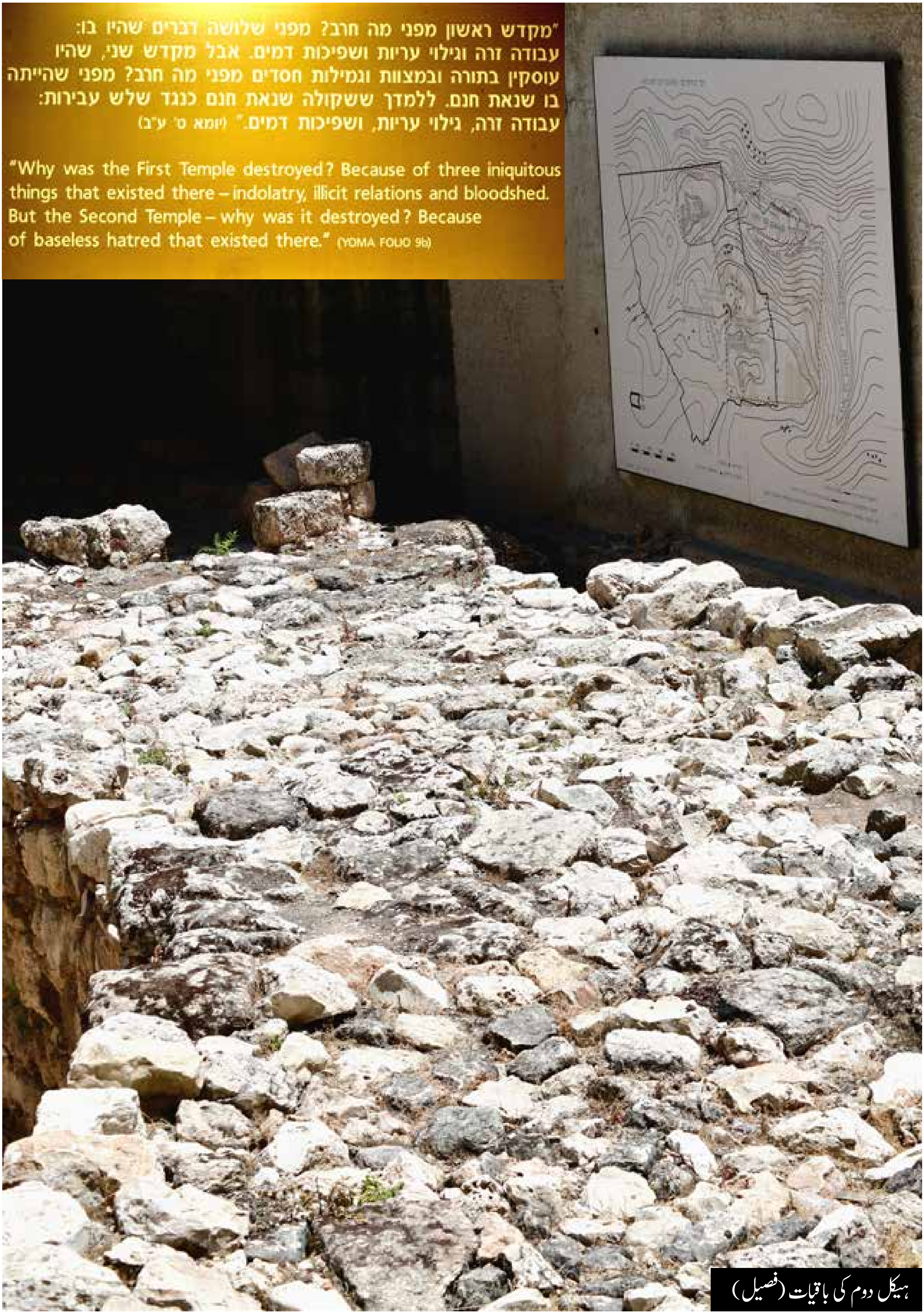

ہیکل دوم کی باقیات (فصیل)

ڈیوڈ میوزیم: ایک آرٹ

ہیکل اول کی تعمیر کا خاکہ

یروشلم دوبارہ کیوں تباہ ہوا

ہیکل دوم کی باقیات

دیوار گریہ سے سنہری گنبد جانے کی سرنگ

یروشلم کی تباہی کی باقیات

اسرائیلی ٹاور

اوفل پارک

ہیکل دوم کے دور کے کھنڈرات

70ء میں تباہی کے ثبوت

ہیکل دوم کے دور کے کھنڈرات

مقدس تورات ابھی بھی ہاتھ سے لکھی جاتی ہے

زیارات حضرت مریم علیہا السلام

حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پیدائش: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام عیسائیت میں ہی نہیں بلکہ اسلام میں بھی یکساں قابل احترام، مقدس اور معتبر ہیں۔ قرآن کریم میں ایک یہی خاتون ہیں جن کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی انیسویں (19) سورۃ المریم اسی پاک ہستی کے نام ہے۔ اس پاکیزہ خاتون نے رب کریم سے جو وعدہ کیا اور جیسا ان کو کہا گیا اس پاک قول و اقرار پر جمی رہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کا خاندان بھی رب کریم کو اتنا ہی پسند تھا کہ قرآن پاک کی تیسری سورۃ آلِ عمران بھی اسی پاک ہستی کے والد کے نام پر نازل کی گئی ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے والد عمران جن کا نام پرانی تورات میں Joachim یعنی یوشع ہے۔

قدیم یروشلم میں حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پیدائش دیکھنے کے لیے سیاحوں کو قدیم شہر کے ہیرڈ گیٹ سے گزر کر بیت المقدس کی طرف آنا پڑتا ہے۔ جب بیت المقدس فقط سو گز دوری پر ہوتا ہے تو ایک پتھریلی گلی بائیں طرف لائن گیٹ کی طرف مڑتی ہے اور لائن گیٹ کے بالکل قریب سینٹ این کا گرجا گھر St. Anne's Chruch ملتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پیدائش اسی چرچ کے تہہ خانے یا غار میں ہوئی تھی۔ اس گلی کا نام وایا ڈولوروسا (Via Dolorosa) ہے۔ عیسائی روایات کے مطابق یہی وہ راستہ ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی صلیب اپنے کندھے پر اٹھا کر اس وقت کے مذہبی راہبوں کی عدالت میں آنا پڑا تھا، جہاں پر ان کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اس راستے کا ذکر کسی اور جگہ تفصیل سے آئے گا۔ اس عمارت کے باہر جلی حروف میں کندہ ہے کہ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پیدائش ہے۔

سینٹ این، جن کو عربی میں Hannah کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں اور یہ چرچ بھی انہی کے نام پر ہے۔ اس چرچ میں اندر جا کر سامنے کی دیوار کے دائیں جانب سیڑھیاں نیچے غار میں اترتی ہیں اور اسی غار میں حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔

سینٹ این چرچ: صلیبی حکمرانوں (Crusaders) کے دور میں یہ تعمیر شدہ چرچ ابھی بھی اسی آب و تاب کے ساتھ مرجع خلائق ہے۔ اس لیے بھی کہ چرچ کی تعمیر سے بھی دو ہزار برس قبل یہاں شہر کو پانی سپلائی کرنے کے لیے حوض بنائے ہوئے تھے۔ ان کھنڈرات کے منظر عام پر آنے کی خبر باہر آئی تو سینٹ این چرچ کی اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا۔ ان کو Pools of Bethseda کہا جاتا ہے اور ان کا تذکرہ انجیل مقدس کی کتاب John کے پانچویں باب میں کئی بار آیا ہے۔

یاد رہے کہ نئی انجیل (The New Testament) میں حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پیدائش کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ہاں البتہ ایک روایاتی صحیفہ انجیل (Gospel) بنام سینٹ جیمز سال 150ء کے دور کا دستیاب ہے جس میں حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش اور ان کے والدین یعنی یوشع اور سینٹ این کا ذکر کیا گیا ملتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر 450ء میں اس جگہ پر پہلے چرچ کی تعمیر ہوئی تھی جس کے صدر دروازہ پر کندہ کیا گیا تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے نام جو یہاں پیدا ہوئی تھیں۔ سیاحوں کو یہاں سینٹ این چرچ میں آ کر حیرانگی بھی ہوتی ہے کہ اس کی مضبوطی قلعوں جیسی ہے مگر اس کی بناوٹ تعمیر اور ڈیزائن میں ذرا بھی ترتیب ملحوظ خاطر نہیں رکھی گئی۔ مثلاً ستون ایک دوسرے کے سامنے نہیں یا ایک سیدھی قطار میں نہیں۔ دیواریں کہیں پتلی اور کہیں بہت موٹی ہیں۔ تمام کھڑکیاں سائز میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ دیواروں کی اونچائی بھی کہیں کم اور کہیں زیادہ ہے۔ مگر اس کے اندر آواز کی گونج اتنی خوشگوار اور زوردار ہوتی ہے کہ آج کل کا چرچ بھی اس جیسا ردھم Rythem حاصل کرنے میں ناکام رہے جبکہ ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر چکی ہے۔ یہاں اگر چار بچے انجیل کے بول تلاوت کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ ہزاروں کا مجمع کورس پیش کر رہا ہے۔ افسوس کہ یہ گرجا اتنی پذیرائی حاصل نہیں کر سکا جس قدر یہ نفیس اور اہم ہے۔

موجودہ سینٹ این چرچ 1140ء میں صلیبی حکمرانوں نے بنوایا تھا جبکہ اس کی غار جس میں حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش مذکور ہے پہلے سے ہی یہاں موجود تھی صرف چرچ میں سے اس کو راستہ بنا کر دیا گیا تھا۔ بعد میں کسی حکمران نے اس چرچ کے سامنے والی دیوار مزید آگے کی طرف بڑھا کر اس کو کشادہ کر دیا تھا۔ 1856ء میں ترکوں نے یہ عمارت فرانس کے فرمانرواؤں کو تحفہ میں دے دی تھی۔ فرانسیسیوں نے اس کو دوبارہ پہلے کی طرح بنایا اور افریقی عیسائیوں سے اس کو ایسا آباد کیا کہ اب سینٹ این چرچ

یروشلم کی چیدہ عمارات میں شمار ہوتی ہے۔
اسی چرچ کے اندر سے پرانے پتھروں کی سیڑھیاں نیچے غار میں جاتی ہیں جہاں حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ غار تب سے اسی طرح ہے جب یہاں یوشع اور حنّہ رہا کرتے تھے۔ بعد میں حضرت مریم علیہا السلام کی یاد میں غار کے ساتھ ہی ایک خصوصی عبادت گاہ بنا دی گئی ہے۔ جہاں زائرین اور سیاح دعا مانگتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔
مسلمانوں کے نزدیک حضرت مریم علیہا السلام مقدس، معتبر اور برگزیدہ ہستی ہیں۔ پرانی اسلامی کتب میں کسی جگہ ان کو سیدہ لکھا گیا۔ کسی جگہ صدیقہ کہا گیا۔ کسی جگہ انتہائی پارسا اور قناعت کرنے والی خاتون قرار دیا اور کہیں طاہرہ کا لقب دیا گیا اور یہ کہ وہ واحد خاتون ہیں جن کو شیطان کبھی بھی نہ چھو سکا۔ بہت سے اکابرین یہ بھی سمجھتے ہیں کہ عیسائیوں سے زیادہ حضرت مریم علیہا السلام کو مسلمان پیار کرتے ہیں اور انہیں عظیم سمجھتے ہیں۔
عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے حوالے سے ان کی مذہبی کتابوں میں شاید اتنا جامع مواد نہ ہو جتنا قران پاک میں ملتا ہے اور یہ دین اسلام کی خوبصورتی ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش سے قبل ان کی والدہ حنّہ نے رب کریم سے کیا وعدہ کیا تھا۔ کس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش و عبادات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ کس طرح انہی کی وساطت سے ہیکل دوئم میں حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت کے لیے ایک الگ کمرہ مخصوص کرایا گیا جبکہ وہاں عورتوں کو عام عبادت کی اجازت بھی نہ تھی۔ یہ تمام واقعات ہر مسلمان کو ازبر ہیں۔ قران کریم کی سورۃ آلِ عمران اور سورۃ مریم، عیسائیوں اور یہودیوں کے مذہبی صحیفوں سے کہیں بڑھ کر ان تمام واقعات کا احاطہ کرتی ہیں۔
یروشلم کے سیاحوں کے لیے ایک اور حیرانگی کی بات یہ کہ سینٹ این کے چرچ میں حضرت مریم علیہا السلام کی جائے پیدائش والا غار دیکھ کر باہر گلی میں آتے ہیں تو اگلے ہی دروازے پر یعنی ایک اور عمارت کی پیشانی پر پھر لکھا ملتا ہے Mary's Birth Place ۔ سیاح جب اندر جاتے ہیں تو ڈیوڑھی سے ہی انہیں نیچے کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف جانے کا اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ سینٹ این چرچ کی کشادہ سیڑھیوں کے برعکس یہاں نہایت ہی تنگ، نہایت مدھم روشنی میں اور گول چکراتی سیڑھیاں اتر کر جب سیاح نیچے جاتے ہیں تو انہیں دو تین نہایت تاریک غار دیکھنے کو ملتے ہیں جن میں سے ایک میں حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کی تصویر بھی نظر آتی ہے اور کچھ زائرین دعا بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں کی انتظامیہ کے بقول حضرت مریم علیہا السلام کی اصل جائے پیدائش یہ غار ہے۔
بہر حال یہاں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ہی جگہ ہے۔ سینٹ این چرچ کے اندر والا غار اور اس تنگ راستے کے آخر میں ملنے والا غار شاید ایک ہی بڑی جگہ کے دو حصے ہوں کیونکہ سیڑھیوں کی سمت اور غاروں کی ساخت بھی یہی کچھ آشکار کرتی ہے۔ ممکن ہے درمیان میں پتھر کی دیوار بعد کے کسی دور میں بنا دی گئی ہو یا وہ قدرتی بھی ہو سکتی ہے یا پھر ایک ہی غار کے اور راستے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔ وہاں پر ملنے والے عیسائی احباب یا ساتھ جانے والے گائیڈز اس امر پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔

قدیم ترین حوض (Pools of Bethesda): لوکل زبان میں ان کو آستانہ رحمت کہہ سکتے ہیں۔ یہ حوض یوں تو آٹھویں صدی قبل مسیح میں بنائے گئے تھے مگر مذہبی کتابوں میں ان کو اس لیے اہمیت حاصل ہوئی کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے برص (جذام) کے مریضوں کو معجزانہ طور پر شفایاب کیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن پاک کی سورۃ آلِ عمران: آیت نمبر 49 میں مذکور ہے۔ انہی میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک مریض دیکھا جو سینتیس (37) برس سے یہاں پڑا تھا مگر کسی نے اس بیمار بوڑھے کو حوض میں نہانے کی اجازت نہ دی اور نہ مدد فراہم کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو کہا کہ چل اٹھ اور چلا جا، وہ بوڑھا مریض جو حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا، اٹھا اور اپنی گدڑی اور چٹائی لے کر باہر کی طرف چل پڑا بالکل صحت مند و توانا نوجوان کی طرح۔ بس اس معجزہ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اس جگہ کو مقدس قرار دے دیا تھا۔
آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہ حوض بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے بنائے گئے تھے اور پھر یہاں سے آبی راستوں کے ذریعے شہر بھر کو پانی سپلائی ہوتا تھا۔ جبل موریاہ پر قائم ہیکل اول و دوئم کو بھی پانی یہیں سے سپلائی ہوتا تھا۔ 200 سال قبل مسیح میں یہاں پر دو اور حوض بنائے گئے اور یوں ان کی تعداد پانچ ہو گئی اور ان کی گہرائی تیرہ (13) میٹر تک کر دی گئی تھی۔ تب تک یہ

حوض شہر یروشلم سے باہر تھے مگر پہلی صدی عیسوی میں ہیرڈ اگر پا نے یروشلم کے گرد فصیل بنائی تو یہ حوض شہری حدود کے اندر لے لیے گئے تھے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان قدیم حوضوں میں کم از کم دو ایسے تھے جن میں شفا بخش پانی یا تو نکلتا تھا یا لایا جاتا تھا۔ پاکستان میں آج بھی کئی ایسے چشمے مل جاتے ہیں جن میں لوگ نہا کر جلدی بیماریوں سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ شاید اس پانی میں قدرتی طور پر سلفر یا کوئی دوسرا کیمیائی عنصر پایا جاتا ہے۔ ان حوضوں کے قریب ہی دو جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں شفایاب ہوتے ہوئے انسانی اعضا کے پتھر یلے مجسمے دستیاب ہوئے۔ مثلاً پاؤں، بازو و کان وغیرہ۔ اسی لیے تو بازنطینی حکمرانوں نے بھی یہاں ایک چرچ تعمیر کیا تھا مگر الگ سے اس کا کوئی نشان دستیاب نہیں کیونکہ 614ء میں فارس (پرشیا) کے حملہ آوروں نے شہر کے سارے چرچ تباہ کر دیے تھے۔

انیسویں صدی عیسوی میں ہونے والی کھدائی میں یہ دریافت بہت بار آور ثابت ہوئی۔ سینٹ این چرچ اور حوض دونوں نے سیاحوں کی بڑی تعداد اپنی طرف متوجہ کی ہے۔ اب یہاں ہر وقت رونق رہتی ہے۔ لوگ سیڑھیوں سے نیچے اتر کر حوض کے کھنڈرات چھونے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

مقبرہ حضرت مریم علیہاالسلام: قدیم یروشلم میں واقع لائن گیٹ کے تقریباً سامنے حضرت مریم علیہاالسلام کا مزار ہے اور یہیں قرب و جوار میں کثیر قومیتی گرجا گھر (Church of All Nations) اور گتسمنی (Gathsemane) کا قدیم باغ بھی سیاحوں کی نگاہوں کا مرکز ہوتے ہیں۔ حضرت مریم علیہاالسلام کی وفات 41ء میں ہوئی تھی اور بائبل میں ان کی وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

حضرت مریم علیہاالسلام کا مقبرہ پہاڑ کی کھوہ میں ہے جہاں تک جانے کے لیے سیاحوں کو سنتالیس (47) سیڑھیاں اترنا پڑتی ہیں جو بارہویں صدی عیسوی میں پہاڑی کو کانٹ تراش کر ہی بنائی گئی تھیں۔ یہ جگہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے یکساں طور پر متبرک و مقدس ہے اور یہاں ہر وقت سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے۔ قبر مبارک ایک چھوٹے سے کمرے میں پتھر کی چٹان کی صورت میں ہے مگر اس کمرے کے دونوں دروازے اس قدر چھوٹے ہیں کہ زائرین کو جھک کر اندر جانا پڑتا ہے اور اندر دعا کے بعد باہر بھی جھک کر ہی نکلنا پڑتا ہے۔ یہ مقبرہ پہلی صدی عیسوی میں بادشاہ کنسٹنٹائن (Constantine) نے بنوایا تھا جس پر ایک چرچ بھی تعمیر کیا گیا تھا جو اب نظر نہیں آتا۔ یاد رہے کہ عیسائی احباب کی اکثریت اس امر پر یقین رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت مریم علیہاالسلام کو بھی وفات کے تیسرے دن مع جسد خاکی اوپر اٹھا لیا گیا تھا۔

حضرت مریم علیہاالسلام کے مقبرہ کی کشادہ مگر تاریک سیڑھیاں اترتے ہوئے دائیں ہاتھ پر ایک محراب سی دکھائی دیتی ہے جو دراصل ایک صلیبی حکمران کی بیوی Melisande کی جائے مدفن تھی اور 1161ء میں اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ مگر بعد کے حکمرانوں نے اس جگہ کو حضرت مریم علیہاالسلام کے والدین سینٹ این اور یوشع کے نام کا تکیہ بنا دیا جہاں بہت سے عیسائی رک کر انجیل مقدس بھی پڑھتے ہیں اور ان کے لیے دعا بھی مانگتے ہیں۔ اس محراب کے سامنے ہی مگر مخالف سمت میں ایک اور محراب ہے جسے سینٹ جوزف کا تکیہ کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جگہ پر بھی صلیبی حکمرانوں کی کئی بیویاں دفن ہیں۔

حضرت مریم علیہاالسلام کا مقبرہ، غار اور قریبی جگہ پہاڑی چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ یہاں کا ماحول بہت سوگوار اور تاریک ہوتا ہے اور ہر سو فضا غمگین سی رہتی ہے۔ غار کی چھت صدیوں سے جلتی ہوئی موم بتیوں کے دھوئیں سے تاریک ہوئی پڑی ہے۔ ہر سو جا بجا پرانی وضع کے تیل کے فانوس لٹکے دکھائی دیتے ہیں۔ ان فانوس نما چراغوں میں اب بھی تیل سے چراغاں کیا جاتا ہے۔ پس دھوئیں کی سیاہی نے چھتوں اور دیواروں کو تقریباً سیاہ کر دیا ہے۔ چھوٹے سے کمرہ نما غار میں دائیں ہاتھ ایک چٹان کے سامنے شیشہ لگا ہوا ہے۔ یہی تو حضرت مریم علیہاالسلام کا مقبرہ ہے۔ دراصل چٹان کا یہ ٹکڑا ہی مزار ہے کہ حضرت مریم علیہاالسلام کا جسد خاکی اسی چٹان پر رکھا گیا تھا کہ (عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق) یہیں سے ان کا جسم مبارک اوپر اٹھا لیا گیا تھا۔ سامنے لگے شیشے میں تین چھوٹے چھوٹے سوراخ بھی ہیں۔ پس زائرین ہاتھ ڈال کر قبر مبارکہ یا چٹان کو چھو لینے میں روحانی تسکین حاصل کرتے ہیں۔

جس پہاڑی کی کھوہ میں حضرت مریم علیہاالسلام کا مقبرہ ہے اس کے اوپر بنائے ہوئے گرجا گھر پر 1363ء سے 1757ء تک کیتھولک فرانسیسیوں کا عمل دخل رہا۔ مگر پھر یہ قدامت پسندوں کے زیر قبضہ آ گیا۔ یاد رہے کہ حضرت مریم علیہاالسلام کے مزار پر عیسائی اور مسلمان دونوں جی بھر کر دعائیں کرتے ہیں۔ اسی مقبرہ کے دائیں ہاتھ ایک محراب موجود ہے جو دراصل

کعبہ شریف کی سمت کا تعین کرتی ہے۔ یہاں پر نماز واذان تو نہیں ہوتی اور نہ مسلمان نوافل پڑھتے ہیں مگر زبانی عبادات بڑے خشوع وخضوع سے کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ محراب یہاں بارہویں صدی عیسوی سے ہے اور اسے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے فتح یروشلم کے بعد ہی تعمیر کروادیا تھا۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں یکساں طور پر ایک عقیدہ کو پذیرائی حاصل ہے کہ حضرت محمد ﷺ جب معراج کے سفر پر روانہ ہوئے تو انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے مقبرہ کے گرد روشنی کا ایک تیز ہالہ نظر آیا تھا جس کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ کو بتایا تھا کہ یہ Sister Mary کا مزار مبارک ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کے مقبرہ کی سیڑھیوں سے باہر آتے ہی گیٹ کے بائیں جانب ایک مختصر راستہ Gethsemane چرچ کی طرف جاتا ہے۔ اس چھوٹے سے چرچ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اسی پہاڑی کی ایک اور غار میں بنایا گیا ہے جس کی دیواریں اور چھت سبھی کچھ پہاڑی پتھر کو تراش کر بنائی گئیں ہیں۔ یہاں ہر وقت ہجوم رہتا ہے کیونکہ سیاحوں کی بڑی تعداد یہاں ہمہ وقت دعا کے لیے موجود ہوتی ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے مقبرہ کے سامنے ہی سڑک کے اس پار Gethsemane کا باغ اور بڑا چرچ ہے۔ اس گارڈن کو عیسائیوں کی مذہبی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اول اس لیے کہ اس میں ایستادہ آٹھ زیتون کے درخت تقریباً تین ہزار سال قدیم ہیں اور ابھی بھی اسی طرح تروتازہ ہیں۔ دوئم اس لیے کہ عیسائی روایات کے مطابق اس گارڈن میں انہی درختوں تلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مصلوب ہونے سے قبل آخری رات گزری تھی۔

Last Supper کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے بارہ حواری وساتھی رات گزارنے کے لیے اسی گارڈن میں آئے تھے۔ یہیں سے وہ گرفتار ہوئے تھے کیونکہ جب کوتوال شہر کے گماشتے ان کی تلاش میں یہاں آئے تو یہودہ (Judah) نامی ساتھی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو والہانہ عقیدت کے بہروپ میں بے تحاشا چومنا شروع کردیا جس سے سرکاری گماشتوں کو نشاندہی بھی ہو گئی اور یقین بھی ہو گیا تھا کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور یہی سرکاری پادریوں کو مطلوب ہیں۔ اس گارڈن کے اوپر پہاڑی پر یہودیوں وعیسائیوں کا قدیم ترین قبرستان ہے اور انہیں یقین ہے کہ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود یہیں سے جلوہ افروز ہوں گے اور ان قبروں میں دفن مردوں کو اٹھ جانے کا حکم دیں گے (بحوالہ کتاب زکریا۔ 14:4 انجیل مقدس)

جبل زیتون (Mount Olives): حضرت مریم علیہا السلام کا مزار جس جگہ واقع ہے اس کو قدرون کی بستی یعنی Kidron Valley کہا جاتا ہے۔ اس مزار یا چرچ سے ایک سڑک اوپر کی طرف پہاڑی پر چڑھتی نظر آتی ہے جہاں سے بہت سے سیاح نیچے پیدل آتے ملتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے بھی یہ تمام جگہ بہت اہم ہے اور اسی پہاڑی کو جبل زیتون (Mount Olives) کہتے ہیں کیونکہ اردگرد تمام جگہ زیتون کے پودوں سے اٹی پڑی ہے۔ اسی سڑک پر اوپر جاتے ہوئے متذکرہ بالا قدیم قبرستان ملتے ہیں۔ اسی بستی یا وادی میں قدیم ترین مذہبی تاریخ جا بجا بکھری ہوئی تھی۔ اس سڑک کے بائیں ہاتھ پہاڑیوں میں ہی دو انتہائی خوبصورت گرجا گھر سیاحوں کی توجہ سمیٹے رہتے ہیں۔ جن کا ذکر اگلے صفحات میں ملے گا۔ دائیں ہاتھ کے قبرستان میں بعض قبریں تین ہزار سال قبل کے زمانے کی بھی ہیں اور کل تقریباً ڈیڑھ لاکھ قبروں کے تابوت یہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ انہی میں سے ایک گرجا گھر St. Mary Magdalene کے نام پر ہے جہاں پر تقریباً چالیس روسی النسل راہبائیں تمام انتظام سنبھالتی ہیں اور عبادت بھی کرتی ہیں۔ یہاں مرد حضرات صرف زائرین ہوتے ہیں منتظمین یا پادری نہیں۔ اس گرجا گھر کی خوبصوتی بے مثال ہے اور روسی طرز تعمیر کے سات گولڈن گنبد یروشلم کی آب وتاب کو چار چاند لگائے ہوئے ہیں۔

جبل زیتون کے بارے میں عیسائی خاندانوں میں بچپن سے ہی مقدس تعلیم دی جاتی ہے کیونکہ اس تمام علاقے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت آیا جایا کرتے تھے۔ اس لیے انجیل کی قدیم اور جدید تمام کتابوں میں اس وادی قدرون اور جبل زیتون کا ذکر بہت کثرت سے ملتا ہے۔ اس پہاڑی سڑک پر ہی ایک اور چرچ بنام Pater Noster ملتا ہے جو ہے تو بہت چھوٹا مگر اس کی تاریخی اہمیت اس لیے ہے کہ اس جگہ پر ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی مشہور دعا The Lord Prayer اپنے ساتھیوں کو سکھائی تھی۔ یہ خوبصورت گرجا گھر اس لیے بھی سیاحوں کے لیے کشش رکھتا ہے کہ اس گرجا کی دیواروں پر یہ دعا ایک سو چالیس (140) زبانوں میں کتبوں کی شکل میں لکھی ملتی ہے۔

دنیا کے ہر خطے سے آئے ہوئے لوگ اپنی اپنی زبان میں یہ دعا دیکھتے اور پڑھتے ہیں تو اپنے آپ کو انتہائی خوش نصیب خیال کرتے ہیں۔

اوپر کی سطور میں Gethsemane کا ذکر کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک یہ بہت ہی مقدس و متبرک زیارت ہے۔ عبرانی زبان میں اس کو Oil Press کہتے ہیں مگر یہ اس گارڈن کا نام ہے جہاں عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مصلوب ہونے سے ایک رات قبل قیام کیا تھا۔ انجیل کی متیٰ اور مارک کی کتابوں میں اس واقعے کو Agony in the Garden کا نام دیا گیا کیونکہ وہیں سے Judah کی غداری کے باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری ہوئی تھی۔ عیسائی مذہب کے بعد کے راہبوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے چار مختلف مقامات کا تعین کیا مگر یہ چاروں جگہیں اسی گارڈن کے آس پاس سو (100) گز کے احاطہ میں ہی ہیں۔ سب سے زیادہ باوثوق جگہ زیتون کے آٹھ قدیم درختوں والی ہی ٹھہرائی گئی۔ ماہرین آثار قدیمہ نے ان میں سے تین درختوں کی عمر کا تعین بھی کر دیا ہے یعنی تنوں کے اندر سے بوسیدہ لکڑی کے تجزیہ کی بنیاد پر ان کی عمر تین ہزار سال ہے۔

عیسائیت میں اس گارڈن کی عقیدت کے پیش نظر ہی یہاں پر ہر دور میں کوئی نہ کوئی چرچ موجود رہا۔ تاریخ کے اوراق میں کم از کم چوتھی صدی عیسوی میں بازنطینی حکومت نے یہاں ایک خوبصورت چرچ بنایا مگر وہ 746ء میں ایک شدید زلزلے کی نذر ہو گیا۔ بعد میں بھی چرچ بنے مگر وہ چھوٹے ہونے کی وجہ سے تاریخ کے صفحات پر اپنی جگہ نہ بنا سکے۔ پھر صلیبی حکمرانوں کے دور یعنی بارہویں صدی عیسوی میں یہاں ایک بڑا چرچ بنایا گیا تھا جو کہ 1345ء میں عیسائیوں نے خود ہی مسمار کر دیا تھا۔ 1920ء میں یہاں جب ایک چرچ کی بنیادیں کھودی جا رہی تھیں تو صلیبی دور کے فرش اور ستون دبے ہوئے ملے۔ معمار حضرات نے اسی وقت نئی تعمیر کا کام بند کر دیا اور پرانے تباہ شدہ چرچ کی کھوج اور کھدائی میں لگ گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بازنطینی دور کے چرچ کی بنیادیں بھی مکمل طور پر ڈھونڈ نکالیں۔ پس 1922ء میں نئے چرچ کے ڈیزائن کو ایک طرف رکھ دیا گیا اور پرانے چرچ کی بنیادوں پر ہی نیا چرچ اٹھایا گیا جو جون 1924ء میں مکمل ہوا اور اسی کو آج کثیر قومیتی چرچ یعنی Church of All Nations کا نام دیا گیا ہے۔

اس موجودہ عبادت گاہ کو کثیر قومیتی چرچ اس لیے کہا گیا کہ اس کی تعمیر کے لیے بارہ (12) ملکوں نے مالی تعاون کیا تھا۔ مثلاً کاشی کاری کا تمام کام ہنگری کی حکومت نے کروایا تھا۔ اس کی مزید زیبائش آئرلینڈ اور پولینڈ نے کی۔ چرچ کے اندر موجود Rock of Agony کے گرد قیمتی لوہے کی جالی آسٹریلیا سے آئی تھی۔ اس لیے اس چرچ کی چھت بارہ (12) چھوٹے گنبدوں پر مشتمل ہے۔ ان گنبدوں کے اندرونی خدوخال میں ہر ملک کی مخصوص ڈیزائن کردہ چھت بالکل واضح نظر آتی ہے۔ اس چرچ کی تعمیر میں دو قسموں کے پتھر استعمال کیے گئے۔ یروشلم کا زرد پتھر حضرت مریم علیہا السلام کے مقبرہ کی چٹان سے لیا گیا اور گلابی مائل پتھر بیت اللحم سے لا کر استعمال کیا گیا کیونکہ اس کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کے ساتھ تھی۔ ہال میں چھ بڑے ستون ایستادہ ہیں۔ مگر دیواروں میں لگی کھڑکیوں پر جامنی رنگ کو فوقیت دی گئی تاکہ ماحول کی سوگواری برقرار رہے۔ چرچ کی پیشانی پر چار بڑے ستون تعمیر کیے گئے جو پرانے یونانی اور رومن طرز تعمیر میں نمایاں ہوتے تھے اور ان چاروں ستونوں پر عیسائیوں کے روحانی پیشواؤں کے مجسمے بٹھائے گئے ہیں اور ان چاروں کے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہہ رکھی گئی ہے اور تاریخی حوالوں میں یہ درج کیا ملتا ہے کہ یہ تمام تعمیر ظاہر کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا اور بندوں کے درمیان مضبوط رابطہ تھے۔

کھدائی کے دوران بازنطینی دور یعنی چوتھی صدی عیسوی کے جو فرش دستیاب ہوئے تھے ان کا ایک حصہ اسی چرچ کے جنوب میں محفوظ کر کے اس کے اوپر شیشے کی تہہ بٹھا دی گئی ہے تاکہ لوگ زیارت بھی کریں اور فرش بھی محفوظ رہے۔ پھر اسی قدیم ڈیزائن کو ہی کاپی کر کے بعد کے ادوار میں ہال کے باقی حصوں کے فرش بنائے گئے تھے۔

باہر سیڑھیوں پر ہمہ وقت سیاحوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ بہت سے پادری سیڑھیوں پر ہی اپنی دعا پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ کیمروں کی فلیش آپ کی آنکھوں کو خیرہ کیے رکھتی ہیں۔ باہر سڑک پر چلتی ٹریفک کا شور ایک الگ رنگ جمائے رکھتا ہے۔ سیاح گروہ در گروہ بسوں سے نکل کر چرچ کی طرف آ رہے ہوتے ہیں کیونکہ سامنے والی سڑک پر ہی ٹورسٹ بسوں کی پارکنگ مخصوص ہے اور یہ جگہ بہت سی زیارتوں کا مرکز۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش گاہ (عیسائی روایت)

حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش گاہ (عیسائی روایت)

حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا غار (عیسائی روایت)

بیتسڈا کا نشان

سینٹ این چرچ

تین ہزار سال پرانا قبرستان

بیتسڈا کے کھنڈرات

بیتسڈا کے کھنڈرات

یونانی چرچ

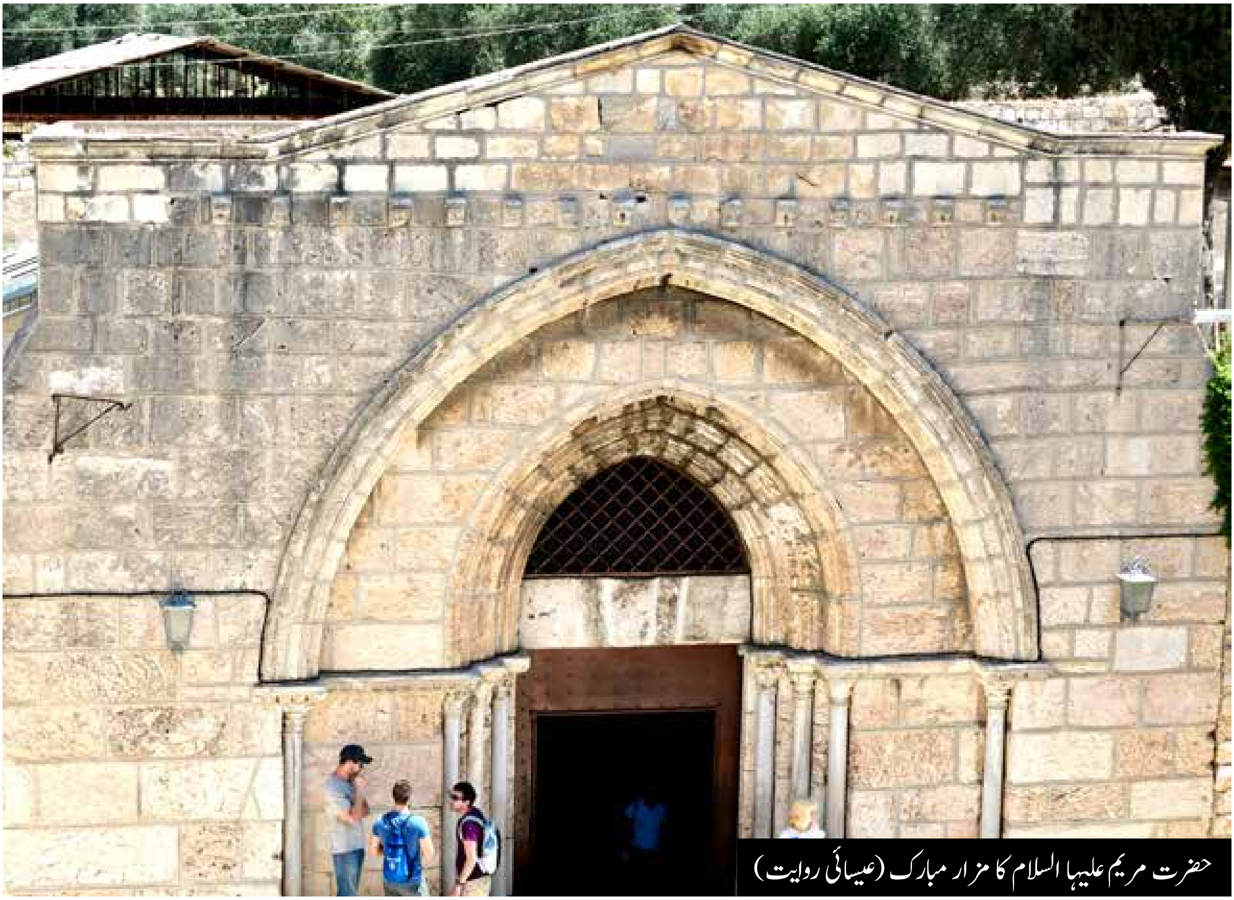
حضرت مریم علیہا السلام کا مزار مبارک (عیسائی روایت)

حضرت مریم علیہا السلام کا مزار: اندرونی منظر

حضرت مریم علیہا السلام کا مزار: ایک چٹان

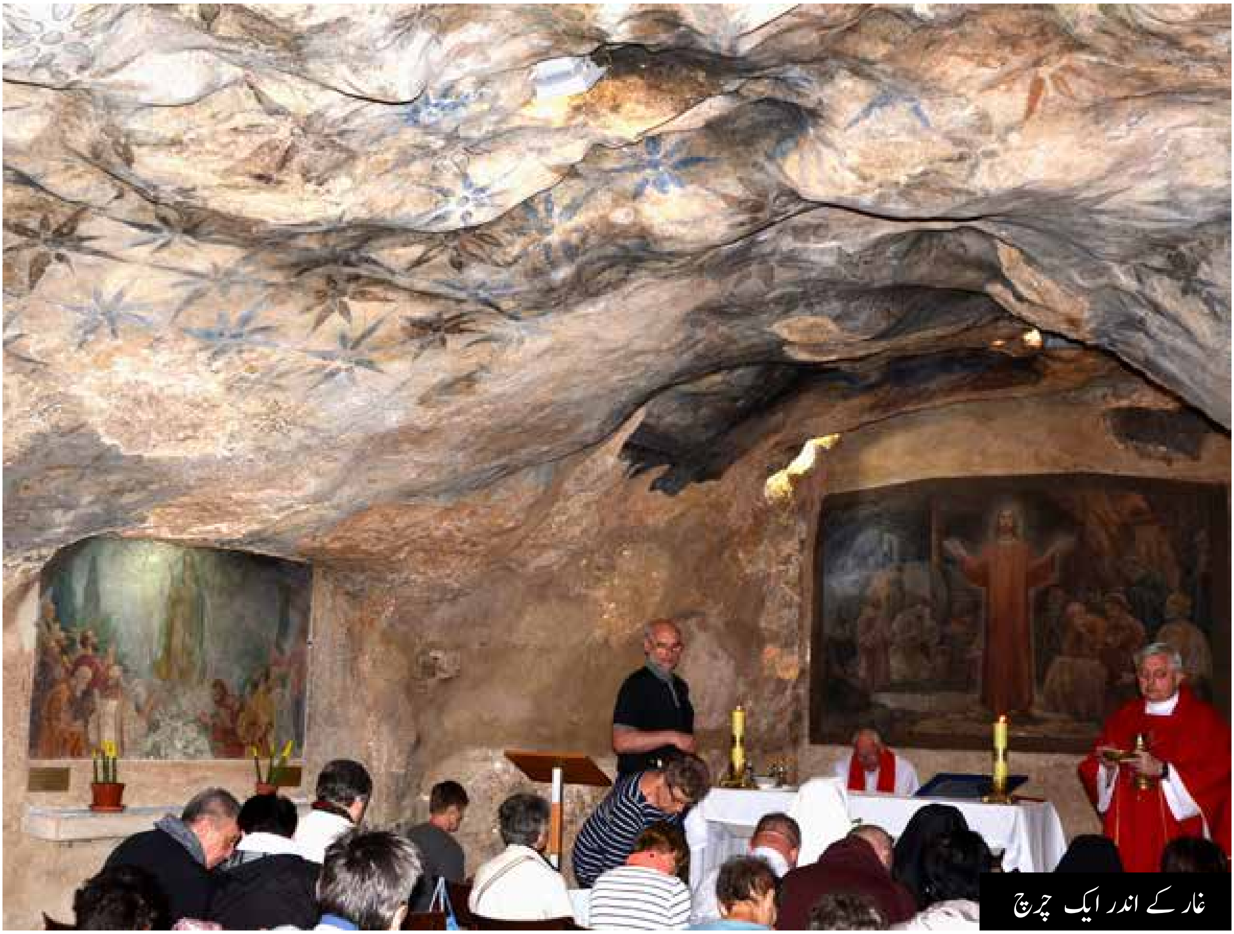

غار کے اندر ایک چرچ

حضرت مریم علیہا السلام کے مزار سے باہر نکلنے کا راستہ

غار کے اندر چرچ کا دروازہ

ایک مسلم محقق کا مقبرہ، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نسب سے تھے

ایک مسلم محقق کے مزار کا کتبہ

کثیر القومیتی چرچ

کثیر القومیتی چرچ

گلشن سوہان روح

گلشن سوہان روح

گلشن سوہان روح میں نصب خاکہ

کثیر القومیتی چرچ کے اندر کا خاکہ

سوہان روح چرچ

یونانی چرچ: اندرونی منظر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش

یروشلم سے دس (10) کلومیٹر دور ایک چھوٹے سے شہر بیت اللحم (Bethleham) کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ یہاں پر مسلمان اکثریت میں ہیں اور اس کا کنٹرول فلسطین کے پاس ہے۔ یہودی اسے City of Bread کہتے ہیں جبکہ عرب والے اسے City of Meats کے نام سے پکارتے ہیں اور دونوں نام صحیح ہیں۔ یہ شہر مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے یکساں طور پر قابل تکریم، مقدس ومتبرک ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی پیدائش اسی علاقے میں ہوئی تھی (دیکھیے انجیل مقدس کی کتاب سموئیل باب نمبر 16) پھر اسی بیت اللحم کی حدود میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی حضرت راخیل علیہا السلام (Rachel) دفن ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی اسی جگہ ہوئی مگر یہاں پر چرچ شہنشاہ کانسٹن ٹائن (Constantine) نے 327ء میں بنوایا۔ کچھ سال بعد یہ چرچ عظیم الشان بنا دیا گیا۔ پس 333ء میں اس کی تعمیر ملکہ ہیلن (Helena) نے شروع کروائی تو تکمیل میں مزید چھ سال لگ گئے۔

بیت اللحم شہر کی ساخت صدیوں سے ہی یوں ہے کہ ایک بڑی سڑک (جو کہ آج کل کی ٹریفک کے حساب سے بہت تنگ ہے) جس کا نام مینگر سٹریٹ (Manger St.) ہے ناگن کی طرح بل کھاتی شہر کے درمیان سے گزرتی ہے اور آخر کار چرچ المہد (Church of Nativity) پر جا کر ختم ہوتی ہے تمام شہر اسی سڑک کے دو اطراف میں آباد ہے۔ تاریخ کے کسی دور میں اس شہر کو City of Lachma یعنی لچھما کا شہر بھی کہتے تھے۔ یہ تقریباً تین ہزار قبل مسیح کی بات ہے کیونکہ Lachma یہاں کے قبیلوں کا افزائش نسل کا دیوتا تھا مگر لکھی ہوئی تاریخ میں عہد نامہ قدیم کی کتاب رتھ (Ruth) میں پہلی بار اس کا ذکر ہوا اور یہ 1150 قبل مسیح کا زمانہ بنتا ہے۔ جب ملکہ ہیلن نے چرچ المہد (Church of Nativity) بنایا تھا تب شہر بیت اللحم کی آبادی فقط ایک ہزار (1000) نفوس پر مشتمل تھی۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد یہ شہر یہودیوں کے زیر تسلط چلا گیا مگر دسمبر 1995ء میں فلسطین و اسرائیل کے مابین ایک معاہدے کے تحت یہ شہر فلسطین کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ تب شہر میں 59% آبادی مسلمانوں کی تھی اور 40% عیسائیوں کی جبکہ یہودی شاید بالکل نہ تھے۔ بیت اللحم شہر کی عام زبان عربی ہے مگر تمام آبادی عبرانی (Hebrew) زبان بھی سمجھتی ہے۔ سیاحوں کی خاطر خواہ تعداد کے پیش نظر یہاں انگریزی پڑھائی بھی جاتی ہے اور تمام لوگ اسے سمجھتے بھی ہیں۔

مینگر چوک (Manger Square) بیت اللحم میں سیاحوں کی منزل ہوتی ہے جہاں کھلے میدان کے ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام والا چرچ اور دوسری طرف مسجد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہے اور یہ بھی خاصی وسیع ہے۔ اسی چوک میں روایتی کرسمس ایک بار نہیں بلکہ سال میں تین بار منائی جاتی ہے۔ مغرب سے آئے ہوئے زائرین چوبیس (24) دسمبر کی شام کو کرسمس مناتے ہیں مگر قدامت پسند یونانی فرقے چھ (6) جنوری کو کرسمس کا اجتماع کرتے ہیں اور آرمینین (Armenians) اپنا مذہبی تہوار انیس (19) جنوری کو مناتے ہیں۔ دو تین دہائیوں سے بیت اللحم صرف مذہبی شہر کے طور پر ہی نہیں بلکہ ایک عمومی سیاحتی مرکز بن کر سامنے آیا ہے یہاں کے کیفے اور کنافہ (Kanafe) دونوں ہی چیزیں سیاحوں کو یہاں کھینچ لاتی ہیں۔ کنافہ ایک عربی میٹھا پکوان یا مٹھائی ہے جس میں گرم پنیر کے اوپر چاشنی کی ایک تہہ بٹھائی ہوتی ہے اور اس کی لذت وخوشبو اپنی مثال آپ ہے۔ بکلاوہ یعنی عام عربی مٹھائی بھی خصوصی ذائقے کے ساتھ تیار کی جاتی ہے اور باقی ملکوں سے قطعی مختلف ذائقے کے ساتھ۔ سیاحوں کے مخصوص کھانے فلافل اور ہمس (Falafel & Hummus) کے لیے چند دکانیں یا ریسٹورانٹ دنیا بھر میں مشہور ہیں اور یہاں ٹوکن لے کر قطار میں لگنا پڑتا ہے۔

یروشلم کی طرح بیت اللحم میں بھی کرائم ریٹ صفر ہے اسی لیے سیاحوں کی ٹولیاں جا بجا پڑاؤ کیے ہوئے ہوتی ہیں اور یروشلم آنے جانے والی بسیں اور ویگنیں ساری رات چلتی رہتی ہیں۔ یاد رہے کہ سیاحوں میں سے وہ لوگ جن کے پاس غیر ملکی پاسپورٹ ہیں، اسرائیلی چیک پوسٹوں پر آرام سے گزر جاتے ہیں مگر فلسطینیوں کے لیے یہ سہولت میسر نہیں۔ پس جب آپ باہر سے کسی بھی شہر بشمول یروشلم سے بیت اللحم میں داخل ہوں تو اسرائیلی چیک پوسٹوں پر چیکنگ نہیں ہوتی مگر جب بیت اللحم سے واپس یروشلم آئیں تو

چیک پوسٹ پر روک کر آپ کے پاسپورٹ دیکھے جاتے ہیں اور فلسطینیوں کے داخلے کے پرمٹ۔ فلسطینیوں کو اسرائیلی علاقے میں آنے یا کام کرنے کے لیے تین سال کے لیے پرمٹ جاری ہوتے ہیں۔ پرمٹ کے بغیر کوئی فلسطینی اسرائیل کے کسی علاقے میں داخل نہیں ہوسکتا۔ یروشلم سے بیت اللحم جانے کے لیے مسلمان سیاح اکثر باب العمود کے باہر بنے ہوئے عربی بس اڈہ یا ٹرمینل سے ہی جاتے ہیں اور بس یا ویگن ہر آدھ گھنٹہ کے بعد مل جاتی ہے۔

باب العمود یا دمشق گیٹ سے چلنے والی بسیں اور ویگنیں سیاحوں کو مینگر روڈ پر ایک مخصوص جگہ پر اتارتی ہیں۔ وہاں سے سیاحوں کو پیدل پندرہ منٹ کا سفر کر کے بڑے چرچ تک جانا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ چڑھائی کا سفر ہے اس لیے بزرگ و بوڑھے ٹیکسی لے کر جاتے ہیں جو نہایت سستی بھی ہے۔ عربی ٹرمینل سے جانا اس لیے بھی بہتر ہے کہ سیاحوں کو ٹائم شیڈول کا پابند نہیں ہونا پڑتا کیونکہ یروشلم کے جنرل بس ٹرمینل سے کوئی سواری یا بس جمعہ کی شام سے اتوار کی صبح تک دستیاب نہیں ہوتی۔ یہاں سبت کی تعطیل یہودی بہت مذہبی طریقے سے مناتے ہیں اور چھٹی کا مطلب ہے کہ مکمل چھٹی۔ چرچ سے واپسی پر بھی بس آپ کو اسی جگہ سے ملے گی جہاں آپ اترتے ہیں۔

چرچ المہد (Church of Nativity): چرچ المہد کے بارے میں مزید تفصیل یہ ہے کہ ایک قلعہ نما چرچ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش یعنی اس غار پر ہی بنایا گیا تھا۔ اس غار کو Grotto کہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک سلور سٹار فرش پر جما دیا گیا ہے لوگ جس کی زیارت کرتے ہیں، چھوتے ہیں اور روحانی تسکین پاتے ہیں۔ اس تک پہنچنے کے لیے آپ کو بہت لمبی قطار میں لگنا پڑتا ہے اور آپ اکثر دو گھنٹہ قطار میں کھڑے رہنے کے بعد غار میں اترتے ہیں۔ ہاں مگر پاکستان کے مشہور زمانہ سسٹم کے تحت اگر آپ اپنی ٹیکسی والے سے بات کریں یا چرچ کے کسی دربان کی مٹھی گرم کر دیں تو نہ جانے وہ کدھر سے، کس پادری کے کمرہ سے ہوتے ہوئے، آپ کو قطار میں سب سے آگے لا کھڑا کرتا ہے۔

سچ ہے دام بنائے کام۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ پہلا باقاعدہ چرچ تو جانے کب بنا ہوگا مگر تاریخ میں یہ ضرور لکھا ملتا ہے کہ رومن افواج نے یہاں ایک چرچ نما عبادت گاہ کو 35 - 132ء کے دوران تباہ ضرور کیا تھا۔ اس کے بعد ہی بازنطینی شہنشاہ کانسٹن ٹائن کی والدہ ہیلن کا ذکر ملتا ہے۔ اسی خاتون نے یروشلم میں چرچ آف سپو کا بھی انہی دنوں میں بنایا تھا۔ ہیلن کے اس چرچ المہد کو ایک بلوہ یا خانہ جنگی کے دوران 536ء میں تباہ کر دیا گیا تھا مگر شہنشاہ جسٹن نے 565ء میں انہی پرانی بنیادوں پر دوبارہ اسی قسم کا چرچ بنا دیا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ 614ء میں پرشیا کے حملہ آوروں نے یروشلم کے بہت سے چرچ تباہ کر دیے تھے۔ بیت اللحم پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تھا مگر انہوں نے اس چرچ المہد کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچایا تھا۔ اس کے بعد تو اس عمارت پر بہت کام ہوا۔ بڑی مرمت کے نام پر کئی بار اس کو بنایا گیا۔ اس میں توسیع کی گئی حتیٰ کہ اس کا رقبہ بارہ ہزار (12000) مربع میٹر تک پھیلا دیا گیا تھا۔

چرچ کے اوپر بنایا جانے والا گھنٹہ گھر یا مینار تو چند صدیوں قبل کی بات ہے۔ بہت بعد میں 1834ء میں ایک شدید زلزلے نے اس کو نقصان پہنچایا تھا مگر پھر بنا لیا گیا۔ تقریباً پینتیس (35) سال بعد 1869ء میں اس میں اچانک آگ بھڑک اٹھی جس سے بہت نقصان ہوا تھا مگر جلد ہی مرمت بھی کروالی گئی تھی۔ 2012ء میں یہ تمام علاقہ یونیسکو کی World Heritage فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ اس میں تیس ہزار (30000) مربع میٹر کی حدود شامل کر لی گئیں مگر ساتھ ہی Dangerous بھی قرار دے دیا گیا۔ اس کے باوجود اس چرچ المہد کے زائرین کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے کمی نہیں۔

چرچ المہد کے صدر دروازے میں سیاحوں کے گزرنے کے لیے بہت ہی چھوٹا فریم نصب ہے مگر یہ آج کل میں نہیں ہوا بہت صدیوں سے ایسا ہی ہے تاکہ ایک وقت میں ایک ہی شخص گزر سکے اور وہ بھی پورا جھک کر۔ اسی قسم کی چھوٹی چوگاٹھوں کا ذکر حضرت مریم علیہا السلام کے مقبرہ کے ضمن میں بھی گیا گیا تھا۔ شاید یہ اس وقت کا کوئی سیکورٹی فیچر ہو۔ تاریخ دان بھی اس کو Door of Humility کہتے ہیں۔ زیادہ امکان ہے کہ ان دنوں چھوٹا دروازہ گھڑسوار لوگوں کو روکنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ڈیوڑھی والے حصے سے گزر کر مین ہال چرچ میں داخل ہوتے ہیں تو سیاح دنگ رہ جاتے ہیں۔ بہت کھلا ہال ہے جس میں قدیم سٹائل کے ستونوں کی چار قطاریں ہیں اور ہر قطار میں گیارہ (11) ستون ہیں۔ ستونوں پر عیسائی راہبوں کی تصاویر

خوبصورتی سے بنائی گئی ہیں۔ زیادہ تر کے نام بھی لکھے ہیں مگر یونانی یا رومن زبانوں میں۔ لاکھوں سیاحوں نے بھی ان ستونوں پر اپنے نام لکھنا پسند کیا ہے۔ ستونوں پر نام لکھنے کے رجحان پر قابو پانے کے لیے انتظامیہ نے تقریباً دوسو(200) گز سفید کپڑا ایک دیوار کی شکل میں لٹکایا ہوا ہے تاکہ سیاح جی بھر کر اپنے اپنے نام لکھیں مگر وہ بھی نیلی و کالی و سرخ تحریروں سے اٹا پڑا ہے۔ مین ہال کے بیچوں بیچ ایک بڑا سا مربع نما سوراخ فرش پر دیکھا جا سکتا ہے جس کا آدھا حصہ عموماً لکڑی کے تختوں سے ڈھانپا ہوا ہوتا ہے۔ نیچے جھانکنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اندر ایک اور فرش ہے جس کی ٹائلیں دراصل پہلے بنائے ہوئے ملکہ ہیلن کے چرچ کی باقیات کے طور پر محفوظ کی گئی ہیں۔

ہال کے سرے پر سٹیج ہے جس کی چھت سے بہت بڑا سلور و گولڈن فانوس لٹک رہا ہے اس سٹیج کی دونوں اطراف کی سیڑھیاں دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش والی غار یعنی Grotto میں اترتی ہیں۔ سیاحوں کی سہولت کے لیے ایک دروازہ نما غار میں جانے کے لیے اور ایک باہر نکلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ غار میں لوگ سات یا آٹھ نفوس پر مشتمل گروہ کی صورت اترتے ہیں اور اندر چرچ انتظامیہ کے لوگ آپ کو آٹھ دس منٹ کے بعد باہر کا راستہ دکھا دیتے ہیں تاکہ مزید لوگ اندر آسکیں۔ اس Grotto میں سفید ماربل کے فرش پر چودہ (14) کونوں والا ایک ستارہ جمایا ہوا ہے اور اس کے گرد پندرہ لیمپ ہمہ وقت روشن رکھے جاتے ہیں۔ ان میں سے چھ لیمپ قدامت پسند یونانی فرقے کے ہیں۔ چار لیمپ کیتھولک فرقے کی نمائندگی کرتے ہیں اور پانچ لیمپ آرمینی فرقے کی طرف سے ہوتے ہیں۔ گروٹو کے بالکل سامنے اور ساتھ ہی ایک اور چھوٹی سی غار ہے جہاں حضرت مریم علیہا السلام نے پیدائش کے بعد پہلی بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لٹایا تھا۔ عیسائیوں کے لیے یہ بھی متبرک ہے وہ اس Chapel میں خصوصی دعائیں مانگتے ہیں۔ سلور سٹار کے گرد لاطینی زبان میں لکھا ہوا ملتا ہے کہ Here Jesus Christ was Born to The Virgin Mary - 1717 یہ تحریر 1717ء رومن میں کیتھولک فرقے نے لکھوائی تھی۔ یونانیوں کے فرقے نے 1847ء میں اسے یہاں سے ہٹا دیا تھا مگر اس وقت کی عثمانیہ حکومت نے 1853ء میں انہی الفاظ کو دوبارہ وہاں پر لکھوا دیا تھا جو اب تک اسی طرح ہیں۔

ہاں ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس چرچ المہد کی چھت بہت وسیع ہے اور اوپر سے اس کی پرانی اصلی لکڑیاں نظر آتی ہیں یعنی یورپ کے عام گرجا گھروں کی طرح درمیان میں کوئی اضافی چھت نہیں۔ یہ اصلی لکڑیاں وہی ہیں جو برطانیہ کے بادشاہ ایڈورڈ چہارم نے پندرویں صدی عیسوی میں تحفہ کی تھیں اور ابھی تک اپنی اصلی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

کیتھرائن چرچ (St. Catherine Church): بیت اللحم میں چرچ المہد یعنی Church of Nativity کے بالکل متصل رومن کیتھولک فرقہ کا ایک اور چرچ بنام سینٹ کیتھرائن چرچ بھی اپنی روحانی لطافتوں کو آشکار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گروٹو والی غار بہت وسیع تھی اور اس کے کچھ حصے چرچ المہد سے بھی باہر تھے۔ غار کے ان حصوں پر بعد میں سینٹ کیتھرائن چرچ بنا لیا گیا تھا۔ ایک زیر زمین راستے کے ساتھ تمام غاریں ایک دوسرے سے منسلک اور جڑی ہوئی ہیں مگر ان راستوں کو بند کر دیا گیا ہے تاکہ عام سیاح انہیں نہ دیکھ سکیں۔ اس کیتھرائن چرچ میں بھی کئی ایک چیپل (Chapels) بنے ہوئے ہیں۔ یہ بڑی محراب کی شکل میں چرچ کے اندر چھوٹے چرچ بنے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح مسلمان کسی ایک بڑی درگاہ یا عبادت گاہ میں کسی بزرگ کا تکیہ دیکھتے ہیں۔ انہی میں ایک Chapel of St. Jerome ہے جو بیت اللحم کا بشپ تھا اور اس نے عہد نامہ قدیم کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ ایک کا نام Chapel of the Innocents ہے جو ان معصوم یا نوزائیدہ بچوں کے نام پر بنایا گیا تھا جنہیں بادشاہ ہیرڈ نے قتل کیا تھا تیسرا تکیہ Chapel of St. Joseph ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی یاد میں بنایا گیا چونکہ اسی جگہ پر ایک فرشتے نے آسمان سے اتر کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پیغام دیا تھا کہ وہ مصر کی طرف کوچ کر جائیں۔

مغارۃ الحلیب (Milk Grotto): چرچ المہد سے دو گلیاں پیچھے ایک اور چرچ ہے جو اس جگہ یا غار پر بنایا گیا تھا جہاں حضرت مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلاتے ہوئے اپنا کچھ دودھ گرا دیا تھا۔ وہ تمام چٹان ہی دودھ کی طرح سفید ہوگئی اور اب بھی سیاح قدرت کا یہی شاہکار

دیکھنے وہاں آتے ہیں۔ حضرت مریم علیہاالسلام اس وقت کے بادشاہ ہیرڈ سے چھپ کر یہاں قیام فرما تھیں۔ یہ چٹان سفید چاک میں بدلی ہوئی ہے عقیدت منداس چاک کی چٹکی سے شفایاب ہونے کے لیے یہاں آتے ہیں اور وہ عورتیں جن کو دودھ پلانے میں دشواری ہوتی ہے وہ یہاں آ کر دعا مانگتی ہیں اور اپنی اس تکلیف سے چھٹکارا حاصل کرتی ہیں۔ اس چٹان سے چاک کرید کر بیت اللحم کے عطائی اولاد پیدا کرنے والی دواء (Fertility Med) کے طور پر فروخت کرتے ہیں۔

مسجد عمر رضی اللہ عنہ: چرچ المہد کے احاطہ کے دوسرے کونے پر مسجد عمر رضی اللہ عنہ ہے جو باہر سے تو بہت عالی شان ہے مگر اندر سے نہایت سادہ جیسے پاکستان کے کسی گاؤں کی مسجد ہو۔ بیت اللحم شہر سے ذرا باہر سیاح حضرات Shepherd's Fields بھی دیکھنے جاتے ہیں کیونکہ انجیل مقدس کی کتاب لوقا کے باب دوئم کے مطابق کھیتوں میں چرواہوں کے پاس ایک فرشتہ آیا تھا اور اس نے نوید سنائی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لا چکے ہیں۔ بیت اللحم ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام سے منسوب تین کنویں جنہیں بیار داؤد علیہ السلام کہا جاتا ہے، ابھی تک محفوظ ہیں جن سے حضرت علیہ السلام پانی پیا کرتے تھے (بحوالہ انجیل کی کتاب سموئیل باب نمبر 3)۔ یہ کنویں 1895ء میں دریافت ہوئے تھے۔ ان کنوؤں کو دیکھنے کے لیے سیاحوں کو ٹیکسی میں جانا پڑتا ہے کیونکہ یہ جگہ کیتھولک سوشل کلب اور دفتر کے صحن میں ہے۔ ان کنوؤں کے ساتھ عیسائیوں نے ایک چھوٹا سا Chapel یعنی عبادت گاہ بھی بنا دی ہوئی ہے جس میں حضرت مریم علیہاالسلام کا مجسمہ نصب کیا ہوا ہے۔

بیت اللحم کی ایک اور دیکھنے والی چیز بہت اونچی کنکریٹ کی بنائی ہوئی وہ دیوار ہے جسے اسرائیل کی حکومت نے شہر کے گرداگرد اٹھا رکھا ہے تاکہ فلسطین کا کوئی شہری یروشلم کی حدود میں داخل نہ ہونے پائے۔ نفرت کی یہ دیوار آج کی ترقی یافتہ دنیا کے منہ پر طمانچہ ہے۔ اسی نفرت کو ایک بہت ہی ذہین آرٹسٹ بنکسی (Banksy) نے دیوار پر عام سیاہ رنگوں کے ساتھ اس خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے کہ اب سیاح اسے دیکھے بغیر واپس نہیں جاتے۔ یہ Graffiti نقوش اب دنیا بھر میں پھیل گئی ہیں۔ اور بھی کئی فلسطینی آرٹسٹوں نے یہاں قلم آزمائی کی ہے مگر بنکسی کے خاکے سب سے اعلیٰ مانے گئے ہیں۔ انہیں دیکھنے کے لیے ٹیکسی پر ہی جانا پڑتا ہے۔

حضرت راخیل علیہاالسلام کا مقبرہ: حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیوی حضرت راخیل علیہاالسلام جو حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین علیہ السلام (Benjamin) کی والدہ تھیں یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بہت عقیدت والی جگہ مانی گئی ہے۔ سیاح حضرات بیت اللحم کا ٹور دراصل اسی مقبرہ سے شروع کرتے ہیں اور پھر بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چرچ المہد کا رخ کرتے ہیں۔ اس مقبرہ کا ذکر انجیل کی کتاب پیدائش کے باب نمبر 35 میں ملتا ہے۔ گو کہ حضرت راخیل علیہاالسلام کا یہ مقبرہ بیت اللحم کی حدود میں ہے مگر انتظامی سہولیات کے پیش نظر اسے بیت اللحم سے نکال کر یروشلم کی سرحدی حدود میں رکھ کر اس کے گرد قلعہ نما دیواریں بنا دی گئی ہیں۔ اس مقبرہ کی زیارت کرنے کے لیے سیاحوں کو یروشلم بس ٹرمینل سے اسرائیلی حکومتی بس پر سفر کرنا ہوتا ہے۔ دمشق گیٹ کے عربی بس اڈہ سے کسی بس کو حضرت راخیل علیہاالسلام کے مقبرہ کا روٹ نہیں دیا جاتا۔

یادگار ہیرڈ (Herodium): بیت اللحم کے مضافات میں مگر چھ (6) کلومیٹر دور جہاں صرف بذریعہ ٹیکسی ہی جایا جا سکتا ہے، دو ہزار (2000) سال قبل کے بادشاہ ہیرڈ نے اپنی بیوی کے لیے ایک بہت عجیب سا قلعہ یا رہائش گاہ بنوائی تھی۔ یہ مصنوعی پہاڑ کی شکل میں ہے جس کو حال ہی میں دریافت کیا گیا یا کم از کم پبلک کے لیے کھولا گیا ہے۔ فلسطینی اسے جبل الفریدس کہتے ہیں۔ یہ قلعہ شہنشاہ ہیرڈ نے 23 - 15 قبل مسیح کے دوران تعمیر کیا گیا تھا۔ بعض تاریخ دان یہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ ہیرڈ خود بھی یہیں دفن ہے۔ یہ پہاڑی سطح سمندر سے ڈھائی ہزار (2500) فٹ بلند ہے اور یہودہ پہاڑی سلسلہ میں سب سے اونچی چوٹی اسی کی ہے۔ اس قلعہ کو رومیوں نے 70-71ء میں ہیکل دوئم کے ساتھ ہی تباہ کر دیا تھا۔ چند سال قبل ہی اسرائیلی حکومت نے کھدائی کر کے اس کے نشانات ڈھونڈے اور پھر یہاں پارک بنا کر اسے عام لوگوں کے لیے کھول دیا۔

بیت اللحم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش گاہ (عیسائی روایت)

چرچ المہد: بیت اللحم

چرچ المہد: بیت اللحم

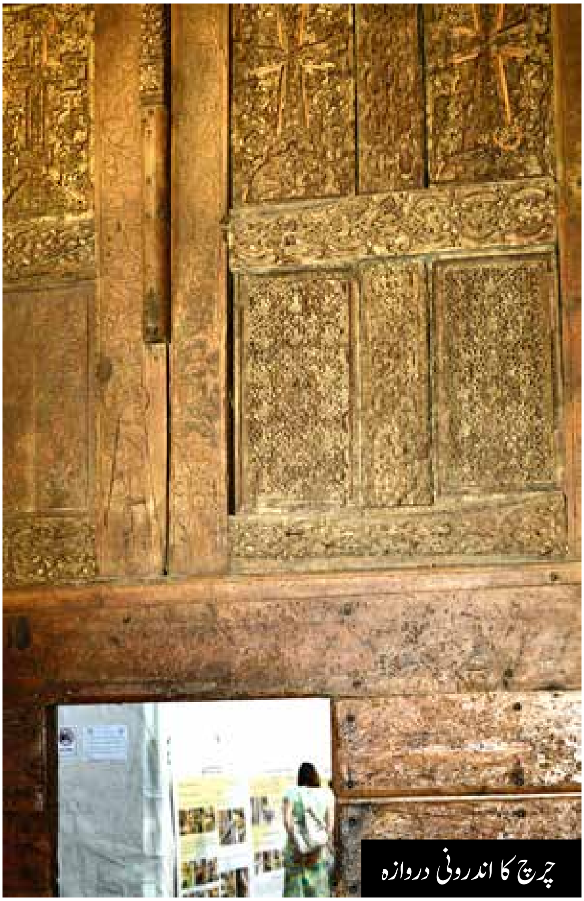

چرچ کا اندرونی دروازہ

چرچ کا بیرونی دروازہ

لوتھران چرچ: بیت اللحم

کیتھرائن چرچ: بیت اللحم

مسجد عمر رضی اللہ عنہ: بیت اللحم

کیتھرائن چرچ: بیت اللحم

چرچ المہد: اندرونی منظر

کیتھرائن چرچ: اندرونی منظر

وہ غار جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی (بشکریہ وکی پیڈیا، جنوری 2011)

بازنطینی دور کا فرش

چرچ المہد: اندرونی منظر

چرچ کے غار کا منظر

چرچ المہد: اندرونی منظر

چرچ المہد: اندرونی منظر

بیار حضرت داؤدعلیہ السلام

حضرت داؤدعلیہ السلام کا کنواں

مغارۃ الحلیب (عیسائی روایت)

مغارۃ الحلیب: اندرونی منظر (عیسائی روایت)

دیوار تفرقہ: بیت اللحم

دیوار تفرقہ: بیت اللحم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے تدفین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم سے نو (9) کلومیٹر دور ایک اور شہر بیت اللحم (Bethlehem) میں چار (4) سال قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ یروشلم ہی کی پتھریلی گلیوں اور قریبی پہاڑیوں میں پروان چڑھے اور 30ء (بعض روایات کے مطابق 33 عیسوی) میں اسی شہر میں مصلوب ہوئے۔ انجیل مقدس کی کتابوں سے بھی ان کی عمر تنتیس سے چھتیس (33 تا 36) سال ہی بنتی ہے۔ قدیم یروشلم میں عیسائیت کا سب سے زیادہ مقدس گرجا گھر، چرچ آف سپوکا، ابھی بھی دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے قابل کشش مقام ہے کیونکہ یہ گرجا گھر عین انھی مقامات کا احاطہ کرتا ہے جہاں عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹایا گیا۔ کیلیں ٹھونکی گئیں۔ مصلوب کیا گیا۔ وفات پا جانے کا یقین ہونے پر آپ علیہ السلام کو صلیب سے نیچے اتارا گیا۔ آپ علیہ السلام کو ایک چٹان پر لٹا کر جسم اطہر پر تیل لگایا گیا (اس زمانے میں شاید غسل اسی طرح ہوتا تھا) اور پھر وہیں آپ علیہ السلام کو دفن کیا گیا تھا۔ روح مبارک تو صلیب پر ہی جدا ہو گئی تھی مگر تین دن کے بعد آپ علیہ السلام کا جسد مبارک آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔

مگر مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے والے واقعے کی تردید کرتے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی سورۃ النساء کی آیات 157 تا 158 بالکل واضح طور پر بتاتی ہیں کہ فی الواقع انہوں نے نہ آپ علیہ السلام کو قتل کیا نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ جن لوگوں نے آپ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے، محض گمان ہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ بیشک انہوں نے آپ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ ان آیات میں بڑے وثوق کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کو زندہ اسی طرح اوپر اٹھا لیا تھا۔ ہاں مگر مسلمان اس امر پر عیسائیت سے اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری ایام میں واپس زمین پر تشریف لائیں گے۔ مسلمانوں کے کئی علما یہ وضاحت کرتے ہیں کہ اللہ پاک کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ اسی طرح کا ایک اور شخص صلیب پر چڑھایا گیا تھا اس وقت کے لوگوں نے یقین بھی کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو گئے ہیں۔ جبکہ مسلمان علما میں سے کچھ اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹا کر کیلیں ٹھونکنے تک کے واقعات تو حقیقت ہیں مگر صلیب کو اٹھایا نہیں گیا تھا کہ آپ علیہ السلام کا جسد مبارک آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

چرچ آف سپوکا (Church of the Holy Sepulchre): عربی میں اسے کنیسۃ القیامہ کہتے ہیں۔ یروشلم کے قدیم شہر میں وہ گرجا گھر جس کی زیارت کے لیے دنیا بھر کے عیسائی اور سیاح پچھلے سولہ سو (1600) سالوں سے ہی اڈے پڑتے ہیں۔ یہ عیسائیت کی سب سے زیادہ مقدس و معتبر جگہ مانی جاتی ہے کیونکہ ان کے ایمان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیاوی قبر مبارک اسی گرجا گھر کے اندر ہے۔ انگریزی میں اس کو سپوکا کہا جاتا ہے۔ قدیم تاریخ کے مطابق 70ء میں جب یروشلم پر رومن افواج نے حملہ کیا، اس کو تاراج کیا اور ہیکل دوئم کو تباہ کیا تو انہوں نے احاطہ بیت المقدس اور اس کے قرب و جوار میں اپنے دیوتاؤں بشمول وینس کے کئی مندر تعمیر کیے تھے۔ بعد میں جب عیسائیت کو سرکاری مذہب کے طور پر روم میں اپنایا گیا تو یہ مندر بھی تباہ کر دیے گئے اور ان کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ مصلوب سے متعلقہ زیارات پر ایک بہت بڑا چرچ بنایا گیا جسے چرچ آپ سپوکا کہا گیا۔ یہ چرچ روم کے بادشاہ کنسٹن ٹائن (Constantine) اول اور اس کی والدہ سینٹ ہیلن (St. Helena) نے اپنے دور حکومت 337ء-306ء کے دوران بنوایا تھا۔

چرچ آف سپوکا تقریباً پچھلی سترہ (17) صدیوں سے اسی جگہ پر قائم ہے گو کہ اس دوران یہ کئی مرتبہ گرایا گیا، تباہ ہوا، وسیع کیا گیا، تبدیل کیا گیا مگر پھر بھی قابل ذکر مقامات میں سے ایک ٹھہرا۔ اس کی عزت و تکریم میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا مگر اس عظیم ورثے کی حفاظت میں مسلمانوں کا کردار ہمیشہ سے ہی قابل ستائش رہا ہے اور یہ عرصہ بھی کوئی کم نہیں بلکہ تیرہ (13)

صدیوں پر محیط ہے۔ امریکہ کے مؤقر اخبار واشنگٹن پوسٹ کی اشاعت مورخہ یکم نومبر 2016ء کا ایک صفحہ دیکھیے:

یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ چرچ آف سپوکا میں چٹان کاٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسد خاکی کے لیے قبر تیار کی گئی تھی۔ آج یہ جگہ دنیا بھر میں مقدس ومحترم ہے مگر اس کے فرش پر خون ہی خون بکھرا رہا ہے۔ اس چرچ آف سپوکا کو بنانے سے قبل یہاں چار بڑے مندر تھے جن میں سے ایک قدیم یونان کی حسن کی دیوی Aphrodite کے نام کا بھی تھا جنہیں کنسٹن ٹائن نے ملیامیٹ کر دیا تھا۔ چرچ آف سپوکا کو بھی کئی بار تباہ کیا گیا۔ نقصان پہنچایا گیا حتیٰ کہ 638ء میں مسلمان خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے بچایا۔ ہاں ایک بار مصر کے فاطمی خلیفہ الحاکم نے 1009ء میں اسے ضرور تباہ کر دیا تھا مگر بعد کے صلیبی حکمرانوں نے اس کو دوبارہ اسی طرح تعمیر کر دیا تھا۔ مگر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ صلیبی حکمرانوں نے آدھے شہر کو قتل کر دیا تھا۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کو بچائے رکھا۔ پھر خوارزمیوں نے اس کو نقصان پہنچایا مگر مسلمان ترکوں کی حکومتوں نے آج تک اس کی حفاظت ہی کی ہے۔

وہ چٹان جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا اس کو کیلوری (Calvary) کہتے ہیں۔ اس جگہ کا دوسرا نام Golgotha ہے اور اس چٹان کا ذکر انجیل کے عہد نامہ جدید میں بھی ملتا ہے۔ چرچ میں داخل ہوتے ہی Stone of Anoiting ملتا ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسد مبارک کو لٹا کر دفنانے کی تیاری کی گئی تھی۔ اسی کو چھونے کے لیے عیسائی ٹورسٹ دنیا بھر سے سفر کر کے یہاں آتے ہیں۔ اس جگہ کو کراس کی تیرہویں منزل بھی کہتے ہیں۔

یہودیوں کے ہیکل اول و دوئم کی طرح چرچ آف سپوکا بھی ایک مرتبہ تباہ ہوا۔ 1009ء کے آخری مہینوں میں مصر کے فاطمی خلیفہ الحاکم نے اس کو تاراج کر دیا تھا کیونکہ ایک مغربی تاریخ دان Rdolfus Glaber کے مطابق آرلینز (Orleans) کے فرانسیسی نسل کے یہودیوں نے کئی بار فاطمی حکمرانوں کو خفیہ پیغامات بھیجے تھے کہ عیسائی ان کی حکومت گرانے کے درپے ہیں۔ پس خلیفہ الحاکم نے یروشلم پر چڑھائی کر دی تھی مگر جلد ہی 28 - 1027ء میں بازنطینی فرمانرواؤں نے اس چرچ کو دوبارہ اسی طرح بحال کر دیا تھا اور خلیفہ الحاکم کے بیٹے خلیفہ الظاہر نے نہ صرف دوبارہ تعمیر کی اجازت دی تھی بلکہ بہت سی مالی امداد بھی کی تھی۔ بڑے چرچ کی اسی بے حرمتی اور تباہی کا سن کر یورپ کی تمام مسیحی حکومتیں واویلا کرنے لگی تھیں بلکہ پوپ Serguid iv نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی اپنی حکومتوں سے باہر نکال دیں۔ تقریباً سو سال بعد صلیبی جنگیں شروع ہوئیں تو مورخیں نے محسوس کیا تھا کہ صلیبی حملہ آوروں کے ذہن سے یہ واقعہ سو سال تک بھی نکل نہ سکا تھا جو نسل در نسل عیسائیوں کے ذہنوں پر چھایا رہا تھا۔ یعنی 1099ء میں صلیبی حملہ آوروں نے نوے (90) سال پرانی اسی پرخاش کا بدلہ لیا تھا۔

چرچ آف سپوکا، قدیم یروشلم کے عیسائی کوارٹر میں واقع ہے اور اس کی انتظامیہ میں بہت سے عیسائی فرقوں کو نمائندگی حاصل ہے جن میں قدامت پسند یونانی فرقہ، رومن کیتھولک فرقہ، قدامت پسند آرمینین فرقہ نمایاں ہیں مگر ایتھوپیا کے چرچ، مصری چرچ اور قدامت پسند شامی فرقے کے لوگ بھی اپنی اپنی نمائندگی رکھے ہوئے ہیں۔ ایک Status Quo آرڈر تین صدیوں سے ان میں توازن برقرار رکھے ہوئے ہے جس کے تحت طے ہے کہ ہر فرقہ کب اور کہاں عبادت کرے گا۔ کون سی لائٹ کون جلائے گا۔ کون کہاں موم بتیاں رکھے گا اور کب جلائے گا بلکہ یہاں تک کہ کون سے رنگ کی فرشی ٹائلوں پر کون کب قدم رکھ سکے گا وغیرہ وغیرہ

یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ ان فرقوں کے مابین لڑائیاں بہت بار چرچ سے نکل کر گلیوں تک بھی جا پہنچیں۔ پہلے پہل یہ کم تھیں مگر 1846ء کے بعد تو بلوے بھی ہوتے رہے۔ چھریاں اور پستول تک بھی چھپ چھپا کر چرچ کے اندر پہنچے اور لڑائی میں استعمال بھی ہوئے اور وہ بھی اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر کہ سیڑھیاں کس نے کب صاف کرنا تھیں۔ کارپٹ کے ٹکڑے یہاں سے وہاں کیسے پہنچے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار مبارک تک جانے کے

جلوس کی قطاروں کی ترتیب کیوں ٹوٹی۔ 260 سال پرانا Status Quo ابھی بھی مقدس ہے اور اسی کے تحت آج بھی چرچ کا نظام چلتا ہے گو کہ کبھی کبھار بات پولیس تک جا پہنچتی ہے۔

باوجود اس کے کہ وہاں عیسائیوں کے مابین بہت سے اختلافات ہیں مگر سیاح خواہ کسی بھی ملک یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں جب اندر داخل ہوتے ہیں تو ایک جادوئی کیفیت محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ روحانیت کی ایک رو سب کے جسموں میں سرایت کرتی ہے اور بندہ کھلی آنکھوں نیند کے ہلکورے لیتا محسوس کرتا ہے۔ پراسراریت بھی وہ کہ جس میں دو ہزار (2000) سالوں کی مذہبی وثقافتی تاریخ سموئی ہوئی ہے۔ روایاتی طور پر یونان اور روم کی افواج نے یروشلم کو اللہ پاک کے نام پر ہی حاصل کرنا چاہا تھا اسی روحانی و مذہبی مقصد کے پیش نظر ہزاروں گردنیں کٹ گئیں۔ لاکھوں جسم یا تو چھلنی ہوئے یا بے آبرو مگر سچ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مقاصد میں مخلص نہ تھے۔ آج کی سیاست کی طرح تب بھی حکمرانی کی ہوس اور مال وزر کی لوٹ مار کی منصوبہ بندیاں ہوئی تھیں۔ صرف اتنا کہ 1149ء میں صلیبی حکمرانوں نے اس چرچ کو دوبارہ تعمیر کرتے ہوئے مذہبی جذبات کو فوقیت دی تھی۔ اس کے بعد رومن کیتھولک لوگوں نے 1555ء میں خاص توجہ دی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقبرہ (Aedicule) بہت بہتر بنا دیا تھا مگر پھر بھی ان کی قدامت پسند یونانی فرقہ سے جنگ عروج پر رہی کہ ترک خلافت سے جاری ہونے والے فرمان کن کے لیے بہتر رہے اور کب تک۔ آخر کار 1767ء میں ایک فرمان تفصیل سے جاری ہوا جس کو Status Quo کہا گیا اور ہر فرقہ کی حدود کا تعین ہو گیا جو ابھی تک اسی شدت سے فافذ العمل ہے۔

1808ء میں چرچ آف سپوکا کے اندر بڑی شدید آگ بھڑک اٹھی تھی بلکہ اتنی خوفناک کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے تدفین کی تمام بیرونی خوبصورت ختم کردی اور اب بھی اس عمارت کی ایک سائیڈ کھنڈر نما ہے۔ اس آگ کی وجہ سے چرچ کا بڑا گنبد بھی گر گیا تھا۔ چرچ کا موجودہ گنبد لوہے کی چادروں کا بنا ہوا ہے جسے یونانی چرچ اور ترک حکومت نے 1968ء میں ازسرنو تعمیر کروایا تھا۔ 1959ء سے چرچ کی بڑی مرمت وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے مگر 97 - 1994ء کے دوران بہت کام ہوا۔ اس چرچ کی بڑی گھنٹی مین دروازے کے بائیں ہاتھ سامنے ہی نظر آ جاتی ہے۔ تاریخی اعتبار سے صدیوں سے ہی چرچ کے دو داخلی راستوں کی نشاندہی ہوتی آئی ہے۔ دونوں دروازے ایک ساتھ ہی سامنے کی دیوار میں نظر آتے ہیں مگر اندر جانے کے لیے پرانی لکڑی کا ایک ہی دروازہ کھلا ملتا ہے۔ دوسرا دروازہ اینٹوں کی چنائی کر کے بند کر دیا ہوا ہے مگر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ یہ کب بند ہوا تھا اور کس نے بند کروایا تھا۔ قدیم شہر میں ہونے کے ناطے چرچ آف سپوکا بھی یونیسکو کے اعلیٰ ترین ثقافتی ورثوں میں سے ایک ہے۔

جبل کیلوری (Calvary / Golgotha): چرچ آف سپوکا میں داخل ہوتے ہی سیاح دائیں ہاتھ میں اوپر جاتی ہوئی تنگ و تاریک سیڑھیوں کا رخ کرتے ہیں جو انہیں چرچ کے خوبصورت ترین اور مزین حصے میں لے جاتی ہیں۔ یہاں ماحول بہت سوگوار ہوتا ہے۔ زائرین کی آہیں اور سسکیاں بھی سننے کو ملتی ہیں۔ اس لیے کہ سامنے لگی بڑی صلیب کے پیچھے وہ پہاڑی مقام ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اسی پہاڑی کو ہی Calvary کہتے ہیں۔ اس عبادت گاہ کے کمرے کو صلیب کا بارہواں (12) مقام بھی کہتے ہیں۔ ان تمام جگہوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے الگ الگ عبادت گاہیں بنا دی ہوئی ہیں ایک پر رومن کیتھولک کی چھاپ ہے اور دوسری پر قدامت پسند یونانی فرقہ کا کنٹرول ہے۔ بڑے شیشے کے پیچھے اصلی چٹان بھی نظر آتی ہے اور سامنے پڑے Altar کے پیچھے ایک بڑا سا سوراخ بھی ہے یعنی چٹان کے اسی حصے میں صلیب کھڑی کی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے Aedicule کے بعد سب سے زیادہ رش اسی جگہ پر ہوتا ہے۔ اس جگہ کے ساتھ ہی وہ زیارت بھی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم مبارک کو صلیب پر باندھ کر کیلیں ٹھونکی گئی تھیں۔ اس کو صلیب کا گیارہواں (11) مقام کہتے ہیں۔ دونوں عبادت گاہوں کے بالکل درمیان میں حضرت مریم علیہا السلام کا مجسمہ ایستادہ ہے جس کے بارے میں عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ اس مجسمے میں پراسرار قوت جگہ بنائے ہوئے ہے۔

اوپر کی منزل پر کیلوری کے بالکل نیچے چرچ کے گراؤنڈ فلور پر حضرت آدم علیہ السلام کی عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ روایت کے طور پر مشہور ہے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو جس جگہ مصلوب کیا گیا تھا اس چٹان کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام کا سر مبارک دفن تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون سے حضرت آدم علیہ السلام کا سر مبارک بھیگ گیا تھا۔ سامنے لگے شیشے میں چٹان میں بنا ہوا ایک کریک بھی نظر آتا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے اور خون بہہ کر نیچے آیا تو چٹان زلزلے کی طرح لرزتی رہی تھی۔ سیاح اس چٹان کو چھو کر روحانیت کی بلندیوں پر پہنچنا محسوس کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تدفین کی تیاری (Stone of Anointing):

چرچ آف سپوکا کے مین گیٹ سے داخل ہوتے ہی سیاح جس زیارت کو سب سے پہلے دیکھتے ہیں وہ سامنے ڈیوڑھی میں ہی پڑا ہوا مستطیل سرخ پتھر ہے۔ دراصل اس پتھر کی سل کے نیچے کیلوری پہاڑی کی وہ جگہ ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب سے اتار کر لٹایا گیا تھا۔ یہ سرخی مائل پتھر کی سل تو 1810ء میں یہاں رکھی گئی تھی۔ لٹائے جانے کے بعد جوزف نامی ایک حواری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم سے خون صاف کیا پھر تیل لگایا گیا۔ اس وقت شاید یہی رواج ہوتا ہوگا اور پھر Aedicule میں لے جا کر دفن کرنے کی باقی تیاریاں مکمل کی گئی تھیں۔ اس ڈیوڑھی کے پیچھے دیوار پر بڑی قدآور پینٹنگز لگائی گئی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری لمحات کی عکاسی کرتی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ دیوار یہاں پر نہیں ہوتی تھی مگر 1808ء کی بڑی آگ کی وجہ سے چرچ کے بوسیدہ ہوتے ہوئے ایک محراب کو گرنے سے بچانے کے لیے یہ دیوار عارضی طور پر بنائی گئی تھی۔ مگر عیسائی فرقوں کے اختلافات کی وجہ سے اس دیوار کو ہٹانے کی کوئی پلاننگ نہیں کی جا سکی۔ اس دیوار کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے Aedicule اور بڑے گنبد کے نیچے عالی شان عمارت براہ راست دیکھی نہیں جاسکتی اور چرچ کا تمام حسن ماند پڑا ہوا ہے۔ اس ڈیوڑھی میں بائیں طرف ایک بہت پرانا بنچ پڑا ہوا ہے جہاں بنیادی طور پر اس چرچ کا چابی بردار مسلمان بیٹھا کرتا ہے۔

Aedicule: چرچ آف سپوکا کا سب سے اہم مقام اس کے اندر بنی ہوئی ایک اور چھوٹی سی آزاد بلڈنگ ہے جو کیلوری چٹان کے اس حصے پر بنائی ہوئی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیاوی انداز میں دفنایا گیا تھا۔ یہ قبر دراصل چٹان کو ہی کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اسی عمارت کے اوپر چرچ کا بڑا گنبد واقع ہے۔ زائرین قطاروں کی شکل میں اس کے چھوٹے سے دروازے سے گزر کر اندر جاتے ہیں۔ ایک وقت میں چار سے پانچ نفوس ہی اندر موجود ہو سکتے ہیں۔ اس لیے وہاں دربان آپ کو کھڑا نہیں ہونے دیتے۔ ذرا سی دیر رکنے کے بعد وہ آپ کو چلتا کرتے ہیں تاکہ باقی لوگوں کو بھی اندر آنے کا موقع مل سکے۔ اس چھوٹی سی عمارت میں دو کمرے ہیں۔ پہلے میں آپ کو Anvel's Stone ملتا ہے۔ یہ اس بڑے پتھر کا حصہ ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ڈھکی ہوئی ہے۔ اگلے کمرے میں قبر مبارک ہے۔ بس ایک پتھر کی بڑی سلیٹ نظر آتی ہے۔ اصل قبر تو اس کے نیچے ہے۔ بہت عرصہ قبل سے یہاں آنے والے زائرین تبرک کے طور پر چٹان کا چھوٹا موٹا ٹکڑا ساتھ لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اس رجحان کو روکنے کے لیے چودھویں صدی عیسوی میں بازنطینی حکمرانوں نے یہ ماربل کی بڑی سلیٹ اس کے اوپر رکھوا دی تھی جو ابھی تک بھی اپنی جگہ پر ہے۔

عام سیاحوں اور زائرین کا یہاں آنا تو اپنی جگہ مگر انتظامیہ میں شامل فرقے اپنے رواجوں کے مطابق یہاں کوئی نہ کوئی تقریب بپا کیے رکھتے ہیں۔ تب زائرین کو باہر ہی روک دیا جاتا ہے جب تک وہ رسم یا فنکشن ختم نہ ہو جائے۔ تمام فرقوں کو Aedicule تک رسائی حاصل ہے مگر تاریخی اعتبار سے باہر کے ایک اور عیسائی فرقے، جن کو جارجین (Georgians) کہا جاتا ہے کے پاس بھی اس Aedicule کی ایک چابی ہوتی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہوا، تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی چرچ کے لوگ اس بارے میں کوئی معلومات رکھتے ہیں۔

متذکرہ بالا ماربل کی سلیٹ 1555ء کے بعد پہلی بار 2016ء میں اٹھائی گئی تھی تاکہ نیچے لحد یا غار کے حالات دیکھے جاسکیں اور اندرونی طور پر اگر مرمت درکار ہو تو کی جا سکے۔ مگر سب کے لیے حیرانی کا مقام تھا کہ ماربل سلیٹ کے نیچے غار یا قبر کی دیواریں بالکل اسی طرح پائی گئی تھیں جیسے دو ہزار سال قبل چھوڑی تھیں۔ کہیں سے کسی دیواروں کے بھرنے یا گرنے کا کوئی نشان تک نہ تھا۔ ماربل سلیٹ اسی وقت اسی طرح بند کر دی گئی تھی۔

مقامات صلیب (Stations of the Cross):

عیسائیت کی مذہبی تاریخ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے سے قبل اپنی صلیب خود اٹھا کر کیلوری ہل تک آنے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ راہ ملال یعنی Via Dolorosa سے شروع ہو کر مصلوب ہونے تک کے فاصلے کو تیرہ (13) مقامات سے منسوب کیا گیا ہے۔ چند سالوں تک تو یہ مقامات تیرہ (13) ہی تھے مگر اب ان کو چودہ (14) اور کہیں پندرہ (15) مقامات بھی کہا جاتا ہے۔ مقامات کا مطلب یہ ہے کہ راستے میں صلیب اٹھا کر جو واقعات رونما ہوئے ان کو امر کر دیا گیا ہے۔ یعنی دوسرا اسٹیشن وہ ہے جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب تھمائی گئی تھی اور آپ علیہ السلام کے چلتے چلتے کہیں پر رکنے کا مقام، کہیں لڑکھڑا کر گرنے کا مقام، کہیں تھک کر بیٹھنے کی کوشش کرنے کا مقام، کہیں خواتین سے ملنے کا مقام، اپنی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام سے ملنے کا مقام، صلیب پر لٹا کر کیلیں ٹھونکے جانے کا مقام، صلیب سے نیچے اتار کر تیاری کیے جانے کا مقام، پھر قبر میں اتارنے کا مقام۔ گویا صلیب کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس سفر آخرت کو عیسائیت میں نہایت مقدس قرار دیا گیا ہے۔ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کو پندرھواں (15) مقام قرار دیا گیا ہے۔ 1991ء میں پوپ جان پال دوئم نے صلیب کے سفر کو انجیل کے مندرجات کی روشنی میں دوبارہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا اور یہ کہ پوپ جان پال دوئم 2005ء میں اپنی موت تک ہر سال خود یروشلم آ کر راہ ملال پر صلیب اٹھا کر خود چرچ آف سپوکا تک کا سفر طے کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عملی طور پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے۔ 2007ء میں پوپ بینیڈکٹ شانزدہم (Benedict xvi) نے ایک اور مقام فہرست میں شامل کرایا تھا۔

پچھلے متن میں کیلوری کے بالکل نیچے حضرت آدم علیہ السلام کی عبادت گاہ کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہوئی کہ اس جگہ پر کئی صلیبی حکمران دفن ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہتے ہوئے خون سے حضرت آدم علیہ السلام کے سر مبارک کے بھیگ جانے کی روایت نہ جانے کب اور کیسے پڑی مگر اتنا ضرور ہوا کہ کیلوری کا نام Golgotha بھی مشہور ہو گیا جس کا لاطینی زبان میں مطلب تھا کاسہ سر کی جگہ یعنی The Place of the Skull۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قید خانہ: اسی چرچ آف سپوکا کی شمال مشرقی سمت میں ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قید خانہ کے طور پر مشہور ہے جسے رومن کیتھولک فرقے والے سچ مانتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو مصلوب کیے جانے سے قبل رات کے کچھ حصے کے لیے یہاں رکھا گیا تھا۔ مگر قدامت پسند یونانی فرقہ اس سے اختلاف کرتا ہے۔ ان کے مطابق وہ قید خانہ یا جیل ایک پریٹوریم میں تھی جو راہ ملال پر دوسرے اور تیسرے مقام کے درمیان میں پڑتی ہے۔ قدامت پسند آرمینین ان دونوں سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ قید خانہ تھا تو راہ ملال پر ہی مگر اس کا مقام ایک اور قریبی جگہ Monastery of Flagellation میں تھا۔ عیسائیوں کے کچھ راہب ان تینوں سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جبل صیہون کے ایک سیل میں رکھا گیا تھا۔ یہ اختلافات شاید کبھی بھی ختم نہ ہوں پس ان راہبوں نے اپنی جگہوں پر اپنے اپنے پیروکاروں کے لیے عقیدت مندی کے نشانات لگائے ہوئے ہیں۔

دیر السلطان (Deir es-Sultan): چرچ آف سپوکا کی چھت پر بہت قدیم وضع کے پرانے پرانے کمرے موجود ہیں جن میں سے صدیوں سے ہی روشنی یا ہوا کا گزر نہیں ہوا ہوگا۔ ان میں کچھ لوگ نسل در نسل رہتے آ رہے ہیں کیونکہ 260 سال پرانا Status Quo یہاں بھی نافذ العمل ہے۔ ماضی قریب میں یہاں کئی جھگڑے ہوئے۔ پولیس اور عدالتوں تک بھی بات پہنچی کیونکہ محکمہ عمارات نے یہاں رہنا انتہائی Risky قرار دیا ہوا ہے۔ یہ چھتیں اتنی بوسیدہ ہیں کہ کبھی بھی گر سکتی ہیں اور یہاں کے پجاری (Monks) کسی کو مرمت کے لیے بھی اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔ یہ لوگ ایتھوپیا کے عیسائی ہیں مگر مصری عیسائی بھی ان پر اپنا حق جتاتے رہتے ہیں۔ 1970ء میں اسرائیل کی ایک عدالت نے ایتھوپیا والوں کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ بی بی سی کی ایک دستاویزی فلم مورخہ 19 اکتوبر 2008ء ان عیسائیوں پر ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ لوگ 1808ء سے

انہیں کمروں میں نسل در نسل رہ رہے ہیں۔ یہ کمرے دوسو (200) سالوں سے مرمت بھی نہیں کیے جا سکے۔

فلپس کا مقبرہ (Philip's Tomb): چرچ آف سپوکا کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سیڑھیوں کے ساتھ ایک کمرے کا دروازہ ہمیشہ بند ملتا ہے مگر اس پر ایک تحریر شدہ لکڑی کا بورڈ بہت نمایاں ہے۔ یہ دراصل ایک انگریزی اتالیق Philips Aubign کی قبر ہے جو 1236ء میں فوت ہوا تھا اور برطانیہ کے بادشاہ ہنری سوئم کا استاد تھا جس نے میگنا کارٹا (Magna Carta) پر دستخط کیے تھے۔ استاد جی نے یہاں دفن ہونے کی اجازت مانگی تھی جو مل گئی، دفن بھی ہو گئے مگر کبھی کسی کو یہاں دعا کرتے نہیں دیکھا گیا۔

سینٹ ہیلن کی عبادت گاہ (Chapel of St. Helena):
چرچ آف سپوکا میں عیسائیوں کے لیے ایک اور قابل ذکر زیارت سینٹ ہیلن کی عبادت گاہ ہے۔ اس خاتون کے نام کی جس نے چرچ آف سپوکا اور بیت اللحم کا چرچ المہد خود اپنی نگرانی میں بنوائے تھے۔ ممکن ہے پہلے بھی یہاں کسی عبادت گاہ کے نشان ہوں مگر اب جو عبادت گاہ سیاحوں کو دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ بارہویں صدی عیسوی میں بنائی گئی تھی۔ اس کے ایک کونے میں ابھی بھی وہ سترہ سو (1700) سال پرانی کرسی پڑی دیکھی جا سکتی ہے جس پر بیٹھ کر سینٹ ہیلن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس مخصوص صلیب کو گھنٹوں دیکھتی رہتی تھی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے۔ 78 - 1973ء کے دوران یہاں کھدائی کرتے ہوئے ایک بہت بڑے ہال کے نشانات ملے جن میں دوسری صدی عیسوی کے ہیڈرین بادشاہ کے دور میں بنے ہوئے ایک مندر کی باقیات تھیں اور یہیں سے چوتھی صدی عیسوی کے دور کی ایک بڑی دیوار کی نشاندہی ہوئی جس نے دراصل کنسٹن ٹائن کے پہلے چرچ آف سپوکا کو سہارا دیے رکھا تھا۔ 2017ء میں اس عبادت گاہ کی بڑی مرمت کے دوران اندر کے فرشوں پر سفید ماربل کا کام کر کے نیا پن دکھایا گیا ہے۔

لکڑی کی چھوٹی سیڑھی: سیاح جب چرچ آف سپوکا جاتے ہیں تو اندر داخل ہوتے ہوئے ان کی نظر بڑے دروازے کے اوپر لگی ایک چھوٹی لکڑی کی سیڑھی پر ضرور پڑتی ہے جو تقریباً تین صدیوں سے اسی جگہ پر اسی طرح پڑی ہے۔ سیڑھی سامنے والی دیوار میں دو کھڑکیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ 1831ء تک تو یہاں عیسائی Monks رہا کرتے تھے جو اپنا کھانا اسی سیڑھی کے ذریعے سے وصول کرتے تھے۔ پھر اس سیڑھی کا ذکر 260 سالہ پرانے Status Quo میں آ گیا۔ چرچ آف سپوکا کے عیسائی فرقے آج تک بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ اس سیڑھی کو کس طرح اتارا جائے۔ پس یہ اسی جگہ پڑی عیسائی فرقوں کے اعلیٰ اتفاق کا ماتم کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ پوپ پال چہارم نے ان سب فرقوں کو فرداً فرداً التجا کی تھی کہ دنیا بھر میں عیسائیت کا تماشہ نہ بنائیں اور اس سیڑھی کو یہاں سے اٹھوا لیں مگر پھر بھی یہ فرقے راضی نہ ہو سکے تھے۔

چرچ آف سپوکا کون کھولتا ہے: بہت کم لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہوگا کہ عیسائیوں کے سب سے بڑے گرجا گھر سپوکا کے دروازے دو مسلمان خاندانوں کے افراد کھولتے اور بند کرتے ہیں اور یہ فریضہ صدیوں سے انہی خاندانوں کے ذمہ ہے۔ ایک مسلمان ادیب جودہ کے خاندان میں پچھلے آٹھ سو سال سے (کم از کم) لوہے کی ایک فٹ لمبی پرانی چابی وراثت کے طور پر چلی آ رہی ہے۔ ان کے بڑے بیس پچیس نسلوں سے اس چابی کو سنبھالتے آئے ہیں اور ہر صبح چرچ کا دروازہ کھولتے ہیں۔ یہ ایک روایت بھی ہے اور بہت بڑا اعزاز بھی۔ 31 جولائی 2012ء کے دن کی کیتھولک عیسائیوں کی سرکاری ویب سائٹ کیتھولک آن لائن دیکھیے:

عیسائیوں کے گڑھ قدیم یروشلم میں چرچ آف سپوکا کے منتظمین فرقے صدیوں سے آپس میں لڑتے آئے ہیں اور اب بھی لڑتے ہیں۔ پس چرچ کی چابی تب سے ہی ایک مسلمان خاندان کے پاس ہے اور یہودی پولیس کو امن قائم کرنے کے لیے اکثر یہاں آنا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ وہ چھوٹی سی سیڑھی بھی مل کر نہیں اٹھوا سکے جو 262 سال سے یہاں پڑی مذہبی

روایات کا منہ چڑا رہی ہے۔

ادیب جودہ کا مسلمان خاندان چرچ آف سپوکا کی چابیاں 1187ء سے سنبھالتا آ رہا ہے جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے عیسائی فرقوں کی آپس کی لڑائیوں کے سبب چابیاں اس مسلمان خاندان کو دی تھیں۔ یہ جھگڑے ہی قدامت پسندوں اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین ہیں۔ پروٹسٹنٹ تو اس چرچ آف سپوکا میں آتے ہی نہیں۔سی این این ٹیلیویژن کا ایک نمائندہ 26 مارچ 2016ء کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

کہ قدیم یروشلم میں جافا گیٹ کے اندر میری ملاقات ادیب جودہ سے ہوئی یہ صبح ساڑھے تین بجے کا وقت تھا۔اس کے پاس پرانے لوہے کی بارہ انچ لمبی چابی گذشتہ پانچ سو(500) سال سے ہے (غالباً آٹھ سو سال پرانی چابی ٹوٹ گئی ہو گی پھر نئی بنوائی گئی ہو گی)۔ چابی کا مثلث نما ہینڈل ہے اور ایک طرف سے مربع شکل کی ہے جسے لے کر وہ روزانہ چرچ آف سپوکا کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔

ادیب جودہ کی اہمیت اپنی جگہ اٹل ہے۔اس نے اپنے گھر میں ایک نہایت ہی قدیم فولڈر رکھا ہوا ہے جس میں ہر دور کے بادشاہوں اور قابل ذکر لوگوں کے تاثرات لکھے ہوئے ملتے ہیں۔حتیٰ کہ ایک تحریر سنہری روشنائی میں لکھی ہوئی 1517ء کی تاریخوں میں بھی ملتی ہے اور بلاشبہ یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ان کے بڑوں کو یہ فریضہ اس لیے سونپا گیا تھا کہ چرچ کے پہرے دار غیر جانبدار ہوں۔ اس نے اس چابی کو رکھنے اور چرچ کا دروازہ کھولنے کے آداب اپنے باپ سے سیکھے اور اب وہ اپنے بیٹے کو یہی کچھ سکھا رہا ہے۔حیرت کی بات یہ ہے کہ چرچ عیسائیوں کا ہے،اس کی ذمہ داری و رکھوالی مسلمانوں کے پاس ہے اور وہاں امن برقرار رکھنے کا کام یہودیوں کو کرنا پڑتا ہے۔ادیب جودہ نے واضح کیا کہ

جب ہم چابی اگلی نسل کے حوالے کرتے ہیں تو صرف چابی ہی نہیں بلکہ یہ تعلیم و تہذیب بھی ان کو سکھاتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کی عزت و توقیر کس طرح کرنا ہے۔ جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یروشلم کی چابیاں ان سے لی تھیں تو ان کو یہ یقین دہانی بھی کرائی تھی کہ عیسائیوں کی عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی۔ پس ہم مل جل کر ایک دوسرے کو عزت دیتے ہیں۔امن اور پیار بانٹتے ہیں اور یہی تو ہمارا اسلام ہے۔

ایک اور حقیقت: چرچ آف سپوکا کے دروازے کھولنا صرف ادیب جودہ کی ہی ذمہ داری نہیں۔اس کے ذمہ چابی کی حفاظت اور وہاں تک لے کر جانا ہے۔وہاں پہنچنے پر چابی ایک اور مسلمان کے حوالے کی جاتی ہے جس کی ذمہ داری چابی لگا کر دروازہ کھولنا ہے۔اس شخص کا نام نصیبہ وجیح (Wajeeh Naseibeh) ہے۔نصیبہ ہر صبح اس وقت وہاں پہنچ کر ادیب سے چابی لیتا ہے۔ایک چھوٹی سی لکڑی کی سیڑھی پر چڑھ کر دروازہ کھولتا ہے اور ساتھ ہی زائرین کا جم غفیر اندر داخل ہو جاتا ہے۔یہ ڈیوٹی ہر صبح شام دہرائی جاتی ہے۔

راہ ملال (Via Dolorosa): راہ ملال قدیم یروشلم کے بیچوں بیچ اس راستے کا نام ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی صلیب خود اٹھا کر کیلوری پہاڑی تک گئے تھے۔راہ ملال قدیم شہر کی باہر کی فصیل میں واقع لائنز گیٹ یعنی باب الاسباط سے شروع ہوتا ہے۔یہ صرف چھ سو(600) میٹر راستہ ہے مگر شاید عیسائیت کے پیروکاروں کے لیے سب سے اہم اس لیے ہے کہ صلیب کے تیرہ (13) میں سے نو (9) مقامات (Stations) اسی راستے پر آتے ہیں۔ جہاں جہاں بھی صلیب کے یہ مقام آتے ہیں انتظامیہ نے زائرین اور سیاحوں کی سہولت کے لیے نشانات اور رہنما تختیاں نصب کی ہوئی ہیں۔گھوم پھر کر جانے والا یہ راہ ملال کہیں کہیں بہت تنگ گلیوں سے ہو کر گزرتا ہے اور کہیں نہایت مصروف بازاروں کے درمیان سے، جہاں آپ دوسروں کو پیچھے بھی نہیں کر سکتے۔کہیں سیڑھیاں اور اکثر چڑھائی زائرین کو تھکا دیتی ہے۔مگر پھر بھی لوگ اس راستہ پر چلنا سعادت خیال کرتے ہیں۔ زندگی بھر کے ایک انوکھے تجربے کی رعنائیاں سمیٹنے کے لیے۔

مسجد عمر فاروق رضی اللہ عنہ: خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ آج کل کے حساب سے تمام شام، اردن اور فلسطین کی سرزمین سے گزر کر اسلامی فوجوں نے یروشلم کے دروازے پر جا دستک دی تھی۔ شام کے گورنر نے یروشلم کے راہب انچارج Sophornius کو پہلے ہی پیغام بھجوا رکھا تھا کہ وہ ریاست مدینہ منورہ کی حاکمیت کو تسلیم کر لیں۔ انہوں نے یروشلم کے شہر کا محاصرہ بھی کر لیا تھا۔ اس دوران عیسائی راہب یروشلم نے مسلم افواج کے کمانڈر کو پیغام بھجوایا کہ وہ ہتھیار ڈالنے کو تیار ہیں لیکن اگر خلیفہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود یہاں یروشلم آ جائیں تو میں شہر کی چابیاں ان کے حوالے کر دوں گا۔ خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک بات پہنچی تو انہوں نے ہاں کر دی اور 638ء میں یروشلم پہنچ گئے اور پھر چرچ آف سپوکا کے صحن میں راہب یروشلم نے خلیفہ رضی اللہ عنہ کا استقبال بھی کیا اور شہر کی چابیاں بھی ان کے حوالے کر دیں۔ راہب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو چرچ کے اندر آنے کی بھی دعوت دی تا کہ دعا ہو جائے۔

دریں اثنا ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چرچ کے اندر جانے کی بجائے اس چرچ کے صحن کے ایک کونے میں تشریف لے گئے۔ اذان ہوئی، جماعت کھڑی کی گئی جس کی امامت خود خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کروائی اور دعا فرمائی۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی تھی کہ مسلم افواج کو واضح پیغام مل گیا کہ انہوں نے عیسائیوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرنی ہے اور ان کی عزت بھی۔ اس دن کے بعد سے مسلمانوں نے یروشلم پر تیرہ سو (1300) سال حکومت کی مگر کسی گرجا گھر کو نقصان نہیں پہنچا۔ جبکہ صلیبی حکمران صرف نوے سال (1099- 1187) کے لیے آئے تھے مگر انہوں نے روز اول سے ہی حرم شریف میں بیت المقدس کو چرچ آف دی لارڈ بنا ڈالا تھا۔

صلیبی حکمرانوں کی حکومت کے دوران ہی اس کونے اور اس جگہ کو چرچ آف سپوکا کے صحن سے نکال دیا گیا جہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی تھی۔ درمیان میں دیوار کھڑی کر دی گئی تو مسلمانوں نے اس جگہ پھر باقاعدہ مسجد عمر فاروق رضی اللہ عنہ بنا دی۔ اس کا مینار بھی پندرہ میٹر اٹھایا گیا مگر آج تک چرچ اور اس مسجد کے مابین کبھی کوئی جھگڑا یا اختلاف نہیں ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک اور جائے تدفین: عیسائیت کی اکثریت اس امر پر یقین رکھتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس جگہ مصلوب کیا گیا اور جہاں ان کو دفنایا گیا وہ چرچ آف سپوکا کے اندر کی چٹانیں ہی تھیں مگر ایک دوسرا گروہ جن میں اکثریت پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی ہے، بہت پختہ یقین رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب تو کسی اور جگہ کیا گیا تھا مگر ان کی تدفین چرچ آف سپوکا میں نہیں بلکہ Garden Tomb والی جگہ پر کی گئی تھی اور یہیں ایک غار میں ان کی میت رکھی گئی تھی جہاں سے ان کا جسد خاکی آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ یہ گارڈن مقبرہ، قدیم یروشلم کے باب العمود یعنی دمشق گیٹ کے تقریباً سامنے دوسو گز دور ایک اونچی چار دیواری کے اندر ہے جس میں ایک پہاڑی کی کھوہ میں حضرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تدفین کی جگہ بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ آج کل برطانیہ کی ایک ٹرسٹ اس کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں جب سال 1867ء میں اس گارڈن مقبرے کی پہلی بار نشاندہی ہوئی مگر ان پہاڑیوں کی پراسراریت کے بارے میں تو آٹھویں صدی عیسوی سے کئی قصے کہانیاں مشہور تھیں۔ اسی گارڈن میں بارہویں صدی کے صلیبی حکمرانوں کے دور کے پانی کے سٹوریج بھی ملتے ہیں مگر چرچ آف سپوکا کو تو لوگ چوتھی صدی عیسوی سے جانتے ہیں اور زیادہ تر عیسائی ادھر جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے بھی کہ تاریخ میں کوئی بھی مستند حوالہ اس جگہ کا نہیں ملتا کہ جسے چرچ آف سپوکا کے مقابل میں رکھ کر پرکھا جا سکے۔ بلکہ یہاں پر تو ایک سادہ سی عبادت گاہ بھی 1894ء میں پہلی بار بنائی گئی۔ کچھ پرانی قبروں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے مگر ان کا دور تو سات صدی قبل مسیح یعنی جرمیاہ اور عیسائیہ حکومتوں کا بنتا ہے جبکہ یسوع مسیح علیہ السلام تو بہت بعد میں تشریف لائے اور مصلوب ہوئے۔

بہت سے اور حقائق اور ان کے تجزیہ کی رو سے گارڈن مقبرے پر زائرین اور سیاحوں کی نگاہ اس مقدس حوالے سے نہیں ٹھہرتی کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تدفین ہوئی ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مزار مبارک (عیسائی روایت)

کنیسۃ القیامہ (مزار والا چرچ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار کا داخلی راستہ (عیسائی روایت)

مسجد عمر رضی اللہ عنہ

مزار عیسیٰ علیہ السلام کا راستہ (عیسائی روایت)

مسجد عمر رضی اللہ عنہ

مقدس پتھر جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیل ملا گیا (عیسائی روایت)

مزار عیسیٰ علیہ السلام: گنبد کا اندرونی منظر

چرچ کا سوگوار ماحول

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لحد مبارک یہاں ہے (عیسائی روایت)

چرچ کا اندرونی منظر: سینکڑوں سال قدیم

ہیلن کی عبادت گاہ

صدر دروازہ

کسی پرانی عبادت گاہ کے کھنڈرات

مزار عیسیٰ علیہ السلام کا صحن (عیسائی روایت)

نبی آدم علیہ السلام کے سر مبارک کی جگہ (اسرائیلی روایت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مزار اور لحد مبارک (عیسائی روایت)

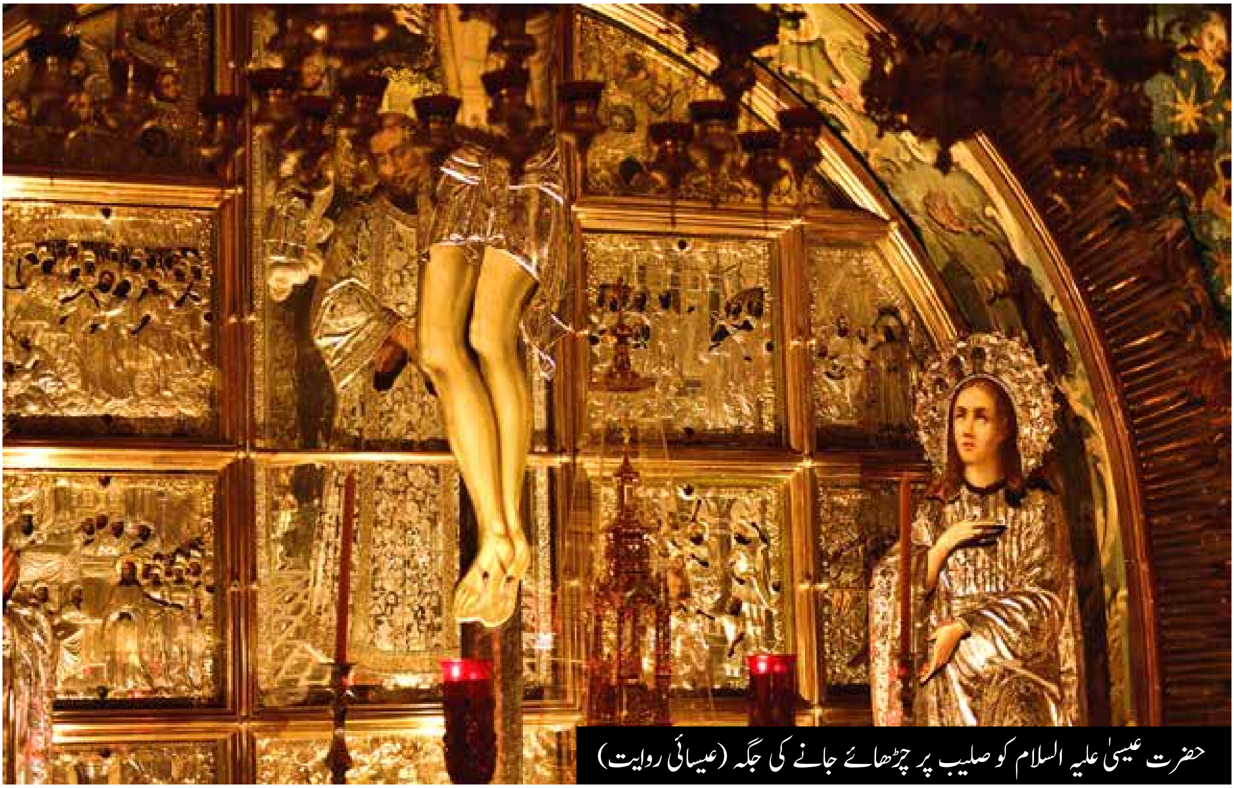

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کی جگہ (عیسائی روایت)

صلیب کے سفر کا چھٹا پڑاؤ (عیسائی روایت)

چرچ کے اندر ایک اور عبادت گاہ

چرچ کے اندر ایک عبادت گاہ

مقدس چٹان جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیل ملا گیا (عیسائی روایت)

مقدس چٹان جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیل ملا گیا (عیسائی روایت)

چرچ کی چھت پر رہنے والے مجاور

جوزف کی قبر والا کمرہ (اسرائیلی روایت)

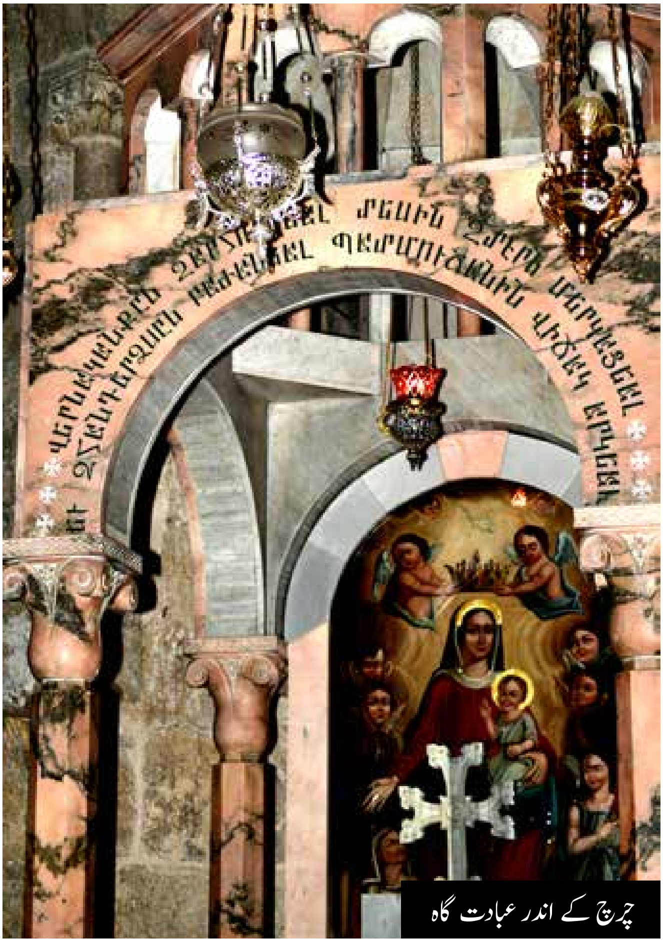

چرچ کے اندر عبادت گاہ

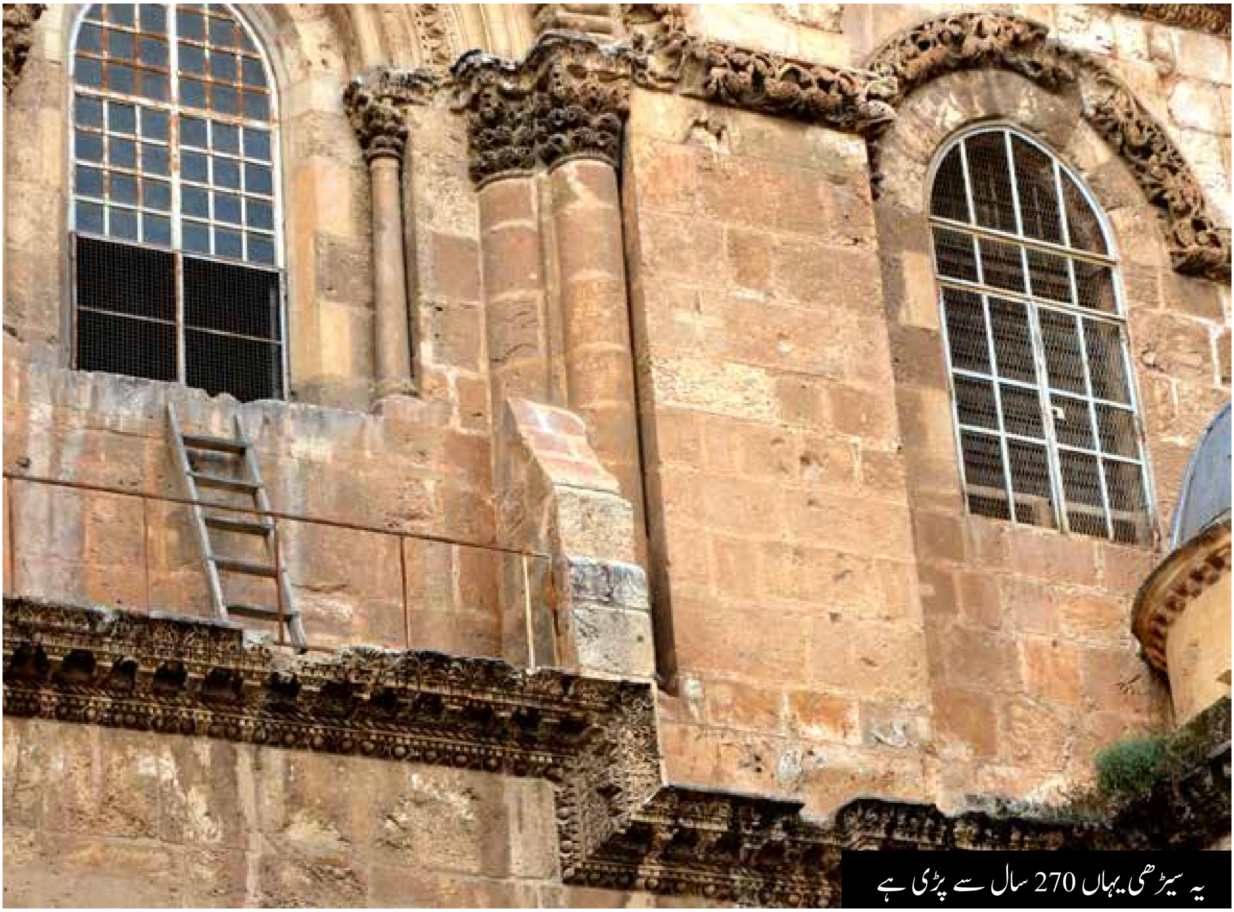

یہ سیڑھی یہاں 270 سال سے پڑی ہے

ایک فرقہ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مزار یہاں ہے (عیسائی روایت)

سینٹ جیمز کیتھڈرل

یروشلم کے قدیم شہر میں چاروں کوارٹرز میں آرمینین کوارٹر (Armenian Quarter) سب سے کم رقبہ پر محیط ہے اور اس کے رہائشیوں کی تعداد بھی سب سے کم ہے۔ آرمینین آبادی بمشکل پانچ سو (500) نفوس ہوگی مگر یہ لوگ یہاں کے قدیم ترین باسیوں میں سے ہیں۔ لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق 96ء قبل مسیح میں ان تک رسائی ہوتی ہے مگر 301ء کی کئی تحریروں کے مطابق آرمینین ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے عیسائیت قبول کی تھی۔ جافا گیٹ اور باب صیہون (Zion Gate) کے درمیانی علاقے میں یہی لوگ مقیم ہیں۔ یہیں پر ان کا سب سے بڑا گرجا گھر، راہبوں کی رہائشیں، قدیم لائبریری اور قدیم وروایاتی دستکاری کا گڑھ ہے۔ یہ لوگ چینی کے کپ، برتن اور ٹائلز پر اتنی عمدہ نقش ونگاری کرتے ہیں کہ ان کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ اس فن کو اہل یورپ اور سیاح عموماً Creative Art of Armenian Ceramics کا نام دیتے ہیں اور یہی ان لوگوں کا روزگار ہے۔

پس دنیا بھر میں قدیم ترین عیسائی بستیوں میں شاید آرمینین قدامت پسند لوگ ہی اولین مقام رکھتے ہیں اور وہ یروشلم کے قدیم شہر میں یہیں رہتے ہیں۔ تاریخ میں یہ بھی لکھا ملتا ہے کہ 70ء میں رومن کمانڈر ٹائی ٹس (Titus) نے جب یروشلم کو تباہ کیا تھا تو یہودیوں کی اکثریت کو یہاں سے نکال دیا تھا۔ مگر اس نے ان کی خانہ پری کے لیے انہی آرمینین لوگوں کی آمد کو یقینی بنایا تھا۔ یہاں ان کی قدیم ترین لائبریری 1879ء سے مسلسل علم و حکمت کا مرکز بنی ہوئی ہے اور آرمینین زبان میں ہاتھ سے لکھی تحریریں سب سے زیادہ یہیں پر جمع ہیں۔ یہاں کے آرمنی باسیوں کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی جیمز اسی جگہ دفن ہیں۔ یہ چرچ ہے تو بہت قدیم مگر موجودہ عمارت بارہویں صدی عیسوی میں صلیبی حکمرانوں کے دور میں تعمیر ہوئی تھی جو ابھی تک بھی فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے۔

سینٹ جیمز چرچ کو دو ہستیوں سے منسوب کیا جاتا ہے: ایک راہب جیمز جو زبیدی (Zebedee) کا بیٹا تھا اور دوسرے راہب جیمز جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ سیاحوں کے لیے یہ چرچ دوپہر تین سے ساڑھے تین بجے تک کھلتا ہے باقی اوقات کار میں صرف چرچ کے سامنے کا صحن ہی دیکھنے کو ملتا ہے یا چرچ کے گرداگرد فن کاشی گری ہر دکان میں ملتی ہے۔ یہیں پر ناقوس (Nakos) بھی دیکھے جاتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں ایک بار ترک حکمرانوں نے گرجا گھروں کو گھنٹی بجانے سے روک دیا تھا پھر یہ ناقوس بنائے گئے جنہیں پادری ہی بجایا کرتے تھے تاکہ گردونواح کے لوگ دعا کے لیے آسکیں۔

ایکی ہومو چرچ (Basilica of Ecce Homo): راہ ملال پر واقع اس چرچ کو Monastery of Zion Sisters بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی بڑی نشانی یہ ہے کہ راہ ملال پر ایک محراب آدھی گلی میں نظر آتی ہے جبکہ آدھی اس چرچ کے ایک حصے کے اندر ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوسرے سٹیشن کا نام بھی ہے کیونکہ یہیں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب اپنے کندھے پر لادلینے کا حکم دیا گیا تھا۔ کئی سیاح اس کے دروازے میں کھڑے ہوکر بڑے شیشے کے پار چرچ کا اندرونی حصہ دیکھ لینے کو ہی کافی سمجھتے ہیں مگر اندر جاتے ہیں تو تاریخ کی تختیاں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ ساتھ والی گلی Nuns of Sisters of Zion کے نام سے ہی منسوب ہے۔ یہ چرچ اور متصلہ حصے 1857ء میں تعمیر کیے گئے تھے مگر بعد کے ادوار میں یہاں کی راہباؤں نے گردونواح کے مکانات بھی خرید لیے تھے۔

لاطینی الفاظ ایکی ہومو (Ecce Homo) کا مطلب ہے کہ اس شخص کو دیکھو اور یہ الفاظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کا فیصلہ کرنے والے جج Pontius Pilate سے منسوب ہیں اور انجیل مقدس کی کتاب John 19:5 کے حوالے سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کانٹوں کا تاج بھی اسی جج نے دیا تھا۔ عہد نامہ جدید کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بادشاہوں والا جعلی لباس پہنا کر ہجوم میں لایا گیا تھا تاکہ آپ علیہ السلام کو New King of the Jews کہہ کر مذاق اڑایا جاسکے۔

1967ء کے بعد کی کھدائی کے دوران یہاں سے پرانی پتھر کی سلیں بھی دستیاب ہوئیں جو روم سے لائی گئی تھیں اور ان کا عرصہ دوسری صدی عیسوی کا متعین ہوا۔ اس جگہ پر ہیرڈ بادشاہ کی طرف سے پہلی صدی قبل مسیح کے دوران بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے ایک بڑا حوض بھی بنایا گیا تھا۔ جو چرچ اور اس سے متصلہ عمارت کے نیچے اب بھی قائم ہے اور اسے پتھروں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آخری رات کی قید کا کمرہ (عیسائی روایت)

ایکی ہومو چرچ

ایکی ہومو چرچ: اندرونی منظر

اس جگہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کوڑے مارے گئے (عیسائی روایت)

ایکی ہومو چرچ: اندرونی منظر

سینٹ مارک چرچ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیل (عیسائی روایت)

سینٹ مارک چرچ : اندرونی منظر

راہباؤں کی گلی: ایک منظر

سینٹ مارک چرچ

قدیم آرمینی آرٹ کی دکان

قدیم آرمینی بار

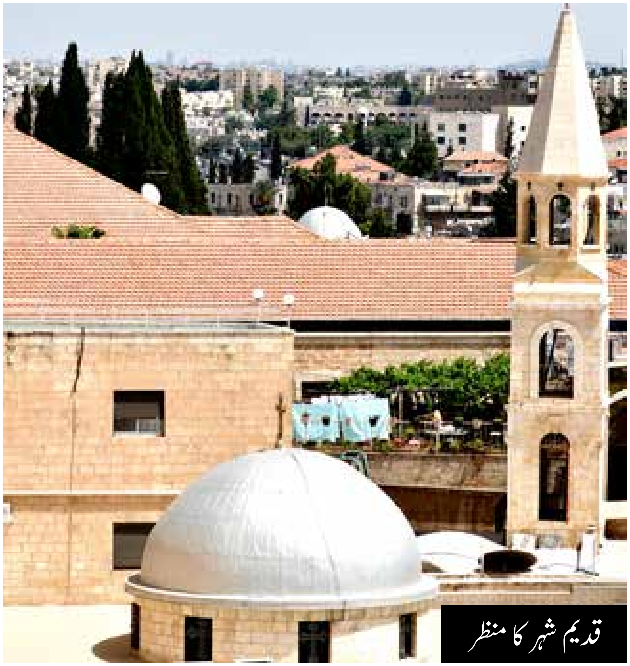

قدیم شہر کا منظر

ایکی ہومو کی ڈرائنگ

سینٹ جیمز چرچ: صدر دروازہ

ری ڈیمر چرچ

سینٹ جیمز چرچ

سینٹ جیمز چرچ کا گیٹ

سینٹ جیمز چرچ: اندرونی منظر

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام
اوران کے خاندان کے مقبرہ جات

فلسطین کا شہر حبرون (Hebron) جسے عربی میں شہر الخلیل کہا جاتا ہے، یروشلم سے تقریباً اٹھائیس (28) کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ اسرائیل آنے والے تمام سیاح اس شہر کے لیے خاص طور پر پلان بناتے ہیں کیونکہ یہ تینوں مذاہب سے تعلق رکھنے والے سیاحوں کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل اور پرکشش مقام ہے۔ مسلمان اس کو ابراہیمی مسجد جب کہ باقی اس کو غار مکفلہ (Cave of Machphelah) کے تعلق و تعارف کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے خاندان کے افراد کی جائے تدفین ہونے کی وجہ سے یہ جگہ سب کے لیے معتبر و مقدس سمجھی جاتی ہے۔ یہ مقبرہ جات شہر خلیل میں فلسطینی اور اسرائیلی بارڈر پر واقع ہیں۔ پس ہر وقت یہاں فوج یا سیکورٹی کے افراد جا بجا پوچھ گچھ کرتے نظر آتے ہیں۔ فلسطینیوں کو اسرائیلی علاقے میں جانے کی اجازت نہیں ہے ہاں البتہ سیاحوں کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں۔

اب ذرا تاریخ کے جھروکوں میں جھانک لیجیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک رہنما اصول واضح کر دیا تھا کہ وہ سنت ابراہیمی کو ہی آگے بڑھانے کے لیے آئے ہیں اور یہ کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بزرگ اول سمجھیں بلکہ باقی تمام انبیا کرام علیہم السلام جن کے نام آسمانی کتابوں تورات و انجیل میں مرقوم ہیں، کی بھی اسی طرح تعظیم تکریم کریں۔ ان انبیا کرام علیہم السلام میں سے کچھ کے نام تو قران پاک میں ملتے ہیں مگر کچھ کے نہیں بھی ملتے۔ انہی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بیشتر رسولوں علیہم السلام کے نام ہر مسلمان کو ہر وقت ازبر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی ترویج کی ہدایت فرمائی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے قرآن پاک کی سورۃ نمبر 16، آیت نمبر 123۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان تمام دوسرے مذاہب سے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ نمبر 6 کی آیات نمبر 75 تا 83 اور سورۃ نمبر 21 کی آیات نمبر 51 تا 56 واضح کرتی ہیں کہ اس وقت کے لوگ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑے کیا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام کے والد محترم آذر (Terach) خود بھی بت بنایا اور تراشا کرتے تھے۔ ایک بار آپ علیہ السلام نے اپنی کلہاڑی سے وہ تمام بت توڑ دیے جو ان کے مرکزی بت خانے میں پوجا کے لیے رکھے ہوئے تھے۔ لوگ سیخ پا ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ لیا، باندھ لیا، زنجیروں میں جکڑ دیا اور آخر کار بہت بڑے آگ کے الاؤ میں پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔ آپ علیہ السلام کو جب آگ میں پھینکا گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوا کہ مناسب انداز میں ٹھنڈی ہو جا (تفصیل کے لیے دیکھیے قران پاک کی سورہ نمبر 3، آیات نمبر 173 تا 174 اور سورہ نمبر 21 کی آیات نمبر 69 تا 70)

قرآن کریم میں یہ بھی مذکور ہے کہ کس طرح اس وقت کے بادشاہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سخت مکالمہ کیا (قرآن کی سورہ نمبر 2، آیت نمبر 258) مگر جب آپ علیہ السلام نے دلیل پیش کی تو وہ لاجواب ہو گیا۔ مختصر یہ کہ آپ علیہ السلام مسلسل اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف مسلمانوں کے ہی جد امجد نہیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بھی بڑے بزرگ ہیں اور اتنی ہی تعظیم و تکریم کے قابل ہستی ہیں۔ عربی میں آپ علیہ السلام کو خلیل اللہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست۔ مسلمانوں کے جد امجد اس لیے کہ آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت حاجرہ علیہا السلام اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل آخر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی۔ اور یہودیوں کے جد امجد اس طرح کہ آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام اور بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام پھران کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہی اسرائیل کے بارہ قبیلے آگے چلے اور پھر چلتے رہے۔ ساتھ ساتھ نبوت بھی ان کے گھر کی دہلیز سے پیچھے نہ ہٹی۔ انہی میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انہیں میں سے تھے۔ لیکن ختم نبوت کی سعادت حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی نسل کو نصیب ہوئی اور یہی اسلام اب رہتی دنیا تک عوام الناس کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ مسلمان ہر روز پانچ بار نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں اور انہی کی دعائے ابراہیمی کے ساتھ اپنی نماز کا اختتام کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر نماز میں مسلمان خود کو قبلہ رو کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اس گھر کی طرف جس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے کی تھی۔ وگرنہ تمام عبادات

ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے قرآن کریم کی سورۃ نمبر 3 کی آیات 95 تا 97 اور سورۃ نمبر 4 کی آیت نمبر 125۔

مسلمان ہر سال عید الاضحیٰ کے موقعے پر اور حج کی تکمیل کے لیے جو قربانی کرتے ہیں وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یاد ہی میں کی جاتی ہے۔ پس اوپر کی سطور میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے خاندان کو جیسا بلند مرتبہ دیتے ہیں شاید دوسرے مذاہب اس قدر نہ کر سکتے ہوں گے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کرنے کا عمل اللہ تعالیٰ کو اس قدر اچھا لگا کہ اس نے انعام کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری دی اور یہ کہ وہ خود بھی نبی علیہ السلام ہوں گے اور آئندہ حسب ضرورت مزید نبی علیہ السلام بھی انہی کی اولاد میں سے ہوں گے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے قرآن کریم کی سورۃ نمبر 37 کی آیات نمبر 100 تا 107۔ مگر یہودی اپنی تورات کی کتاب پیدائش (Genesis) کے باب نمبر 11 کی آیات نمبر 26 تا 27 اور باب نمبر 22 کی آیات نمبر 3 تا 13 کی پیروی کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ پاک نے حکم حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا دیا تھا۔ دوسرے قربانی کا مقام بھی یروشلم میں جبل موریاہ (جہاں بیت المقدس قائم ہے) قرار دیتے ہیں جبکہ مسلمان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا مقام میدان عرفات کے قرب و جوار میں قرار دیتے ہیں۔ ان دو بڑے امور میں تفریق کے علاوہ باقی واقعہ کی تفصیل دونوں مذاہب میں بالکل ایک سی بیان ہوئی ہے۔

عیسائیت میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جد امجد ہونے کا وہی مقام حاصل ہے جو باقی دو مذاہب کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ ان سے بھی ایک قدم آگے قدیم عیسائی جب خدا کا ذکر کرتے تھے یا نام لیتے تھے تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا کہہ کر پکارتے تھے۔ عیسائیت کے کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں واضح طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تینوں مذاہب کا جد امجد قرار دینے کی بات کئی بار دہرائی گئی ہے مگر تورات کی اسی کتاب کے متذکرہ بالا حوالوں کی پیروی کرتے ہوئے عیسائی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی بارگاہ میں قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیش کی گئی تھی نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی۔ چلیے واپس حبرون میں مسجد ابراہیمی یا غار مکفلہ کی طرف چلتے ہیں۔

اس امر پر یہودی اور مسلمان دونوں مذاہب یکساں طور پر متفق ہیں کہ شہر الخلیل میں غار مکفلہ میں جو چھ متبرک قبور ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی ربیکا علیہا السلام (Rebecca)، حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت لیاہ علیہا السلام ہی کی ہیں۔ مکفلہ کی یہ جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باقاعدہ طور منہ مانگی قیمت پر خرید لی تھی۔ یہ خریداری لکھی ہوئی تاریخ میں زمین کی پہلی کمرشل بیع قرار پائی تھی۔ اس لیے کہ حضرت سارہ علیہ السلام جو 127 سال کی عمر میں وفات پا گئی تھیں، کو دفن کرنا تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام 175 سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے تھے تو آپ علیہ السلام کے بیٹوں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کو اسی غار میں دفن کیا تھا۔ تیسری تدفین حضرت اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی جن کو حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے بڑے بھائی عیساؤ (Esau) نے مل کر دفن کیا تھا۔ تب آپ علیہ السلام کی عمر 180 سال تھی۔ حضرت ربیکا علیہا السلام کب فوت ہوئیں اور آپ علیہ السلام کو کب دفنایا گیا، انجیل و تورات میں اس کا ذکر نہیں ملتا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کے آخری الفاظ میں یہ امر درج تھا کہ حضرت ربیکا علیہا السلام یہیں پر دفن کی گئی تھیں۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو، آپ علیہ السلام کی وفات مصر میں ہوئی تھی، یہاں لا کر دفن کیا گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے پوری شاہی تیاری کے ساتھ خود یہ انتظام کیا تھا تب حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر 147 سال کی تھی۔

تین عظیم انبیا علیہم السلام اور آپ علیہ السلام کی شریک حیات کی تدفین کے بعد دو ہزار سال تک غار مکفلہ ایک مقدس زیارت کے طور پر قائم رہی۔ اس کی حفاظت کے لیے کوئی چار دیواری یا عمارت نما چیز تو لازمی ہو گی مگر لکھی گئی تاریخ میں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ پہلی بار یہ لکھا ملتا ہے کہ یہودی بادشاہ ہیرڈ (Herod) نے اکتیس قبل مسیح کے لگ بھگ اس غار کے گرداگرد بڑی مضبوط دیواریں کھڑی کی تھیں جن کی موٹائی (چوڑائی) چھ فٹ تھی اور ان دیواروں میں تین تا چوبیس فٹ حجم کے پتھر استعمال ہوئے تھے اور تب سے یہ دیواریں آج تک موجود ہیں اور دو ہزار سال بعد بھی سیاح ان کی مضبوطی دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ جب سیاح مسجد ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے جا کر آپ علیہ السلام کے مزار پر دعا مانگتے ہیں تو یہ بڑے بڑے پتھر ابھی بھی اس کمرے کی دیوار میں دیکھے جا

سکتے ہیں۔یعنی دیواریں ابھی بھی وہی اور دو ہزار سال پرانی ہیں۔ہاں مگر تب ان دیواروں پر چھت نہیں ہوتی تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں بازنطینی حکمرانوں نے ساتھ کے عمارتی ڈھانچوں پر چھت ڈالی تھی مگر ان قبور کے اوپر کا حصہ پھر بھی بغیر چھت کے رکھا گیا۔تب تک عیسائیت کے پیروکاروں کے لیے یہ اولین مقدس جگہ تھی۔ سال 570ء تک یہودی اور عیسائی دونوں مذاہب کے لوگ اس زیارت کو اپنی اپنی عبادات کے لیے مقدس ومعتبر مانتے تھے اور یہ جگہ دونوں مذاہب کے ہی زیر تصرف تھی۔

614ء میں پرشیا کے حملہ آوروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی غار مکفلہ اور اس کی زیارات کو بالکل تاراج کر دیا تھا۔ یہاں صرف کھنڈر رہ گئے تھے مگر پھر 638ء میں عرب مسلمانوں نے تمام علاقے کو اپنے زیر تسلط کر لیا تھا تب یہاں پر پہلی بار مسجد بنائی گئی اور مکمل چھت بھی ڈال دی گئی تھی بلکہ مسلمانوں کی عالی ظرفی دیکھیے کہ یہودیوں کو ساتھ ہی دو سنا گاگ (یہودی عبادت گاہ) تعمیر کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔شاید خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عمومی پالیسی کے طور پر ایسا کیا گیا تھا۔

1099ء میں صلیبی حکمرانوں نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسجد ابراہیم علیہ السلام کو چرچ بنا دیا۔مسلمانوں کو تو مسجد آنے کی اجازت نہ دی گئی مگر یہودیوں کو بھی ان کی عبادت گاہوں تک رسائی نہ دی گئی اور اگلے نوے (90) سال تک یہی فرمان نافذ العمل رہا۔مسجد کے در و دیوار کو بھی عمومی چرچ کی تعمیری جدتوں سے ہمکنار کر دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں wikipedia میں 1119ء کا ایک واقعہ بھی درج ہے کہ تب غار سینکڑوں سال بعد پہلی بار کھولا گیا تو بہت سے لوگوں کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے اجسام مبارک بالکل اسی طرح تازہ پائے گئے تھے۔صرف اوپر کے کفن جا بجا بوسیدہ ہوئے تھے۔پس نئے کپڑوں (کفن) میں ان کو دوبارہ لپیٹ کر اسی جگہ رکھ کر غار کو بند کر دیا گیا تھا۔ساتھ پائے جانے والے سونے اور چاندی کے لیمپ بھی اسی طرح ساتھ رکھ دیے گئے تھے۔تب حبرون کی تینوں مذہبی جماعتوں نے ایک جشن بھی منایا تھا کہ ان کے جد امجد بالکل صحیح حالت میں دیکھے گئے تھے۔

1188ء میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے یروشلم کے ساتھ یہ علاقہ بھی صلیبی حکمرانوں سے واپس لے لیا تھا تو غار مکفلہ کے احاطہ کو چرچ سے دوبارہ مسجد بنا دیا تھا مگر فراخ دلی دیکھیے کہ اس نے عیسائیوں کو بھی وہیں عبادت جاری رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔ تب سلطان نے مسجد ابراہیمی علیہ السلام میں چار میناروں کا اضافہ بھی کیا تھا جن میں سے دو ابھی بھی قائم ہیں۔پھر چودھویں (14) صدی عیسوی کے دوران مملوک فرمانرواؤں نے مسجد اور غار میں جانے کے لیے دو نئے راستوں کی تعمیر کی تھی اور آج کل دیکھے جانے والے چھ قبور مبارکہ کے نشانات (Cenotaphs) بھی اسی دور میں بنائے گئے تھے تاکہ لوگ براہ راست غار میں جا کر قبور مبارکہ دیکھنے کی زحمت نہ کریں اور یہی چھ قبور مبارکہ کے نشانات ہیں جن کو سیاح دیکھتے ہیں کیونکہ اصل قبور کو دیکھنے کے لیے کسی کو غار میں جانے کی اجازت نہیں۔ اس کے بعد کے ترکوں یا عثمانی ادوار میں اس مسجد یا احاطہ جات کو خوبصورت بنایا جاتا رہا۔مرمت کیا جاتا رہا مگر عمارت کے ڈیزائن میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی اور نہ کوئی اضافہ ہو سکا۔سوائے اس کے کہ پہلے قبور مبارکہ کے نشانات یعنی Cenotaphs بھی قبروں ہی کی طرح کے تھے مگر عثمانیہ فرمانرواؤں نے ان پر سونے سے کشیدہ کاری کی گئی سبز اور سرخ موٹی چادروں کی تہیں جما دیں۔انبیا کرام علیہم السلام کی قبور مبارکہ پر سبز چادریں اور انبیا کرام علیہم السلام کی بیویوں کی قبور مبارکہ پر سرخ چادریں ڈالی جاتی تھیں مگر کشیدہ کاری ایک سی اور بہت ہی بہترین۔ یہ جگہ تینوں مذاہب کے ماننے والوں کے لیے کھلی رہی اور سب اپنے اپنے طریقہ سے عبادت کرتے رہے۔

1948ء میں حبرون پر اردن کی افواج نے قبضہ کیا تو انہوں نے یہودیوں کو غار مکفلہ یا مسجد کے ساتھ بنے سنا گاگ آنے سے یکسر منع کر دیا تھا لیکن 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد مقدس جگہ دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی اور جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ دونوں مذہب، یہودی اور مسلمان اپنے اپنے حصے میں عبادات کرتے ہیں ان کے راستے بھی الگ الگ ہیں۔ابھی تک بھی وہی نظام رائج ہے۔

ایک اور دلچسپ بات: اوپر کی منزل پر دیکھے جانے والے چھ مزاروں کے نشانات تو واضح ہیں مگر اصل قبریں چالیس (40) فٹ نیچے غار میں ہیں۔ان اصلی قبور مبارکہ یا دوسرے معنی میں غار کا راستہ مسلمانوں کے حصے

میں ہے جبکہ قبور مبارکہ خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر یہودی حصے میں آئی ہے۔ راستہ بالکل سیل کر دیا ہوا ہے۔ ہر روز مسجد کا مینجر ایک ڈنر پلیٹ سائز کے سوراخ میں سے چاندی کا ایک چھوٹا فانوس زنجیر کے ذریعے نیچے لٹکاتا ہے جو قبر مبارک پر جا کر ٹک جاتا ہے۔ اس راستے کو دوبارہ تالا لگا دیا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن اسی مقصد کے لیے دوبارہ کھولا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ عمل ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔

یہودی حصے کی طرف ان کی عبادت گاہ ہے یعنی سنا گاگ جس کو ان کا ایک ربی یا راہب (Rabbi) کنٹرول کرتا ہے۔ 2018ء میں جو ربی سیاحوں کو ملا وہ ایک امریکی عالم ہے جو میامی میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا مگر جوانی میں یہاں آیا تو ادھر کا ہی ہو کر رہ گیا۔ یہ ربی ہر سیاح کو فرداً فرداً ملتا ہے اور اپنے ہاتھ سے یہودیت کا لٹریچر سب میں تقسیم کرنے کو فخر سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کے حصے کی طرف جائیں تو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ربیکا علیہا السلام کے مزارات مسجد کے عین بیچوں بیچ قائم ہیں اور نمازی ان قبور مبارکہ کے آگے پیچھے قطاریں بناتے ہیں۔ عموماً ایک مزار کی سائیڈ پر عورتیں نماز کے لیے قطاریں بنا لیتی ہیں اور دوسرے مزار کے گرد مرد حضرات کھڑے ہوتے ہیں اور ایک ہی امامت میں مرد وزن نماز ادا کرتے ہیں۔ سیاح یہودیوں اور مسلمانوں کے حصوں میں آزادانہ جا سکتے ہیں مگر ان کو دونوں حصوں میں باہر سے الگ الگ جانا پڑتا ہے۔ سیاح خواہ کسی بھی ملک یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، دونوں اطراف میں ان کو خوش آمدید کہا جاتا ہے ہاں مگر دونوں طرف نماز یا عبادت کے اوقات میں سیاحوں کو باہر دروازہ پر ہی کچھ دیر کے لیے رکنا پڑتا ہے۔

25 فروری 1994ء کو ایک امریکی نژاد یہودی آبادکار، جس کا نام باروچ گولڈ سٹائن تھا، مسجد ابراہیمی علیہ السلام کے اندر داخل ہوا تو انتیس (29) مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا جبکہ تقریباً ایک سو پچیس (125) افراد زخمی ہوئے تھے۔ اس پر شہر میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ یہودیوں اور مسلمانوں کا ٹکراؤ ہوا تو چھبیس (26) فلسطینی اور شہید ہو گئے جبکہ نو (9) یہودی بھی جان سے گئے۔ اس امر پر اسرائیل اور فلسطین دونوں کے تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے تھے۔ تب سے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان دیوار کو بالکل بلٹ پروف بنا دیا گیا ہے۔ اس تقسیم کے بعد صورت حال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام کے مقبرہ جات دونوں اطراف سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ربیکا علیہا السلام کے مزارات صرف مسلمان دیکھ سکتے ہیں جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت لیاہ علیہا السلام کے مزارات صرف یہودی دیکھ سکتے ہیں۔ پس سیاحوں کو سبھی مزارات دیکھنے کے لیے الگ الگ راستوں کے ذریعے یہودی اور مسلمان حصوں میں جانا پڑتا ہے۔ دونوں مذاہب کے لوگوں نے اپنی اپنی عبادات کے لیے ایک مفاہمتی پروگرام بنا رکھا ہے جس کی وجہ سے دونوں اطراف میں عبادات کے دوران ایک دوسرے کی طرف سے خلل اندازی نہیں ہوتی۔

سال کے کچھ مخصوص دنوں میں مسلمان اپنی مسجد کا حصہ بھی یہودیوں کو دے دیتے ہیں اور اسی طرح یہود، مسلمانوں کے لیے اپنی عبادت گاہ خالی کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہودی اپنا مذہبی تہوار Shabbat Chayeisara جن دنوں میں مناتے ہیں تب دنیا بھر سے خصوصاً اور تمام اسرائیل سے عمومی طور پر تمام یہودی یہاں جمع ہوتے ہیں۔ پس ان کی سہولت کے لیے مسلمان اپنی مسجد یہودیوں کو دے دیتے ہیں۔ یہودی تہوار اس دن کی یاد میں مناتے ہیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غار مکفلہ خریدا تھا۔ اسی طرح جمعۃ الوداع، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور چند ایک دوسرے تہواروں کے موقع پر یہودی اپنی عبادت گاہ خالی کر کے مسلمانوں کو سہولت بہم پہنچاتے ہیں تاکہ اجتماعی عبادات احسن طریقے سے کی جا سکے۔

ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی نمازوں کی اذان دیے جانے کی جگہ یہودی حصے میں واقع ہے۔ روایتی طور پر اسرائیلی فوجی مسجد کے موذن کو یہودی حصے میں پڑے مائیکروفون تک لے کر جاتے ہیں اور اذان کے بعد واپس اس موذن کو مسجد چھوڑ کر جاتے ہیں اور یہ عمل دن میں پانچ مرتبہ کیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے اپنے سنا گاگ کے منبر، جس پر ان کے پیشوا یا ربی دعا کرواتے ہیں، کے نیچے پہیے لگوا رکھے ہیں کیونکہ جب سنا گاگ خالی کر کے مسلمانوں کو دینا ہوتا ہے تو پورے منبر کو بڑے آرام سے دھکیل کر باہر لے آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اور یہودی پیش امام دونوں ہی اس تقسیم سے خوش

نہیں ہیں۔ دونوں مذاہب کے لوگ اسی ایک مقدس جگہ کو مکمل طور پر ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر ابھی تک یہ نظام چل رہا ہے۔ ذرا تکلیف سے اور خاصی برداشت سے۔ مگر نہ جانے کب کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے اور جذباتی کشمکش خون خرابہ میں تبدیل نہ ہو جائے۔ اس لیے طرفین ہمہ وقت شاکی بھی رہتے ہیں اور الرٹ بھی۔

حَبرون (شہر خلیل): اسرائیل کے جنوب مغربی حصے ویسٹ بنک (West Bank) میں واقع اس شہر کا تذکرہ کئی جگہ پر تقریباً تمام ہی قدیم مذہبی صحیفوں میں ملتا ہے۔ بشمول انجیل مقدس کے جہاں اس شہر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر کہا گیا ہے کیونکہ آپ علیہ السلام کی کئی پشتیں یہیں پر دفن ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق کی بنا پر ہی یہ شہر یہودیوں اور مسلمانوں کو یکساں عزیز و محترم ہے۔ 24 اگست 1929ء کے فسادات کے بعد حَبرون سے تمام یہودی خود ہی نقل مکانی کر گئے تھے کیونکہ مسلمانوں کے ساتھ ہی ایک جھڑپ میں ستر (70) یہودی مارے گئے تھے۔ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد البتہ کچھ یہودی واپس آ کر یہاں آباد ہونے لگے اور اب تک (2018) تقریباً پانچ سو (500) یہودی خاندان واپس آ کر رہائش پذیر ہو چکے ہیں جبکہ مسلمان آبادی 166000 ہے۔ یاد رہے کہ جولائی 2017ء سے اس پورے شہر کو یونیسکو کی آثار قدیمہ کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے۔

عیسائیوں نے بھی اس شہر میں The Oak of Abraham Monastery کے نام سے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی یہ عبادت گاہ اس جگہ پر بنائی ہوئی ہے جہاں تین فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے اللہ پاک کی طرف سے سلام و پیام کے ساتھ۔ پھر اسی کے گردونواح میں ان تین برگزیدہ ہستیوں کی آخری آرام گاہیں ہیں جن کے نام جیسی، رتھ اور آبنر (Jesse, Ruth & Abner) ہیں اور ان کا ذکر انجیل مقدس میں آیا ہے۔

شہر خلیل سے آٹھ کلومیٹر دور ایک بستی بنی نعیم یا بنی نائم (Bani Naim) میں حضرت لوط علیہ السلام کا مزار بھی ہے جسے چند مخصوص سیاح دیکھنے کے لیے جاتے ہیں مگر اکثریت نہیں کیونکہ اس کے لیے ٹیکسی لے کر الگ سے جانا پڑتا ہے۔ یہاں پر حضرت لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں علیہا السلام کے مزارات بھی ساتھ ہی واقع ہیں۔ یہیں پر ایک اور یادگار بھی ہے جو حضرت لوط علیہ السلام کی عبادت گاہ کے طور پر مشہور ہے۔

شہر خلیل میں غار مکفلہ یا مسجد ابراہیم علیہ السلام جانے کے لیے سیاحوں کو یروشلم میں قیام کے دوران ہی منصوبہ بندی کرنا پڑتی ہے۔ اگر مسجد ابراہیم علیہ السلام یعنی مسلم حصے میں جانا مقصود ہے تو یروشلم میں دمشق گیٹ یا باب العمود کے باہر عربی بس سٹینڈ سے بس نمبر 21 لے کر پہلے بیت اللحم جانا پڑتا ہے۔ بس سیاحوں کو ایک مخصوص سٹاپ پر اتار دیتی ہے وہیں قریب سے ہی منی ویگن الخلیل کی آوازیں لگاتی دستیاب ہو جاتی ہے جو بیس بائیس منٹ میں حَبرون شہر کے اندر مسجد ابراہیم علیہ السلام کے پاس اتار دیتی ہے وہاں سے تمام سیاح آدھ کلومیٹر سے کچھ زائد فاصلہ پیدل طے کرتے ہیں اور ذرا چڑھائی بھی درپیش ہوتی ہے۔ مسجد کے دروازے سے بہت باہر سیکورٹی والے آپ کا پاسپورٹ وغیرہ چیک کرتے ہیں مگر سیاحوں کو زیادہ دقت پیش نہیں آتی۔ لیکن اگر آپ نے یہودی حصے کی طرف جانا ہے تو آپ کو یروشلم میں بس ٹرمینل پر جانا ہوگا۔ وہاں سے بس نمبر 160 مل جائے تو وہ سیدھی حَبرون ہی جاتی ہے اور آپ آدھ گھنٹہ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ لیکن بس نمبر 381 یا 382 بھی ملتی ہیں جو ہر پندرہ منٹ کے بعد دستیاب بھی ہیں۔ دونوں روٹ دراصل اومنی بسوں کی طرح کے ہیں اور بسیں بہت سی یہودی آبادیوں سے ہوتی ہوئی حَبرون پہنچتی ہیں۔ تب یہاں مسافت ایک گھنٹہ کی ہو جاتی ہے۔

اگر آپ صرف مسلمان حصہ میں بیت اللحم والے روٹ سے جائیں گے تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت لیاہ علیہا السلام کی قبور نہ دیکھ سکیں گے اور اگر آپ صرف یہودی حصہ میں جائیں گے تو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ربیکا علیہا السلام کے مزارات نہ دیکھ پائیں گے۔ پس وہ سیاح جن کے پاس وقت کی کمی نہیں ہوتی وہ دونوں طرف الگ الگ سے جانا پسند کرتے ہیں۔ اگر آپ ٹیکسی کرتے ہیں تو آپ زیادہ مشکلات میں ہوں گے کیونکہ یہودی علاقوں میں فلسطینی ڈرائیور نہیں جا سکتے۔

شہر خلیل میں آپ کو فلسطینی روایتی کھانے ملیں گے جو سیاحوں کو مرغوب بھی ہیں۔ یہاں کا فلافل کھانا جو یہاں کی نرم پتا بریڈ (Pita Bread) میں ہوتا ہے، دنیا بھر میں مشہور ہے۔

مسجد ابراہیمی کا منبر

جبرون میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار مبارک

مقبرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں داخلے کا راستہ (یہودی سمت)

مکفلہ کی غار

مقبرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں داخلے کا راستہ (مسلم سمت)

ابراہیمی مسجد

مزار حضرت سارہ علیہا السلام

مزار حضرت ابراہیم علیہ السلام (مسلم سمت)

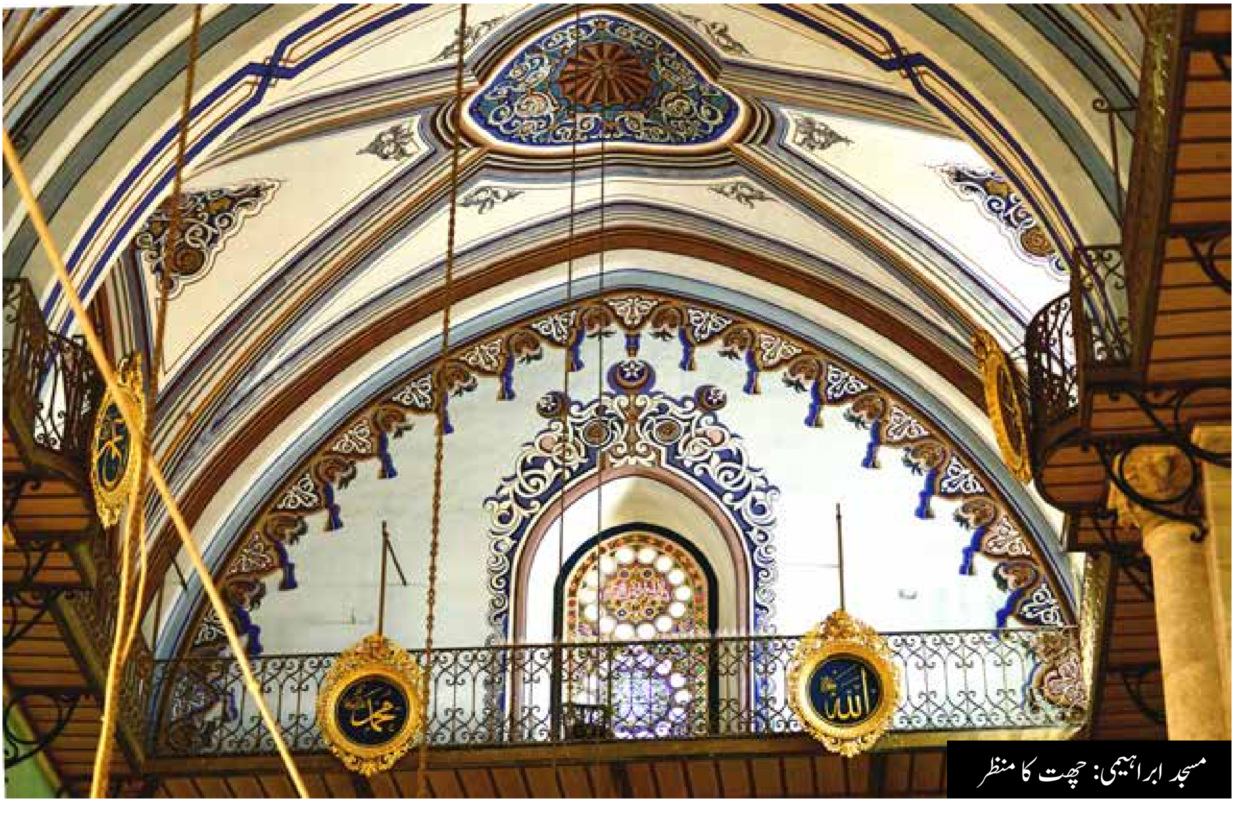
مسجد ابراہیمی: چھت کا منظر

حضرت اسحاق علیہ السلام کا مزار

حضرت ربیکا علیہا السلام کا مزار

حضرت یعقوب علیہ السلام کا مزار

حضرت لیاہ علیہا السلام کا مقبرہ

3 ہزار سال پرانی دیوار

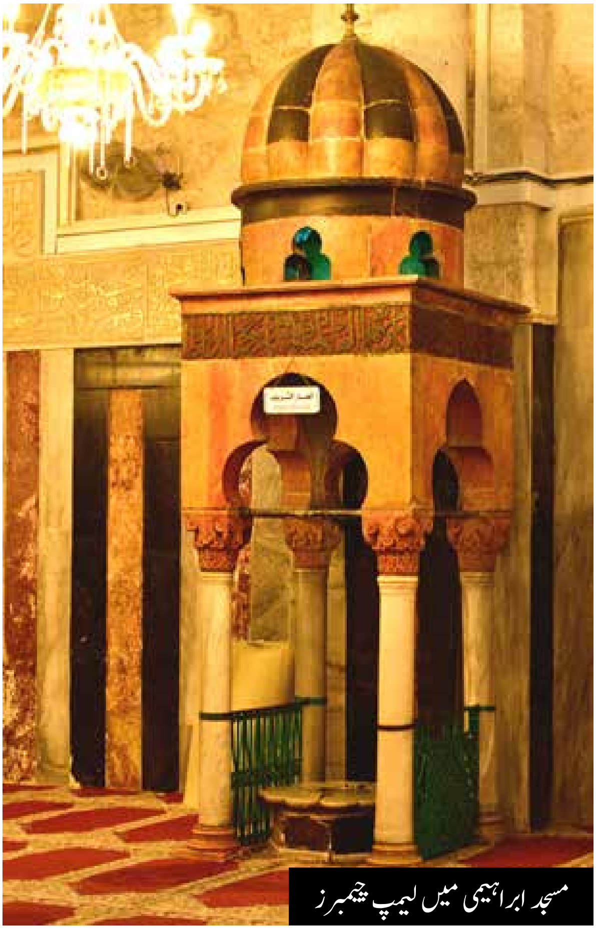

مسجد ابراہیمی میں لیمپ چیمبرز

محراب مسجد

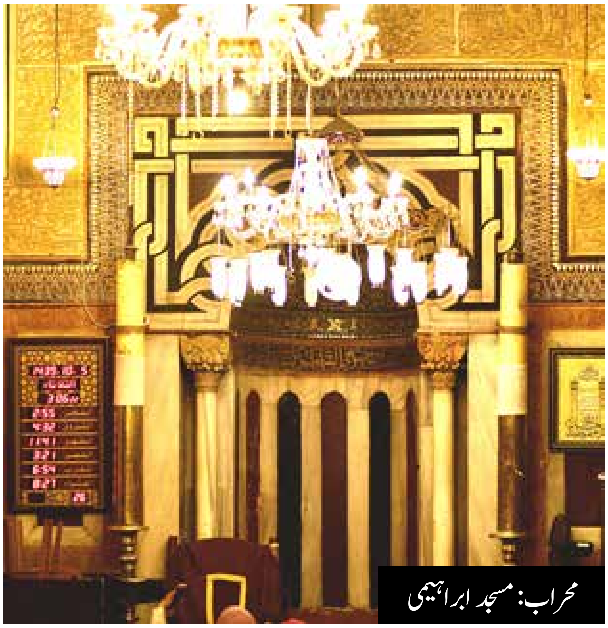

محراب: مسجد ابراہیمی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک (یہودی سمت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقبرہ: اندرونی منظر

مسجد ابراہیمی

مزار ابراہیم علیہ السلام پر یہودیوں کی عبادت گاہ

مزار ابراہیم علیہ السلام پر یہودیوں کی عبادت گاہ

غار مکفلہ کا راستہ

حبرون شہر: فضائی منظر

نقش پا حضرت عیسیٰ علیہ السلام

یروشلم میں ایک جگہ ایسی بھی ہے جہاں عیسائی احباب نے ایک عبادت گاہ اس لمحے کی یاد میں تعمیر کی تھی کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا۔ اسے وہ Chapel of Ascension کہتے ہیں۔ عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں یہ مذکور ہے کہ یروشلم کی اسی جگہ سے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنت میں لے جایا گیا تھا۔ پتھر کی دیواروں کے ساتھ ایستادہ یہ گول سی عمارت کسی زمانے میں عیسائیوں کا گرجا گھر رہی ہے۔ اسی چھوٹی سی عمارت کے اندر ہی ایک پتھر پر آپ علیہ السلام کے پاؤں مبارک کا نشان ہے اور یہ چیز ان کی مقدس بائبل کی کتابوں Luke & Acts میں اشارہ کی گئی ہے۔ اس چرچ پر بھی دوسو ساٹھ (260) سال پرانا وہی Status Quo آرڈر لاگو ہوتا ہے جس کے تحت چرچ آف سپو کا نظام چلتا ہے۔

جب 312ء میں بادشاہ کانسٹن ٹائن Constantine نے عیسائیت قبول کی تو لوگ قریب ہی کے ایک غار کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھائے جانے کا مقام سمجھتے تھے مگر 384ء میں نہ جانے کیسے وہ تمام مذہبی رسومات اس موجودہ جگہ پر ادا کی جانے لگیں۔ تاریخ اس بارے میں کچھ نہیں بتاتی۔ پھر جلد ہی 390ء میں یہاں گول چرچ تعمیر کر دیا گیا تھا جو 614ء میں پرشیا کے حملہ آوروں نے بالکل تاراج کر دیا تھا۔ 680ء میں اسے اسی گول شکل میں دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا مگر اوپر چھت نہ ڈالی گئی تھی جہاں آٹھ بڑے چراغ ہر رات روشن کیے جاتے تھے جو دور یروشلم سے بھی نظر آتے تھے۔ تب ہی یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نقش پاء والی سل ہر خاص و عام کے دیدار کے لیے کھول دی گئی تھی۔

1150ء میں صلیبی حکمرانوں نے یہ چرچ دوبارہ بنایا یا پھر اس کی بڑی مرمت کی اور اس پر گنبد نما چھت ڈال دی گئی۔ مگر 1188ء میں صلیبی حکمرانوں کے جانے کے بعد یہ چرچ ویران ہو گیا۔ پھر دس سال بعد 1198ء میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس گول عمارت میں محراب بنوادی اور اسے مسجد کے طور پر دوبارہ آباد کر دیا۔ یہ مسجد تین سو (300) سال تک آباد رہی مگر پندرہویں صدی کے اواخر میں پھر ویران ہو گئی، شاید اس لیے کہ دیواریں بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ 1620ء میں دوبارہ اس عمارت کو نیا روپ دیا گیا اور پھر مسلمانوں کی سپرداری میں یہ آباد ہی رہی۔

1967ء کے بعد سے یہ گول عمارت موجود تو ہے مگر یہاں کوئی عبادت نہیں ہوتی۔ نہ مسجد کے طور پر اور نہ عیسائیوں نے اسے چرچ ہی بنایا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نقش پا کی وجہ سے یہ زیارت قائم ہے جہاں عیسائی اور مسلمان تمام سیاح عقیدت کے طور پر ضرور آتے ہیں۔ اس کا دروازہ ہمیشہ بند رہتا ہے جب سیاح آتے ہیں دروازے پر گھنٹی بجاتے ہیں تو اندر سے کوئی نہیں آتا بلکہ ساتھ کی مسجد سے کوئی دربان چابیاں لے کر آتا ہے اور سیاحوں کے لیے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ مسجد الزاویۃ الادویہ ہے جو سال 1620ء سے ہی یہاں قائم ہے۔ اس گول عمارت میں لگے ہوئے ستونوں پر باریک تہہ کا ماربل لگایا گیا ہے جو شاید ماضی قریب میں ہی لگایا گیا لگتا ہے۔ اندر فرش پر ایک ہی سل پر روشنی کا انتظام کیا ہوا ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاؤں کا نقش ہے۔ یاد رہے کہ یہاں دائیں پاؤں کا نشان ہے جبکہ بائیں پاؤں کے نشان والی سل یا پتھر پہلے ہی مسجد اقصیٰ میں منبر کے قریب موجود ہے۔

سیاحوں کو اس عمارت کے اندر اور باہر چار دیواری میں کھونٹیاں لگی نظر آتی ہیں۔ یہ کھونٹیاں ان خیموں کو لگانے کے لیے ہیں جو سالانہ اجتماع کے وقت زائرین کو مہیا کیے جاتے ہیں۔ یہ تہوار ایسٹر (Easter) کے چالیس روز بعد قریبی جمعرات کو ہر سال بڑی عقیدت سے منایا جاتا ہے جس میں اسرائیل بھر سے عیسائی شرکت کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب اس زیارت کو دیکھنے کے لیے یروشلم کے مضافات میں ایک آبادی الطور (Al-Tur) میں جانا پڑتا ہے۔ اگر باب العمود سے بس نمبر 75 پکڑ لیں تو یہ پندرہ منٹ کی مسافت پر ہے جبکہ جنرل بس سٹیشن سے آدھ گھنٹہ لگتا ہے۔ ٹیکسی بھی کچھ زیادہ مہنگی نہیں پڑتی کیونکہ یہ آبادی یروشلم کا ہی حصہ ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے مزار سے بہت سے سیاح پیدل بھی آجاتے ہیں مگر عورتیں اور بزرگ اجتناب ہی کرتے ہیں کیونکہ چڑھائی بہت زیادہ ہے۔

چرچ بام معراج حضرت عیسیٰ علیہ السلام: قریب ہی جبل زیتون پر ایک چونسٹھ (64) میٹر اونچا مینار نظر آتا ہے جو روسی قدامت پسند عیسائیوں کے چرچ کا حصہ ہے۔ اس کا سال تعمیر 1870ء کے لگ بھگ ہے اور یہ ان زائرین کے لیے بنایا گیا تھا جو دریائے اردن تک جانے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ اس مینار پر چڑھ کر وہ دریا کو دیکھتے تھے۔ مگر دریائے اردن جانے کا مقصد عیسائیوں کی کسی بھی مذہبی کتاب میں واضح نہیں۔ مشہور ہے کہ اس مینار کے اوپر اٹھارہ (18) ٹن وزنی گھنٹی نصب ہے جو روس میں تیار کی گئی تھی مگر اس کو خواتین عقیدت مند وہاں سے دھکیل کر یہاں لائی تھیں اور اس وقت کی ہتھ ریڑھی پر رکھ کر لائی گئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یروشلم شہر میں عثمانیہ دور حکومت میں یہ پہلی گھنٹی تھی جو چرچ پر نصب ہوئی تھی کیونکہ سلطنت عثمانیہ میں گرجا گھروں میں گھنٹی بجانا بہت دہائیوں سے منع تھا۔ 1907ء سے آج تک اس چرچ کا انتظام و انصرام مختلف اقوام سے آئی ہوئی خواتین کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب مل کر مذہبی گیت گاتی ہیں تو اتنی بہترین دھن بکھیرتی ہیں کہ ہوا بھی تھم تھم جاتی ہے اس چرچ کے ایک حصے میں ان کی رہائشیں ہیں اور انہوں نے خود کو اس چرچ کے لیے وقف کیا ہوا ہے۔

اس چرچ تک جانے کے لیے سیاح الزاویۃ الادویہ مسجد کے ساتھ کی سڑک پر گلی نمبر 7 میں مڑتے ہیں جو ان کو اس چرچ تک لے جاتی ہے۔ اندر داخل ہونے کے لیے سبز گیٹ پر نصب الیکٹرانک پیڈ کو استعمال کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ دروازہ ہر وقت کھلا نہیں رہتا۔ یہ چرچ بھی سینکڑوں سال پرانے ایک چرچ کے کھنڈرات پر ہی دوبارہ یا سہ بارہ تعمیر ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے راستوں پر لگے کچھ پتھر ایسے ہیں جن پر خون کے چھینٹے نظر آتے ہیں اور یہ ان خواتین عقیدت مندوں کا خون ہے جو 614ء میں پرشیا کے حملہ آوروں کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھیں۔ باہر کی دیوار کے ساتھ ہی ایک اور مقدس پتھر دیکھنے کو ملتا ہے جس کے بارے میں قدامت پسند عیسائیوں کو یقین ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر ہی حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

اسی چرچ کے اندر ایک گڑھا بھی دیکھا جا سکتا ہے جس کے بارے میں عیسائیوں کا ایمان ہے کہ اس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کٹا ہوا سر مبارک پڑا ملا تھا مگر عیسائیت کی مذہبی کتابوں میں ایسا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس جگہ پر بعد میں ایک چھوٹی سی عبادت گاہ (Chapel) بھی بنا دی گئی تھی۔

حضرت رابعہ الادویہ کا مزار: اس زیارت، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نقش پا کی موجودگی کا ذکر کیا گیا ہے، کے قریب ہی ایک تہہ خانہ ہے جس کو جانے کے لیے چھوٹا سا سبز رنگ کا دروازہ نصب ہے۔ اس کے اندر ایک مقبرہ ہے جس کی زیارت کے لیے یہودی، عیسائی اور مسلمان سیاح سبھی یہاں آتے ہیں مگر تینوں کے آنے کی وجوہات الگ الگ ہیں۔ یہودی یقین رکھتے ہیں کہ ان کی ساتویں صدی قبل مسیح کی خاتون پیغمبر حلدہ (Huldah) یہاں دفن ہیں اور یہ قبر اسی کی ہے اور یہ پیغمبر حلدہ ان سات خواتین پیغمبروں میں سے ایک تھی جن کا ذکر قدیم بائبل کی کتاب 2-Kings کے بائیسویں (22) باب میں کیا گیا تھا۔ عیسائی یہاں اس لیے آتے ہیں کہ ان کی دانست میں یہ قبر پانچویں صدی عیسوی کی ایک راہبہ پلاگیا (Pelagia) کی ہے جبکہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ مزار مبارک آٹھویں صدی عیسوی کی ایک صوفی منش خاتون حضرت رابعہ الادویہؒ کا ہے جو شام سے یہاں آئیں تھیں اور یہ مسجد بھی اس کے نام پر ہے۔ یاد رہے کہ یہ رابعہ الادویہ الگ خاتون ہیں اور عراق میں پائی جانے والی حضرت رابعہ بصریؒ الگ ہیں۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا سال پیدائش 714ء کے لگ بھگ ہے اور انہوں نے اپنی ساری زندگی بصرہ میں ہی گزاری تھی۔

پاٹر ناسٹر چرچ (Church of Pater Noster):

جبل زیتون پر ایک اور چرچ بھی ہے جہاں سیاح ٹوٹ ٹوٹ پڑتے ہیں جو ایک اور چوتھی صدی عیسوی کے چرچ آف ایلونا (Church of Eleona) کے کھنڈرات کے قریب یا انہی بنیادوں پر بنا ہے۔ یہ کھنڈر بیسویں صدی عیسوی میں ہی دریافت ہوئے تھے۔ یہ ناسٹر چرچ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پڑھی گئی ایک مخصوص دعا کے حوالے سے مشہور ہے جس کو Lord's Prayer کہا جاتا ہے اور جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خاص طور پر اپنے حواریوں کو سکھلایا تھا۔ اس چرچ کی وجہ شہرت مزید یہ ہے کہ اس مخصوص دعا کا 140 زبانوں میں ترجمہ ہوا اور ان ترجموں میں سے

اکثر یا ممکن ہے سبھی، ایک مخصوص سائز کی تختی پر لکھوا کر چرچ کی دیواروں پر چنوا دیا گیا ہے۔ اسی جگہ پر صلیبی حکمرانوں نے بارہویں صدی عیسوی میں ایک چرچ تعمیر کیا تھا اور انہوں نے ہی اس چرچ کو یہ نام دیا تھا۔

انجیل مقدس کی کتاب متی کے باب نمبر 16 اور لوقا کے باب نمبر 11 میں اس مخصوص دعا کا ذکر ہے اور خاص بات یہ ہے کہ اس چرچ کے نیچے ایک غار ہے جو یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی تھا۔ 330ء میں بادشاہ کانسٹن ٹائن نے جب یہاں سہ منزلہ چرچ بنایا تھا تو اسی کو چرچ الیونا کا نام دیا گیا تھا۔ یعنی زیتون والا چرچ۔ اسی غار میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلم کی تباہی کی پشین گوئی کی تھی جو 70ء میں ہیکل دوئم کی تباہی کی شکل میں پوری ہوگئی تھی اور یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دوبارہ ظہور پذیر ہونے کا مژدہ سنایا تھا۔

صلیبی حکمرانوں نے پہلے 1106ء میں یہاں پرانے کھنڈرات کو سنبھالا دیا اور پھر 1152ء میں پورا چرچ تعمیر کیا لیکن سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب یروشلم کا محاصرہ (1187ء) کیا تو یہ چرچ بہت زیادہ تباہ ہوگیا تھا اور اسی لیے عیسائی خود اسے چھوڑ گئے تھے اور کئی صدیوں تک کسی نے ادھر توجہ نہیں دی تھی۔ حتیٰ کہ 1874ء میں ایک فرانسیسی شہزادی بوسی (Bossi) نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور اس وقت اس نے انتالیس (39) زبانوں میں اس مخصوص دعا کا ترجمہ کروا کر کتبوں کی شکل میں دیواروں میں چنوا دیا تھا۔ بعد کے ادوار میں ترجمے ہوتے گئے اور کتبے دیواروں میں لگتے رہے۔ جب تک چرچ بنتا رہا شہزادی خود قریب ہی ایک لکڑی کے ہٹ میں رہائش پذیر رہی۔ اس نے ساتھ ہی غار میں اپنی قبر تیار کروائی تھی، اس توقع پر کہ وہ خود یہیں دفن ہوگی۔ چرچ مکمل ہوا تو وہ اٹلی کے شہر فلورنس چلی گئی تھی جہاں اس کی موت واقع ہوگئی اور وہ وہیں دفن ہوئی۔ مگر 1957ء میں اس کی وصیت پر عمل ہوا اور اس کے تابوت کو فلورنس سے اس غار میں منتقل کر دیا گیا۔ اب سیاح اس کی قبر کے ساتھ اس کا پورے قد کا مجسمہ بھی دیکھتے ہیں۔

چرچ کے اندر سے ہی سیڑھیاں نیچے اترتی ہیں جو سیاحوں کو غار میں لے جاتی ہیں جو دراصل چوتھی صدی عیسوی سے اب تک اس طرح موجود رہا۔ غار کے اندر کچھ مزید کام کیا گیا مگر زیادہ نہیں کیونکہ بڑا چرچ اوپر کھڑا تھا کہیں اس کو نقصان نہ پہنچے۔ ہاں مگر اس غار میں ایک قبر پہلی صدی عیسوی کے زمانے سے تھی جسے بادشاہ کانسٹن ٹائن نے بند کروا دیا تھا۔ اسے اب سیاحوں کی زیارت کے لیے دوبارہ کھول دیا گیا ہے۔

ڈومی نس فلیوٹ چرچ (Church of Dominus Flevit): جب سیاح جبل زیتون سے پیدل نیچے وادی میں اترتے ہوئے آدھے راستے پر پہنچتے ہیں تو انہیں دائیں ہاتھ ایک گیٹ کے اندر (گیٹ عموماً بند رہتا ہے سیاح گھنٹی بجاتے ہیں تو دربان فوراً گیٹ کھول دیتا ہے) ایک جگہ ملتی ہے جس کے بارے میں عیسائیوں میں روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں بیٹھ کر رو دیے تھے یہ سوچ کر کہ جب یروشلم تباہ ہوگا تو بڑا ہی خونی منظر ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنسو زمین پر آ گرے تھے آج کل اسی جگہ پر یہ چرچ قائم ہے۔ ڈومی نس فلیوٹ لاطینی زبان کے الفاظ ہیں جن کے معانی ہیں کہ لارڈ یہیں روئے تھے۔ بہت ہی جدید طرز تعمیر کا شاہکار یہ چھوٹا سا چرچ 55 - 1953ء کے مابین تعمیر ہوا تھا۔ مشہور آرکی ٹیکٹ انتونیو بارنوری نے اس کو ڈیزائن کیا تھا اور عمارت کے چاروں کونوں پر گہرے سرمئی رنگ کی نیچے گرتی چھت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنسو ڈھلک رہے ہیں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ عمارت یہاں پر نئی بنائی گئی ہے۔ اس جگہ پر سینکڑوں من مٹی تلے دبا ہوا پانچویں صدی عیسوی کا ایک بازنطینی چرچ بھی موجود ہے۔ وہ چرچ بھی جب تعمیر ہوا تھا تو اس کی تہہ میں 1600 قبل مسیح کے زمانے کا قبرستان تھا جس کی ایک جھلک مین گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی داہنے ہاتھ پر ایک الگ بنے ہوئے ڈھارے میں لوہے کی سلاخوں کے بیچ میں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ انجیل مقدس کی کتاب لوقا کے باب نمبر 19 میں اس جگہ کا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہیں قیام کر کے یروشلم کی تباہی کی پشین گوئی کی تھی اور یہ شہر ان کی وفات کے چالیس سال کے اندر اندر ہی تباہ ہوگیا تھا۔ اس تباہی کا ذکر ہیکل دوئم کی تباہی کے واقعات میں پہلے کیا جا چکا ہے۔

صلیبی فرمانرواؤں کے دور میں یہاں صرف ایک چھوٹی سی عبادت گاہ (Chapel) تھی مگر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بارہویں صدی عیسوی

میں یہاں المنصور یہ مسجد بنوادی۔ اس مسجد کی بنیادیں وہ پرانے بازنطینی چرچ ہی کی تھیں۔ 1891ء میں کیتھولک عیسائیوں نے یہ تمام جگہ خرید کر ایک چھوٹی سی عبادت گاہ (Chapel) بنالی تھی اور پھر 1913ء میں یہاں عیسائی راہبوں کے لیے رہائش گاہیں بنا دی گئی تھیں۔ ان راہباؤں (Nuns) کو Sisters of St. Joseph کہا جاتا تھا۔ 1940ء میں یہ مکان بھی گرادیے گئے۔ بالآخر 1953ء میں کیتھولک عیسائی مشنری نے چاردیواری بنا کر چرچ کے لیے کھدائی شروع کردی مگر جا بجا نیچے سے بہت پرانی قبریں اور بازنطینی چرچ کی بنیادیں آڑے آتی رہیں۔ کچھ بچ بچا کر اور کہیں تاریخ سے مفاہمت کے اصول کے تحت یہ چرچ بنا ہی دیا گیا۔

یہاں سے ملنے والی زیرزمین قبروں کے سٹائل سے 136 قبل مسیح اور 300 عیسوی کے مابین کئی ادوار کی تاریخ سامنے آئی۔ ان میں ہیکل دوئم کی تباہی کے دوران کی قبریں بھی ملیں بلکہ ایک جگہ سے تو پانچویں صدی والے بازنطینی چرچ کا پورا فرش دستیاب ہوا تھا جو بہرحال محفوظ کر کے سیاحوں کے لیے ساتھ ہی کی جگہ پر رکھا گیا ہے جسے سیاح بڑی باریک بینی سے دیکھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں۔

چرچ آف میری میگڈے لین (Church of Mary Magdalene)

سیاح ڈومی نس فلیوٹ چرچ سے باہر نکل کر داہنے ہاتھ کو حضرت مریم علیہا السلام کے مزار کی طرف نیچے اترتے ہیں تو ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پہاڑی راستہ اوپر کو جاتا ہے یہ میری میگڈے لین چرچ کا راستہ ہے۔ میری میگڈے لین کا ذکر انجیل کی کتاب مارک کے باب نمبر 16 میں ملتا ہے کہ یہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد سب سے پہلے دیکھا تھا۔ یہ پارسا خاتون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یا پیروکاروں میں سے تھی۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ہوتی تھی اور مصلوب ہونے کے اوقات میں بھی ساتھ تھی۔ اس لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری لمحوں کی یہ پہلی چشم دید گواہ قرار دی گئی تھی۔

مذکورہ بالا چرچ 1886ء میں زار روس الیگزنڈر سوئم نے اپنی والدہ کی یاد میں بنوایا تھا اور اس کا ڈیزائن سترہویں صدی عیسوی کے مقبول روسی طرز تعمیر پر ہی رکھا گیا تھا۔ پیاز کے چھلکوں کی طرح کے سات نہایت ہی عمدہ گنبد اس چرچ کی شان ہیں جن کے اوپر سنہری جھال یروشلم کے ہر حصے سے نظر آتی ہے اور احاطہ بیت المقدس کے بالکل سامنے یہ ساتوں گنبد بہت ہی دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر رات کے اوقات میں اس کی چمک دیدنی ہوتی ہے کیونکہ چمکدار گنبد درختوں کے اوپر تیرتے محسوس ہوتے ہیں۔

اس چرچ کے سامنے والا حصہ بھی فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کے اوپر ہلکے نیلے رنگ میں تراشیدہ میری میگڈے لین کی اپنی شبیہ نہایت عمدہ لگتی ہے۔ چرچ کا تمام انتظام تیس عورتوں کے ہاتھ میں ہے جو راہبائیں بھی ہیں اور خدمت گار بھی اور سب کا اصل تعلق روس سے ہی ہے۔ دوسرے ملکوں کی راہبائیں بھی ان کی مدد کے لیے وہاں ہوتی ہیں اور سب مل کر مذہبی گیت اس عمدگی اور خوبصورت آواز سے گاتی ہیں کہ عبادت کے لیے آنے والے لوگ مدتوں اس کی چاشنی نہیں بھول پاتے۔

چرچ کے اندر حضرت مریم علیہا السلام کی شبیہ مبارک لکڑی کے ایک صندوق میں رکھی ہوئی ہے جس کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ اس صندوق میں کوئی روحانی طاقت بھی ہے۔ اسی چرچ کے ہال میں دوسری طرف ایک جرمن شہزادی کا تابوت رکھا ملتا ہے جو دراصل ملکہ وکٹوریہ کی پوتی تھی۔ اسی چرچ کے مین ہال کے نیچے تہہ خانے میں یونان کی شہزادی ایلس (Alice) کی قبر ہے جو برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کی ساس بھی تھی۔ اس نے کبھی یہ خواہش کی تھی کہ اسے اپنی دادی (جس کا نام بھی الزبتھ ہی تھا) کے قریب دفن ہونا اچھا لگتا ہے۔ پس اس کی خواہش کے مطابق وہ بھی اسی تہہ خانے میں دفن ہیں۔ ایک اور رشتے کی رو سے یہ سنیئر الزبتھ شہزادی ایلس کی خالہ بھی لگتی تھی۔ شہزادی ایلس نے یہ خواہش 1930ء کی دہائی میں یروشلم آنے کے موقع پر کی تھی۔ اس کی وفات 1969ء میں لندن میں بکنگم پیلس میں ہوئی تھی۔ وہ لندن میں ہی دفن ہوئی تھی مگر 1988ء میں اس کی ہڈیاں نکال کر یروشلم بھجوادی گئیں تھیں اب وہ اس چرچ آف میگڈے لین کے تہہ خانے میں ابدی آرام کر رہی ہے۔

چرچ صعود: جہاں سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا
(بشکریہ Adriatikus، جنوری 2008)

دعائے عیسیٰ علیہ السلام کی جگہ

گلشن سوہان روح

باغ زیتون سے سنہری گنبد کا منظر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاؤں کا نشان (عیسائی روایت)

دعائے عیسیٰ علیہ السلام کی تختیاں

چرچ: گلشن سوہان روح میں

باغ زیتون کی ایک دیوار

راہ الم پر ایک قدیم سبیل

چرچ میری میگڈے لین

چرچ میگڈے لین: اندرونی منظر

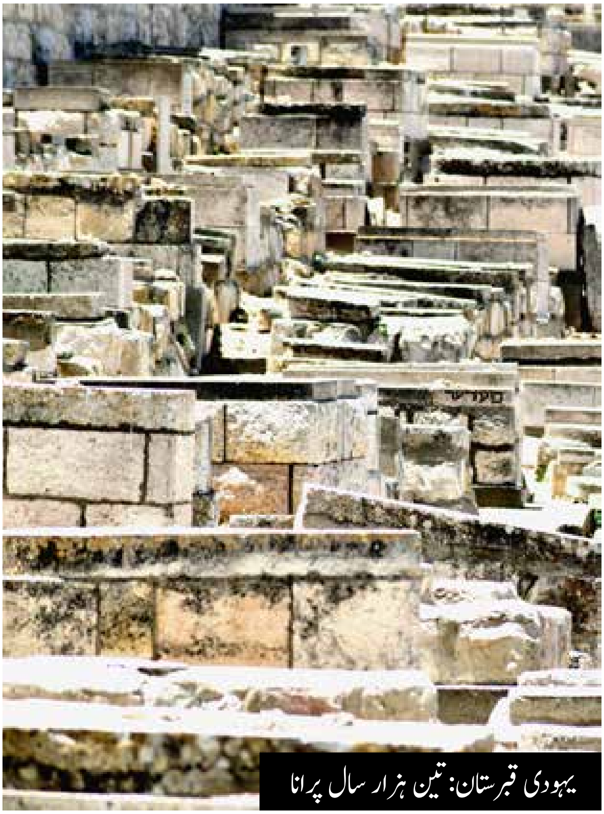

یہودی قبرستان: تین ہزار سال پرانا

یہودیوں کا نیا قبرستان

نہایت قدیم دور کی قبریں

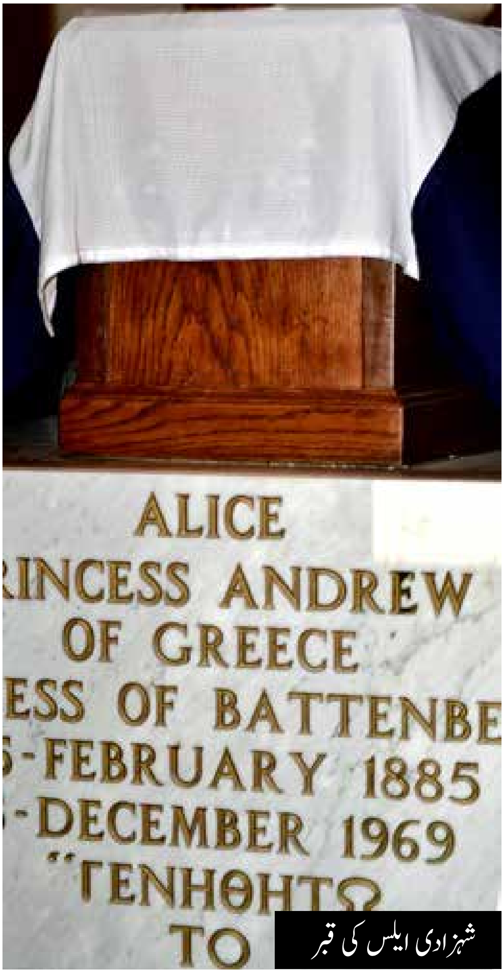

شہزادی ایلس کی قبر

گیٹ سی من چرچ

الادویہ رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ

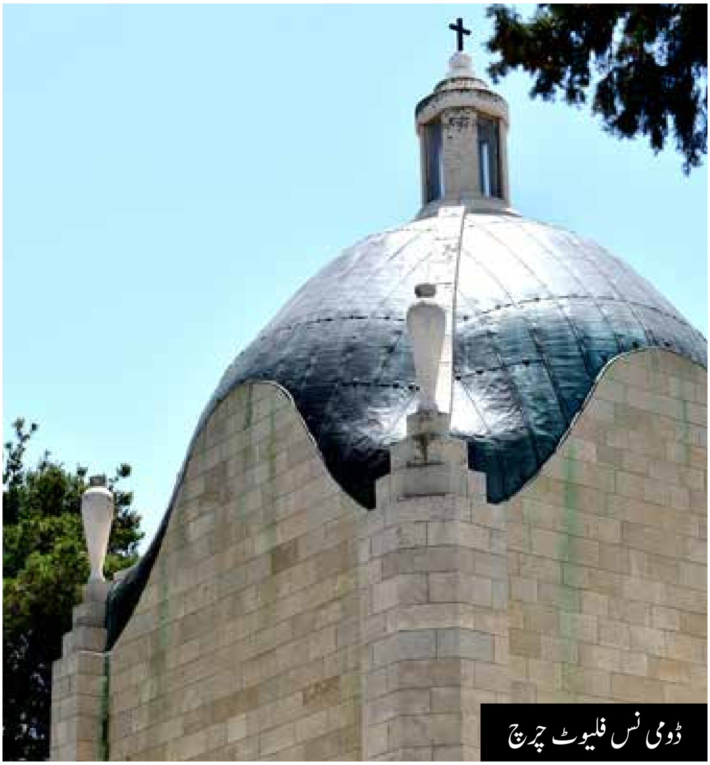
ڈومی نس فلیوٹ چرچ

قوم لوط پر عذاب کا مقام

بحرہ مردار (Dead Sea) سطح سمندر سے چار سو تیس (430) میٹر یعنی 1412 فٹ نیچے روئے زمین پر نچلی ترین جگہ ہے۔ اس سے اسرائیل، فلسطین اور اردن کی سرحدیں لگتی ہیں۔ تمام سال یہاں ہوا خشک رہتی ہے اور دن میں سورج چمکتا رہتا ہے۔ بارش سال بھر میں پچاس (50) ملی میٹر بھی نہیں ہوتی ہے جبکہ بھرپور گرمیوں میں بھی درجہ حرارت تیس سے اڑتیس سینٹی گریڈ (30 - 38C) رہتا ہے۔ سردیوں میں البتہ بیس بائیس سینٹی گریڈ (20 - 22C) ہو جاتا ہے۔ یروشلم شہر سے پچیس (25) کلو میٹر دور بحرہ مردار لکھنے کو سمندر مگر دنیا کی کئی جھیلوں سے بھی کم رقبہ پر محیط ہے جسے دریائے اردن پانی سپلائی کرتا ہے۔

دو ہزار سال قبل بادشاہ ہیرڈ نے اس علاقے کو اس کی طبی خصوصیات کی وجہ سے زیادہ پسند کیا تھا مگر صلیبی حکمرانوں نے تو ہمیشہ اسے شیطانی سمندر (Sea of Satan) کہا جبکہ مسلمان بھی اسے اللہ پاک کے عذاب کا مظہر قرار دیتے ہیں۔ اس سمندر میں پائی جانے والی معدنیات و نمکیات کو ہمیشہ سے ہی شفا بخش کہا جاتا رہا ہے۔ اب بھی دنیا کے بہترین صابن اسی سے بنتے ہیں اور سیاح یہاں ساحل پر صرف اس لیے نہانے کے لیے آتے ہیں کہ یہ تفریح سے بھرپور غسل تمام عمر یاد رہتا ہے۔ بحرہ مردار کا گوند نما سیاہ گارا مصری ممیوں پر استعمال ہوتا رہا ہے اور ملکہ قلوپطرہ کے غسل کا ایک جزو بھی رہا۔ اس گارے سے بنائی گئی جلدی بیماریوں کی دوائیں اب بھی دنیا بھر میں مہنگی ترین شمار ہوتی ہیں اور اس سمندر سے روزانہ ٹنوں کے حساب سے پوٹاش حاصل کیا جاتا ہے۔

بحرہ مردار کہنے اور لکھنے کو تو سمندر ہے مگر صرف پچاس (50) کلو میٹر لمبا اور پندرہ (15) کلو میٹر تک چوڑا ہے۔ یہ سمندر مسلسل سکڑتا جا رہا ہے اور ہر سال تقریباً ایک میٹر کے لگ بھگ چھوٹا ہو رہا ہے۔ اس کے پانی کی نکاسی کہیں نہیں ہوتی، صرف بخارات کے ذریعے ہی پانی کم ہوتا ہے۔ پس صرف نمکیات پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اس پانی کا ذائقہ انتہائی کڑوا ہے۔ عام سمندروں کی نسبت بحرہ مردار میں نمکیات کی مقدار دس گناہ زیادہ ہے۔ یہی نمکیات یعنی پوٹاشیم اور میگنیشیم کے کلوڑائیڈز (Chlorides of Potassium & Magnesuim) اور ان کی زیادتی یہاں نہانے والے لوگوں کو ڈوبنے نہیں دیتی۔

لیکن ایسا بھی نہیں کہ بحرہ مردار میں لوگ ڈوبتے نہیں۔ ہر سال دسیوں لوگ حادثاتی طور پر ڈوبتے ہیں مگر صرف وہی لوگ ڈوبتے ہیں جو یہاں پر عام طریقے سے تیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سمندر سوئمنگ پولز (تیراکی کے تلاب) کی طرح پیٹ کے بل تیرنے کے لیے نہیں، نہ ہی یہاں ہاتھ پاؤں مارے جا سکتے ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی طریقے سے نہایا جاتا ہے اور وہ ہے پشت کے بل لیٹنا۔ آپ پانی پر لیٹ کر اخبار پڑھتے رہیے اور تیرتے رہیے۔ پس یہی تفریح کافی ہے۔

اسلامی تاریخ اور روایات کے مطابق بحرہ مردار دراصل ایک قدیم بستی سوڈوم (Sodom) کی جگہ ہے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کا گھر بھی تھا۔ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ اس بستی کے لوگ نہایت سرکش، نافرمان اور برائی میں تمام حدوں کو عبور کرنے والے تھے جو اللہ پاک کی تمام تر ہدایات کا تمسخر اڑاتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بار ہا سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ شیطانی حرکات سے باز نہ آئے۔ حتیٰ کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی نافرمان لوگوں میں سے ایک تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے روانہ ہونے لگے تھے تو ان کے بھتیجے (یا بھانجے) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ سوڈوم کی بستی کی طرف جائیں اور حد درجہ گنہگار لوگوں کو راستی کا پیغام دیں۔ تب یہ لوگ راہ گیروں کو لوٹ کر ان کو قتل کر دینے کو عمومی اور چھوٹی سی برائی خیال کرتے تھے اور مردوں کا آپس میں جنسی اختلاط ان کا خصوصی شغل تھا۔ یاد رہے انگریزی زبان و ادب میں مردوں کے آپس میں جنسی تعلقات کو سوڈومی (Sodomy) کہا جاتا ہے اور یہ لفظ اسی شہر کی مناسبت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے دور میں یہ جنسی فعل کھلے عام اور نہایت بے شرمی سے ہر جگہ کیا جاتا تھا جس کے لیے حضرت لوط علیہ السلام لوگوں کو بار بار منع کیا کرتے تھے مگر وہ لوگ اس قدر سرکش تھے کہ انہوں نے نہ صرف آپ علیہ السلام کی ہدایات کو ٹھکرا دیا بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر آپ علیہ السلام اپنی تبلیغ سے باز نہیں آئیں گے تو بستی سے باہر نکال دیا جائے گا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے قرآن کریم کی سورۃ نمبر 26 کی آیات 160 تا 174۔

یہ واقعہ ہر مسلمان کو ازبر ہے کہ کس طرح خدائے واحد نے تین فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بھیجے تھے اور بستی والوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ کیا مکالمہ کیا تھا۔ آخر کار اس بستی پر انتہائی دردناک عذاب نازل ہوا۔ سوڈوم بستی کو اوپر اٹھا کر الٹا زمین پر دے مارا گیا۔ پھر ان پر سرخ کنکریوں کی شدید بارش کی گئی۔ اس بستی کے ہر ذی نفس کو تباہ کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی بیوی کو بھی رہتی دنیا کے لیے نشان عبرت بنا دیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا پتھر کا مجسمہ آج بھی بحرہ مردار کے کنارے لوگوں کے لیے عبرت کے طور پر اسی جگہ پر پچھلے چار ہزار (4000) سال سے کھڑا ہے مگر یہ جگہ اسرائیل و فلسطین کی طرف نہیں بلکہ اردن کے حصے میں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے قرآن مجید کی سورۃ 15 کی آیات 57 تا 75 اور سورۃ نمبر 11 کی آیات: 82 تا 83۔

اللہ تعالیٰ نے ناراض ہوکر سوڈوم بستی کے لوگوں کی سرکشی اور نافرمانی کی جو سزا تجویز کی وہ تاریخ کی ایک اٹل حقیقت ہے۔ وہ تباہ شدہ بستی اب بحرہ مردار کی تہہ میں ہے جہاں سے ابھی بھی کبھی کبھار انسانی کھوپڑیوں کے بدبودار ٹکڑے نکل کر سطح آب پر تیرتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس تباہی کی داستان صرف قرآن کریم میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب کے صحیفوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ انجیل مقدس کے مطابق سال 1890 قبل مسیح میں دو بستیاں سوڈوم اور گومرہ (Sodom & Gomorrah) اسی جگہ پر سرخ پتھروں کی بارش سے تباہ ہوئی تھیں جبکہ ان پتھروں کے ساتھ آگ اور سلفر بھی تھی۔

انجیل کی کتاب پیدائش کے باب نمبر 19 کی آیات 21 تا 26 میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو بیس (20) فٹ اونچے نمک کے تودہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ جب اس نے مڑ کر اپنی بستی والوں کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ اس کتاب پیدائش میں ایک اور قریبی بستی جریکو (Jericho) کا بھی ذکر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تباہ ہوئی تھی۔ یہ بستی البتہ ابھی بھی زندہ ہے اور سیاحوں کے لیے بہت پرکشش بھی۔

بحرہ مردار کی مشرقی جانب سب سے بلند چوٹی جبل نیبوا (Mount Nebo) کی ہے جو دور دور سے نظر آتی ہے۔ یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے Promised Land کی بشارت دی گئی تھی۔ یاد رہے کہ قوم لوط سے قبل بھی بحر مردار ایک بڑی جھیل کی مانند ادھر ہی تھا اور اس کی سطح آب پر قدرتی کولتار کے گولے سے تیرتے رہتے تھے۔ اہل عرب ان Globs of Natural Asphalt کو ماہی گیروں کی طرح جال میں اکٹھا کرتے تھے جو فوراً ہی مصریوں کو بیچ دیتے تھے جہاں وہ اسے ممیوں کی حفاظت کے عمل میں استعمال کرتے تھے۔

قدیم زمانے کے رومی بحرہ مردار کو اسفالٹ جھیل (Asphalt Lake) کے نام سے جانتے تھے۔ بحرہ مردار کے مغربی کنارے پر بادشاہ ہیرڈ نے کئی محل اور قلعے تیار کیے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم ماسادہ (Masada) تھا جہاں آ کر یروشلم کے یہودیوں نے اس وقت پناہ حاصل کی تھی جب 70ء میں ان کا ہیکل دوئم تباہ ہوا تھا۔ بازنطینی حکومتوں کے دور میں بھی بحرہ مردار اور اس کے گرد اگرد پہاڑیاں اور بستیاں وقت پڑنے پر پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہوا کرتی تھیں۔

یہودیوں کے نزدیک یہ بحرہ مردار نہایت اہم اور قابل تعظیم جگہ ہے۔ 1945 - 55ء کے دوران کھدائی میں یہاں سے 150 سال قبل مسیح اور 70ء کی تورات اور مذہبی تاریخ کے بہت سے صفحات قمران (Qumran) کی ایک غار سے دستیاب ہوئے تھے (یہ جگہ بحرہ مردار کے شمالی کونے سے 1.6 کلومیٹر کی مسافت پر ہے) اور دنیا بھر میں Dead Sea Scrolls کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

اوپر کی سطور میں دیے گئے علاقوں اور بستیوں کے نام تقریباً تمام ہی مذہبی کتابوں میں ملتے ہیں اور وہ صفحہ ہستی سے نہ صرف یہ کہ چار ہزار (4000) سال قبل مٹ گئے تھے بلکہ آج تک بھی وہاں کوئی بستی ترقی یافتہ شکل میں آباد نہیں رہتی۔ عجب قانون فطرت ہے کہ بہت سے گاؤں کئی حکومتوں نے یہاں بحرہ مردار کے گرداگرد تعمیر کیے، ٹورسٹ لوگوں کے لیے جگہیں (Spots) مختص کیں مگر چند سالوں کے بعد ہی وہ بستیاں اور گاؤں ویران ہو جاتے ہیں۔ لوگ مستقل رہائش نہیں رکھتے۔ ہوٹل نہیں چلتے۔ ریسٹورنٹ سیاحوں سے خالی رہتے ہیں۔ بس لوگ جاتے ہیں اور دیکھ کر واپس آ جاتے ہیں۔ سچ ہے کہ پیدا کرنے والا ہی جس جگہ سے ناراض ہو وہاں اس کے بندوں کے دل کیسے لگ سکتے ہیں۔

سوڈوم کی بستی تباہ ہو جانے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملنے گئے اور اپنی بستی کی تباہی کا واقعہ بتانے لگے تو یہ جان

کر حیران ہوئے کہ یہ واقعہ پہلے ہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم میں تھا۔ دراصل جو تین فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تھے وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہی آئے تھے اور بتا کر گئے تھے کہ آج کی رات وہ سوڈوم بستی کو تلپٹ کر دیں گے کیونکہ وہ لوگ سرکشی اور نافرمانی میں تمام حدیں پار کر گئے تھے۔ سوڈوم اور گومرہ کی بستیاں آج بھی بحرہ مردار میں غرق ہیں اور قیامت تک کوئی آبی مخلوق بھی نہ وہاں رہ سکے گی اور نہ پیدا ہو سکے گی۔ نہ مچھلیاں، نہ ہی آبی پودے، کچھ بھی نہیں اور یوں یہ سمندر دنیا بھر کے آبی ذخیروں سے قطعی مختلف ہے۔

بحرہ مردار کی گہرائی تین سو چار (304) میٹر یعنی تقریباً ایک ہزار (1000) فٹ ہے۔ اتنے زیادہ نمکیات کے ساتھ دنیا کی گہری ترین جگہ۔ مقدار نمکیات (Salinity) یہاں 342 گرام فی کلو یعنی 34.2 فیصد ہے۔ پس کوئی پرندہ، درندہ، پودہ یا دیگر آبی مخلوق سانس ہی نہیں لے سکتی۔ اسی لیے اس سمندر کے جنوبی علاقوں میں نمکیات حاصل کرنے کے لیے Pools & Ponds بنائے گئے ہیں۔ پھر یہی نمکیات دنیا بھر کو برآمد کیے جاتے ہیں۔ 1980ء کے بعد سے یہاں کناروں پر بڑے بڑے کھڈے (Sinkholes) قدرتی طور پر بننا شروع ہو گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے سمندر کی سرحدی حدود میں جا بجا غیر ہموار کھڈے سارے ماحول کے لیے پریشان کن کیفیت پیدا کیے ہوئے ہیں۔ دسمبر 2013ء میں اسرائیل، اردن اور فلسطینی حکومتوں نے اک معاہدے کے تحت یہاں سے نمکیات نکالنے کے لیے ایک Desalination Plant لگانا تھا۔ جس نے 2021ء میں کام شروع کرنا تھا۔ مگر ابھی تک اس کی پراگریس کی خبر منظر عام پر نہیں آئی۔

بحرہ مردار کے گرد دنیا کی عمیق ترین (The Lowest) سڑکیں موجود ہیں۔ ان میں ہائی وے 90 اسرائیل و فلسطینی علاقوں سے گزرتی ہے اور ہائی وے 65 اردن کی جانب موجود ہے۔ سطح سمندر سے یہ سڑکیں تقریباً چار سو میٹر یعنی 1290 فٹ نیچے ہیں جو بذات خود ایک ورلڈ ریکارڈ ہے۔

سیاحوں کے لیے سب سے زیادہ پرکشش چیز تو بحرہ مردار کے ساحل پر نہانا یا اس میں تیرنا ہی ہے مگر بہت سے سیاح تاریخ کے جھروکوں میں جھانکنے کے لیے ماسادہ (Masada) جاتے ہیں جو تقریباً آدھ کلومیٹر بلندی پر ہے۔ پس خواتین اور بوڑھے افراد اس مشن سے باز ہی رہتے ہیں۔ اگر سیاح ٹیکسی یا ٹورسٹ بس پر ہوں گے تو آئن گدی (Ein Gedi) گاؤں میں بھی ضرور جاتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ کبھی یہ بستی بڑے ارمانوں سے بسائی گئی تھی۔ مگر اب ایسی اجڑی ہے کہ چائے کا کھوکھا تک بھی نہیں ملتا۔ سڑکوں کے کنارے پام کے درخت سوکھ گئے ہیں اور تمام پبلک و پرائیویٹ بلڈنگز خالی پڑی ہیں جیسے بھوت بنگلے ہوں۔

یروشلم کے جنرل بس سٹیشن سے بس نمبر 486 براہ راست بحرہ مردار جاتی ہے جو این گدی اور ماسادہ پر بھی سٹاپ کرتی ہے مگر بڑی سڑک پر ہی اتارتی ہے۔ باقی سفر آپ خود پیدل کریں گے۔ سیاح زیادہ تر یروشلم میں ہی اپنے ہوٹل کی وساطت سے ڈے ٹور کے طور پر بکنگ کراتے ہیں اور نو گھنٹے کے بعد واپس اپنے ہوٹل میں آ جاتے ہیں اور سو (100) ڈالر میں یہ ٹرپ مہنگا تصور نہیں کیا جاتا۔ یاد رہے کہ این گدی کے راستے میں این بوکک (Ein Bokek) کے سٹاپ پر اترنا بہتر ہوتا ہے کیونکہ سمندر کے ساحل پر Showers کا انتظام ہے۔ ایک میکڈونلڈ بھی ہے اور ایک ریسٹورنٹ میں فلافل بھی مل جاتا ہے۔ جبکہ این گدی میں شاورز اب بند کر دیے گئے ہیں۔ پھر بھی سفر پر نکلنے سے پہلے ہوٹل کے کاؤنٹر سے مکمل معلومات حاصل کر لینا ضروری ہے۔

بحرہ مردار پر ہر وقت دھوپ رہتی ہے مگر سطح سمندر سے بہت نیچا ہونے کی وجہ سے یہاں سورج کی شعاعوں میں تپش بہت کم ہوتی ہے۔ اسی لیے یہاں پر انگریزوں کو Sun Burn نہیں ہوتا۔ آب و ہوا میں بھی نمک بہت زیادہ ہوتا ہے۔ پس یہی راز ہے بحرہ مردار کی جگہ پر جلد کی بیماریوں سے صحت یابی کا۔

موسادہ کی پہاڑی پر دو ہزار (2000) سال قبل کا ایک قلعہ سیاحوں کے لیے کشش رکھتا ہے۔ ماسادہ کی بستی این گدی سے اٹھارہ (18) کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ ہفتے کے تمام دن یہاں پر کیبل کار (Cable Car) سروس میسر ہے مگر صرف آٹھ بجے سے شام چار بجے تک۔ بادشاہ ہیرڈ نے یہ تین منزلہ قلعہ 35 قبل مسیح میں بنوایا تھا جہاں وہ سردیوں میں آ کر قیام کیا کرتا تھا۔ یہ تمام علاقہ یونیسکو کی عالمی ورثہ کی فہرست میں بھی شامل ہے۔ ماسادہ کے قلعہ میں بھی یروشلم کے مینار داؤد کی طرف لائٹ اینڈ ساؤنڈ شو ہوتا ہے مگر اس کے لیے سیاحوں کو ایک الگ روٹ سے Via Arad آنا پڑتا ہے۔

ماسادا کے کھنڈرات (بشکریہ Godot، مارچ 2013)

ماسادا کے کھنڈرات (بشکریہ اورن روزن، اکتوبر 2013)

ماسادا کے کھنڈرات (بشکریہ اورن روزن، اکتوبر 2013)

بحرہ مردار کا ساحل

بحرہ مردار کا ساحل

بحرہ مردار کا ساحل

بحرہ مردار کے کنارے واقعہ ہوٹل

آئن بلک گاؤں (بشکریہTiia Monto،فروری 2016)

یروشلم کے دیگر قابل ذکر مقامات

حضرت سموئیل علیہ السلام کا مقبرہ: حضرت سموئیل علیہ السلام جنہیں Samuel / Samuil / Samwil تینوں طرح سے لکھا جاتا ہے، بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہودیوں کے قدیم قبائل کی رہنمائی کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ ان کا ذکر پرانی عبرانی مذہبی کتب اور انجیل مقدس میں بھی ملتا ہے کہ بنیادی طور پر وہ ساؤل (Saul) اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام دونوں کو بادشاہ بنانے والوں میں سے تھے۔ حضرت سموئیل علیہ السلام کی والدہ حنہ (Hannah) کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ پس انہوں نے منت مانی تھی کہ اگر ان کو بیٹا نصیب ہوا تو وہ اسے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ پس حضرت سموئیل علیہ السلام کی پیدائش اور پرورش اسی طرح سے ہوئی۔

حضرت سموئیل علیہ السلام کا مقبرہ یروشلم کے شمالی علاقے میں اسرائیل کے بارڈر کے بالکل ساتھ ایک اونچی پہاڑی جس کی بلندی 908 میٹر ہے، پر واقع ہے اور یہ ایک بستی راموٹ سے سوا کلومیٹر کی مسافت پر ہے اور کئی میل دور ہی سے نظر آ جاتا ہے۔ اس پہاڑی نے صدیوں کی جنگیں اپنے اردگرد ہوتی دیکھیں ہیں۔ یروشلم کا نظارہ کرنے کے لیے اس پہاڑی سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں کسی زمانے میں صلیبی حکمرانوں کے دفاعی حصار ہوا کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ تباہ ہوتے گئے اور اب صرف کھنڈرات باقی ہیں اور مزید کھدائی بھی ہو رہی ہے۔ اسی ایک حصار کی بنیاد پر اٹھارویں صدی میں غالباً 1730ء کے لگ بھگ یہاں مسجد بھی تعمیر ہوئی جس کے تہہ خانے میں حضرت سموئیل علیہ السلام کا مقبرہ تھا اور اب بھی ہے۔ 1967ء کی عرب و اسرائیل جنگ کے بعد البتہ اس مقبرہ کے ساتھ یہودیوں نے اپنا سناگاگ بنا لیا ہے۔ جس میں باقاعدہ عبادت ہوتی ہے اور یہودیوں کی بڑی تعداد ہر وقت یہاں موجود ہوتی ہے جبکہ یہاں مسلمان البتہ بہت کم آتے ہیں۔ یہاں پر نماز بھی کبھار ہی ہوتی ہے۔ نہ یہ مسجد آباد ہے اور نہ ہی کوئی باقاعدہ امام دیکھا جاتا ہے۔

حضرت سموئیل علیہ السلام کے مقبرہ پر جانا کار خاص ہے۔ یروشلم کے جنرل بس سٹیشن سے بس نمبر 31، 32، یا 67 لے کر پہلے راموٹ جنکشن تک جایا جاتا ہے اور پھر عربوں کی بس نمبر 36 پکڑنا پڑتی ہے جو چند سٹاپوں کے بعد آپ کو مین سڑک پر اس پہاڑی کے قریب اتارتی ہے جس پر مقبرہ ہے۔ پھر چڑھائی آپ پیدل ہی چڑھتے ہیں۔ حضرت سموئیل علیہ السلام کا مقبرہ اور اس کے گرد کی جگہ گو فلسطین کے حصے میں آتی ہے مگر اسرائیل نے نیشنل پارک کے ماسٹر پلان میں اسے بھی شامل کر رکھا ہے۔ پس یہاں کھدائی بھی ہو رہی ہے۔ کھنڈرات پر ریسرچ بھی ہو رہی ہے اور اوپر سے گاؤں میں بیس بائیس فلسطینی خاندان بھی رہائش پذیر ہیں۔ سب کچھ مل ملا کر سیاحوں کی کشش کا سامان بھی ہو جاتا ہے مگر تھکاوٹ اس لیے زیادہ ہو جاتی ہے کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کی کوئی سواری یہاں تک براہ راست نہیں جاتی۔ پس پورا دن صرف ایک اسی زیارت کو دیکھنے پر ہی لگ جاتا ہے۔

انجیل مقدس کی کتاب سموئیل میں واضح ہے کہ حضرت سموئیل علیہ السلام اپنے پیدائشی علاقے راماہ (Ramah) میں دفنائے گئے تھے اور وہ علاقہ اسی پہاڑی کا مشرقی کونہ بنتا ہے۔ یہ بھی تاریخ میں مرقوم ہے کہ دراصل حضرت سموئیل علیہ السلام فلسطین کے علاقے رملہ میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے تھے۔ پس وہیں دفن ہوئے۔ مگر 1173ء میں صلیبی حکمرانوں نے ان کے جسد مبارک کو رملہ سے راماہ کی موجودہ جگہ پر منتقل کر دیا تھا جو تب سے ہی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

حضرت سموئیل علیہ السلام کے مقبرہ والی جگہ اور یہ پہاڑی دفاعی اعتبار سے بہت ہی اہم جگہ سمجھی جاتی رہی ہے۔ یروشلم پر حملہ کرنے والی تمام قوتوں نے اس کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے اس کو دفاعی حصار بنائے رکھا۔ حتیٰ کہ انگریزوں نے ترکوں کے ساتھ جنگ میں بھی 1917ء تک اس پہاڑی پر خون ریز لڑائیاں لڑیں جن میں اردگرد کے بہت سے گاؤں بری طرح تباہ ہوئے تھے مگر 1921ء میں دوبارہ ان کو آباد کیا گیا۔ 1917ء کی آخری لڑائی میں مسجد بھی بری طرح متاثر ہوئی تھی مگر وہ بھی جلد ہی واپس اپنی پہلی حالت میں لائی گئی تھی۔

1948ء اور 1967ء کی دونوں عرب اسرائیل لڑائیوں میں اس پہاڑی کی مخصوص دفاعی پوزیشن دونوں کے لیے بہت اہمیت کی حامل رہی۔ اردن کے توپ خانے نے اس جگہ کا بہت استعمال کیا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت سموئیل علیہ السلام کا مقبرہ پہلے یا کم از کم 1173ء سے ایک چرچ ہی کا حصہ رہا ہے پھر نہ جانے کب چرچ تباہ ہوا۔ پھر بہت دیر بعد 1730ء کے لگ بھگ یہاں مسجد بن گئی اور اسی مسجد کے نیچے تہہ خانہ میں جہاں حضرت سموئیل علیہ السلام کا مقبرہ تھا 1967ء کے بعد ایک سنا گاگ بن گیا۔ اب سنا گاگ تو با قاعدگی سے عبادت گاہ کے طور پر استعمال ہوتی ہے مگر مسجد صرف سیاحوں کی زیارت بن رہ گئی ہے۔ پھر بھی دونوں اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا مقبرہ: احاطہ حرم شریف سے باہر جبل زیتون کی طرف نکلیں تو حضرت مریم علیہا السلام کے مقبرہ کے بالکل سامنے مگر سڑک کے اس پار ایک کچا راستہ نیچے کی طرف وادی میں اترتا ہے۔ یہ جگہ بھی وادی قدرون (Kidron Valley) ہی کا حصہ ہے مگر قدرے غیر آباد۔ اسی کچے راستے پر دوسو (200) گز آگے بائیں ہاتھ تین چار پتھروں کے برج نظر آتے ہیں۔ بس یہی پرانی قبور ہیں اور انہی میں سے ایک حضرت زکریا علیہ السلام کی قبر مبارک کا نشان ہے۔ یہ مقبرہ جات چٹان سے تراش کر بنائے ہوئے ہیں۔ مکمل ٹھوس جن کے اندر کوئی لحد نہیں اور نہ کوئی تابوت ہے اور نہ ہی کوئی اور چیز۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے نشان قبر کی تین سیڑھیاں، دو ستون اور اس چوکور سٹرکچر پر اہرام جیسی کونے دار چھت۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ڈیزائن بھی صرف سامنے کی طرف سے نظر آتا ہے۔ باقی تین اطراف صرف بھدے سے پتھر کو بس تراش کر چھوڑ دیا ہوا ہے۔

جب سیاح اس قبر نما ستون کو دیکھتے ہیں تو سامنے ہی دو بڑے دروازے یا راستے پہاڑ کے اندر جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ غار کے راستے ہیں مگر پبلک کے لیے بالکل بند ہیں۔ اندر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ دراصل ان کے اندر ہی تو اصل قبریں ہیں۔ یہ تین یا چار سٹرکچر یا ستون ٹھوس پتھر کے ہیں۔ پہاڑوں کو تراش کر کے نکالے گئے ہیں اور سبھی ایک صدی قبل مسیح سے اسی طرح ایستادہ ہیں۔ دراصل اس زمانے میں رواج ہی یہ تھا کہ وفات پانے والوں کی قبریں پہاڑوں کی غاروں میں ہی بناتے تھے یا تابوت غاروں میں رکھتے تھے مگر باہر کے راستے یا گزرگاہ پر ایسا کوئی نشان بنا دیتے تھے جس سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اس نشان کے پیچھے غار میں کن کن کی قبریں ہوں گی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے نشان قبر کے پیچھے جو غار ہے اس میں حضرت زکریا علیہ السلام تو ہیں ہی مگر آپ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ دو اور انبیا کرام علیہم السلام کی قبور مبارکہ بھی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں تو نہیں آیا مگر عبرانی انجیل میں ان کا ذکر ہے اور وہ بھی اسی دور یعنی ایک سو سال قبل مسیح میں ہی مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے نام حضرت حجی علیہ السلام (Haggai) اور حضرت ملاکی علیہ السلام (Malachi) لیے جاتے ہیں۔ معزز انبیا کرام علیہم السلام کے یہ مقبرے یہودیوں کے لیے بہت متبرک ہیں۔ وہ یہاں اکثر آتے ہیں۔ دعائیں بھی کرتے ہیں اور عبادات بھی۔ کبھی اجتماعی طور پر عبادت کے لیے بھی آتے ہیں۔ 1882ء میں ایک بار عیسائیوں کی ایک جماعت نے یہ ساری جگہ خرید کر یہاں روسی قدامت پسند چرچ بنانے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہودیوں نے شور مچایا اور ہنگامہ بھی کیا۔ بات عدالت تک گئی۔ عثمانی عدالت نے اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا مگر عیسائی جماعت نے خود ہی چرچ کا پروگرام ختم کر دیا اور اعلان کیا کہ بے شک زمین کی ملکیت ان کی ہے مگر ان زیارات کے دروازے سب کے لیے کھلے رہیں گے۔

حضرت زکریا علیہ السلام مسلمانوں کے لیے بہت ہی قابل احترام پیغمبر علیہ السلام ہیں۔ آپ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام (John the Baptist) کے والد گرامی بھی تھے اور حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت بھی آپ علیہ السلام کے ذمہ تھی۔ آپ علیہ السلام ہیکل دوئم کے منتظمین میں سے بھی تھے اور آپ علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے اس ہیکل کی حدود میں الگ سے عبادت کا ایک کمرہ بھی مختص کیا تھا۔ اس وقت چونکہ کسی خاتون کو ہیکل دوئم میں رہ کر عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پس شور بھی بہت اٹھا مگر حضرت زکریا علیہ السلام نے بہت صبر سے تمام تنقید برداشت کی۔ پھر آپ علیہ السلام نے خود اللہ پاک سے دعا فرمائی کہ آپ علیہ السلام کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ایک بیٹا عطا ہو جائے جو قبول ہوئی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت ہوئی۔ تب حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر تقریباً بانوے (92) برس تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ مریم کی آیات نمبر 4 تا 10۔

پھر قرآن کریم کی سورۃ انعام کی آیت نمبر 85 میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی تعریف کی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام سبھی راست باز تھے۔ اس سے قبل انجیل مقدس کی کتاب تواریخ نمبر 2 کے باب نمبر 24 کی آیات نمبر 20 تا 21 میں واضح

طور پر آپ علیہ السلام کے لیے بہت قابل احترام الفاظ استعمال ہو چکے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے مقبرہ کی تعمیر و تراش میں وہی اصول کارفرما ہیں جو آپ علیہ السلام کے ساتھ دوسری قبور کے لیے ان دنوں مستعمل تھے۔ ان میں مقبرہ بنی حضر (Tomb of Benei Hezir) زیادہ قدیم ہے اور چاروں مقبرہ جات پہلی صدی قبل مسیح میں چٹان کاٹ کر ہی بنائے گئے تھے۔ بنی حضر کے مقبرہ سے دستیاب تحریروں سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس غار میں بنی حضر خاندان کے لوگ ہی دفن ہوئے تھے اور وہ متمول خاندان تھا۔ قدیم عبرانی لٹریچر میں دوبار بنی حضر کا نام آیا ہے۔ ایک تواریخ اول کے باب نمبر 24 میں، جہاں انہیں سترہویں (17) تبلیغی جماعت کا بانی قرار دیا گیا اور دوسری بار نحمیاہ کے باب نمبر 10 میں، جہاں وہ لوکل رہنما کے طور پر بادشاہ کے فرمان پر دستخط کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ بنی حضر اور حضرت زکریا علیہ السلام کے مقبروں کے عقب میں غار کے اندر اڑتیس (38) قبریں پائی گئی ہیں۔

قدیم زمانوں میں ان قبروں تک رسائی کے لیے شمال سے گول سیڑھیاں نیچے اترا کرتی تھیں اور وہی مستعمل تھیں مگر صلیبی دور حکمرانی میں حضرت زکریا علیہ السلام کی نزدیکی جگہ پہاڑی کاٹ کر ایک سرنگ نما (Tunnel) راستہ بنایا گیا تھا۔ یہ سیڑھیاں اور نیا راستہ یا سرنگ ایک بڑے گول شکل کے ہال میں اترتے ہیں جو تقریباً 24 فٹ قطر کا ہے۔ یہاں سے دو مزید سرنگیں دس (10) فٹ اونچی اور پانچ فٹ چوڑی نکلتی ہیں جو پہاڑ کے اندر بیس (20) فٹ تک جاتی ہیں۔ پھر بعد کے دور میں یہاں سے ہی ایک تیسری سرنگ نکالی گئی جو چالیس (40) فٹ تک پہاڑ کے اندر چلی گئی تھی۔ پس انہی سرنگوں کے ارد گرد مختلف لوگوں کے تابوت رکھے ہوئے ملے اور عام قبریں بھی جو آثار قدیمہ والے محفوظ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ روشنی کا تسلی بخش انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ان سرنگوں میں یا غاروں میں سیاحوں کا داخلہ بند کیا ہوا ہے۔

باہر پائے جانے والے مقبروں کے نشانات میں پہلا ستون یا نشان ابی سلوم (Absalom) کی قبر کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ بھی پہاڑی کاٹ کر ہی تراشا گیا ہے اور اس کے اندر بھی لحد یا قبر کچھ نہیں۔ ابی سلوم حضرت داؤد علیہ السلام کے تیسرے بیٹے تھے جو آپ علیہ السلام کی بیوی معکہ (Maacah) کے بطن سے شہر خلیل میں پیدا ہوئے تھے مگر ابتدائی عمر میں ہی یروشلم چلے آئے تھے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یروشلم کی بستی فتح کر کے اسے اپنا صوبائی صدر مقام قرار دے دیا تھا۔ ابی سلوم کی ذاتی خوبصورتی اور بہت اعلیٰ گفتار و کردار کی بدولت حضرت داؤد علیہ السلام انہیں بہت پیار کرتے تھے اور عوام بھی بہت چاہتی تھی۔ ابی سلوم کا رہن سہن بھی عمدہ تھا مگر آخری دور میں اس نے اپنے باپ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور ابی سلوم Battle of Ephraim's Wood میں مارا گیا تھا (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: انجیل مقدس کی کتاب سموئیل نمبر 2 کا باب نمبر 18)۔ ان کی قبر تو یروشلم کے اس یہودی قبرستان یا غار میں تب سے ہی ہوگی مگر قبر کا موجودہ نشان پہلی صدی قبل مسیح میں ہی بنایا گیا اور تب سے ہی سیاحوں کے لیے اسی طرح قابل تعظیم و پرکشش ہے۔ مقبرہ کا یہ نشان چٹان کو تراش کر ہی بنایا گیا ہے مگر اس کے درمیان میں ایک بڑا سا سوراخ شاید اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اندر تنگ سیڑھی ہوگی جو زمین کے اندر بنی اصل قبر تک بھی جاتی ہوگی۔ اس مینار کی اونچائی تقریباً چھیاسٹھ (66) فٹ ہے جبکہ باقی ڈھانچہ تقریباً 20X20 فٹ کے قطعہ پر محیط ہے

حضرت زکریا علیہ السلام چونکہ حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاندان سے جڑے ہوئے تھے اور دونوں متبرک ہستیوں کی قبریں بلاشبہ یروشلم اور بیت اللحم میں ہیں تو تاریخ دان اس پر بھی متفق ہیں کہ یہ نشان حضرت زکریا علیہ السلام کے دور سے اسی طرح ہیں اور وہ یہیں پر دفن ہیں۔

قدیم منصفوں کے مقبرہ جات: یروشلم کے ایک پبلک پارک میں چٹانوں میں شگاف ڈال کر، ان کو کاٹ تراش کر کے ہیکل دوئم کی تباہی کے زمانے (70ء) کے تریسٹھ (63) یا اکہتر (71) تابوت ہائے کا سراغ لگایا گیا ہے اور اس علاقے کو سن ہیڈریا (Sanhedria) کہتے ہیں۔ اس علاقے میں تقریباً پانچ کلومیٹر قطر میں ان قدیم قبروں کی تعداد تقریباً ایک ہزار (1000) تک گنی گئی ہے۔ پہاڑیوں کے اندر غاروں میں ملنے والی یہ قبریں اپنے ڈیزائن کے اعتبار سے منفرد ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ان کی کھدائی کے بعد 1930ء میں انہیں عوام کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ ان قبروں کو سن ہیڈرن (Sanhedrin) بھی لکھا جاتا ہے۔ یہ یونانی

زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے اکٹھے مل بیٹھنا۔ یہ ہیکل دوئم کے زمانے میں یہودیوں کی گرینڈ جیوری تھی جس میں اکہتر (71) جج ہوتے تھے۔ جج یہودیوں کے مذہبی عالم ہوتے تھے۔ پس ان عدالتوں کو بھی Rabbinical Court کہا جاتا تھا۔عموماً ان میں سے تیئیس (23) جج مل کر ایک بینچ بناتے تھے۔ ہاں مگر بہت اہم کیسوں میں کل اکہتر (71) جج بھی بیٹھتے تھے۔ آج کل کی زبان میں اس کوفل کورٹ بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ عدالت ہیکل دوئم کے احاطے میں ہی لگتی تھی۔ 70ء میں ہیکل دوئم کی تباہی کے بعد یہ تمام جج صاحبان اور عدالت گیلی لی (Galilee) منتقل ہو گئے تھے۔ پھر بھی یہ سسٹم کئی دہائیاں چلتا رہا۔ ریکارڈ کے مطابق اس سن ہائیڈرن کا آخری فیصلہ 358ء میں لکھا گیا تھا جس کے تحت عبرانی کیلنڈر کو ختم کر کے عیسوی کیلنڈر کو سرکاری طور پر رائج کر دیا گیا تھا۔ سامنے دیکھنے پر یہاں قبروں کے چار چیمبرز نظر آتے ہیں اور ہر چیمبر میں اندر دو منزلیں ہیں۔ پہلے چیمبر میں کل تیرہ (13) تابوت ہیں جو الگ الگ محرابوں کے اندر ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔ کئی محرابوں کے جوڑے جوڑے بھی بنا کر ان کو تراشا گیا ہے۔ منطق سمجھ نہیں آئی سوائے اس کے کہ دو متصلہ محرابیں میاں بیوی کے مقبرے نہ ہوں۔ ہر محراب تقریباً 60 سینٹی میٹر چوڑائی میں ہے اور ہر چیمبر میں دس (10) تا بارہ (12) محرابیں بنی ہوئی ہیں مگر سب کے ڈیزائن تقریباً ایک جیسے خوبصورت ہیں۔ کئی ایک محرابوں میں تابوت مٹی کے نہیں بلکہ ایک ہی بڑے پتھر سے تراشے ہوئے ملے ہیں۔ تمام چیمبرز میں مل ملا کر تریسٹھ (63) محرابیں ہیں اور کہیں کہیں ساتھ ایسے چھوٹے مٹی کے برتن بھی ملے ہیں جن میں بوسیدہ ہڈیاں الگ سے رکھی گئی تھیں۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں سن ہائیڈرن کو مختلف ناموں سے پکارا گیا 1235ء میں اس جگہ اور قبروں کو راست بازوں کے مقبرے (Tombs of the Righteous) کہا گیا۔ عیسائیوں کی مذہبی تشریحات میں (1611ء) اس کو نبیوں کی قبور کہا گیا مگر زیادہ تر تاریخ میں انہیں منصفوں کی قبور ہی کہا گیا یعنی Tombs of the Judges۔ تمام ادوار میں یہ جگہ یہودیوں کے لیے کم از کم تیرہویں (13) صدی سے بہت متبرک اور قابل احترام زیارت رہی ہے۔ مگر آج کل (2018) ان زیارتوں کی کوئی دیکھ بھال نہیں کرتا۔ دروازوں پر لوہے کی سلاخیں لگی ہیں۔ اندر اور باہر گندگی کے ڈھیر ہیں مگر قریب جا کر دیکھنے پر غار در غار کی ایک تصویر دیکھنے کو ملتی ہے۔ اندر تو کوئی جا ہی نہیں سکتا اور یوں جج صاحبان کی تمام تر تاریخ گندگی اور تاریکی میں گم ہو گئی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش: یروشلم شہر سے ذرا دور آئن کیرم (Ein Karem) ایک قابل ذکر گاؤں ہوا کرتا تھا مگر پچھلی دو دہائیوں میں یروشلم اتنا پھیل گیا ہے کہ یہ زیارت کا مقام اب شہری حدود میں آ گیا ہے۔ آئن کیرم گاؤں میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ اب اس مقام پر ایک کیتھولک گرجا گھر قائم ہے مگر چرچ آف سپوکا کے برعکس یہاں ماحول بہت پرسکون ہے۔ اکا دکا سیاح دیکھنے آتے ہیں اور وہ بھی تصوف کی بھول بھلیوں میں گم چرچ کے کسی کونے میں وجدان کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے منسوب یہ چرچ کم از کم 1113ء کی تاریخ میں تو لکھا ملتا ہے۔ 1480ء میں سویڈن نژاد ایک مذہبی سکالر Feblix Febri نے بڑے دکھ سے لکھا کہ چرچ کی عمارت تو عالی شان ہے مگر اب اسے جانوروں کے اصطبل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ 1670ء کے لگ بھگ عثمانی فرمانرواؤں نے اس تمام گاؤں کو کیتھولک عیسائیوں کی ایک مخصوص جماعت کو گفٹ کر دیا جنہوں نے 1697ء تک یہاں نہایت ہی خوبصورت گرجا گھر دوبارہ کھڑا کر لیا تھا بلکہ اٹھارویں صدی میں اس مقام کو حکومتی سطح پر نہایت اعلیٰ تصور کیا گیا اور اس کا درجہ نظارت کر دیا گیا تھا۔ 1883ء میں ایک فلسطینی فنڈ کی تحریروں میں واضح طور پر اشارات کیے گئے کہ واقعتاً اس چرچ کو پہلے پہل صلیبی حکمرانوں نے ہی بنایا تھا۔ پھر زمانے کی دست برد نے اسے اصطبل بنائے رکھا مگر بعد میں بنایا جانے والا خوبصورت چرچ دراصل پرانے تباہ شدہ چرچ ہی کی بنیادوں پر اٹھایا گیا تھا جو آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ قائم ہے ہاں مگر چرچ تک پہنچنے کے لیے سنگ مرمر کی سات سیڑھیاں اور اس عمارت کا واحد گنبد اور اس کے چار ستون ترک حکمرانوں کی طرف سے بہت بعد میں تعمیر کیے گئے تھے۔

مگر یہ بات مسلم ہے کہ گو اس چرچ کی زیارت کرنے والے احباب اور سیاح بہت کم ہوتے ہیں مگر جو لوگ یہاں سے ہو کر جاتے ہیں انہیں اس جگہ کی

حرمت، خاموشی، معرفت کی مسحور کن فضا اور سرور بہت سالوں تک یاد رہتا ہے۔

ماہنی یہودہ مارکیٹ (Mahane Yehuda Market): مغربی یروشلم کا ایک بڑا بازار جسے یہودی، عربی اور اکثر سیاح سوق یعنی The Shuk کے نام سے پکارتے ہیں۔ سیاح خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی بھی ملک سے آئے ہوں مگر جب تک یروشلم میں یہودہ مارکیٹ کی زیارت نہیں کر لیتے اپنے سفر کو ادھورا خیال کرتے ہیں۔ یہ مارکیٹ ویسے تو کھلے آسمان تلے ہے مگر اب ایک سائیڈ کے بازار پر چھت ڈال دی گئی ہے۔ یہاں پر لگے تقریباً ڈھائی سو (250) سٹال بنیادی طور پر تو تازہ پھل اور سبزی بیچنے کے لیے ہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس فہرست میں بیکری، مچھلی، گوشت، پنیر، خشک میوہ جات، مصالحے، شراب، جوتے و کپڑے اور بہت سی دیگر اشیاء شامل ہوگئی ہیں۔ انہی سٹالز کے درمیان آپ کو ریسٹورنٹ، کیفے اور تازہ جوس بیچنے کی ریڑھیاں بھی مل جائیں گی۔ پھر کئی لوگ اپنے کاندھے پر اپنی دوکان اٹھائے آوازیں لگاتے بھی نظر آئیں گے۔ غرض ایک ہجوم ہوتا ہے آنے والوں کا اور اشیاء فروخت کرنے والوں کا اور ہر کوئی اپنے حال میں مست خراماں خراماں اپنا وقت انجوائے کرتا ہے اور سالوں تک ان لمحوں کو یاد بھی رکھتا ہے۔

یروشلم میں آئے ہر سیاح کو یہاں آنا بھی چاہیے کیونکہ یہ شہر کی سب سے بڑی مارکیٹ ہے۔ یہاں پر سپیشل بقلاوہ اور دوسری عربی مٹھائیاں بھی شوق سے کھائی جاتی ہیں اور سیاح سوچ میں پڑھ جاتے ہیں کہ کیا کیا کھائیں اور کونسی چیز پہلے کھائیں۔ فلافل، شوارما اور کبیدہ بھی بہترین دستیاب ہے۔ اکثر سیاح کھانوں اور دوکانوں کے چناؤ کے لیے ایک جدید App جسے Bitemojo کہتے ہیں کا سہارا لیتے ہیں اور اسی App کی رہنمائی میں دوکانوں کو تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ جہاں پر انہوں نے کھانوں کا انتخاب پہلے ہی سے کر لیا ہوتا ہے۔ سادہ الفاظ میں اس مختصر سفر کو Self Guided Food Tour کہہ سکتے ہیں کیونکہ سیاحوں کو مناسب غذا کی تلاش میں وقت ضائع نہیں کرنا پڑتا اور زبان سمجھنے اور سمجھانے کے مسائل پریشان نہیں کرتے۔ اس Bitemojo ایپ کی وساطت سے آپ نے صرف نقشہ دیکھنا ہے اور آپ اپنی مطلوبہ جگہ تلاش کر لیتے ہیں۔ آپ دکان تلاش کر کے وہاں پہنچ کر دوکاندار کو صرف فون پر اپنا Menu دکھاتے ہیں اور اپنا کھانا حاصل کر لیتے ہیں زیادہ تر لوگ جارجیا کی خواجہ پوری، کبیدہ اور آئس کریم کھانا پسند کرتے ہیں۔

ایک اور دلچسپ بات: دنیا بھر کی کمرشل مارکیٹ ہائے شام کے اندھیرے میں بند ہو جاتی ہیں مگر یہاں اس یہودی مارکیٹ کا چلن ہی عجیب ہے۔ یہاں غروب آفتاب کے بعد ایک اور دنیا بس جاتی ہے۔ یہاں پھلوں، سبزیوں اور گوشت وغیرہ کی دکانیں بند ہو جاتی ہیں تو ٹورسٹ لوگوں کے لیے جا بجا شراب کے سٹائل سج جاتے ہیں۔ ہلکی اور کہیں تیز موسیقی، انگریزی قسم کے کھانے اور دیگر مشروب، کہیں کہیں من چلے لوگوں کا ڈسکو ڈانس ان اوپن، قہقہے اور سرور آور قسم کا شور اس مارکیٹ کی افادیت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ ان لمحوں میں یروشلم جیسا پاکیزہ شہر بھی تل ابیب کی انتہائی مغربی طرز زندگی کی بھرپور جھلک پیش کرتا ہے۔

کچھ لوگ یہودہ مارکیٹ کو رات کے اوقات میں ایک اور تفریح کے لیے بھی پسند کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب پھلوں اور سبزیوں کی دکانوں کے شٹر گرتے ہیں تو ہر شٹر پر بہترین آرٹ کا کوئی نہ کوئی شاہکار دیکھنے کو ملتا ہے۔ برطانوی نژاد ایک آرٹسٹ سوزا (Solomon Suza) نے اپنے ڈیڑھ سو (150) شاہکار، تاریخی اہمیت کی حامل شخصیات کے پورٹریٹ اور آج کل کے لیڈران کی تصاویر اتنی عمدگی سے ہر بند دکان کے شٹر پر بنا دی ہوئی ہیں کہ بہت سے سیاح ان تصاویر اور پورٹریٹ کو دیکھنے کے لیے اس مارکیٹ کا رخ کرتے ہیں۔ دو گلیوں کا یہ سفر ان کے ذہن سے کبھی نہیں نکل پاتا کیونکہ ہر پورٹریٹ کے پس منظر میں ایک متحرک تاریخ پڑھنے کو ملتی ہے۔

آرٹ کی بات چل نکلی ہے تو یاد رہے کہ یروشلم میں روم یا پیرس کی طرح سٹریٹ آرٹ دیکھنے کو نہیں ملتا لیکن پھر بھی دو ایک جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں آرٹ کے دلدادہ لوگ بڑے شوق سے جاتے ہیں۔ ایک تو 1972ء میں تعمیر شدہ جافا روڈ پر ایک شاپنگ سنٹر بنام کلال سنٹر (Clal Centre) ہے اور یہودی مارکیٹ کے بالکل قریب۔ چونکہ یہاں پہلے فنون دستکاری اور آرٹ کا ادارہ ہوا کرتا تھا پس اسی مناسبت سے اس پندرہ منزلہ عمارت کی چھت پر سیاحوں کے دیکھنے کے لیے خاصا سامان موجود ہے اور ان کی حس لطیف کی آبیاری بھی ہو جاتی ہے۔

شہر قدیم کا ایک دروازہ

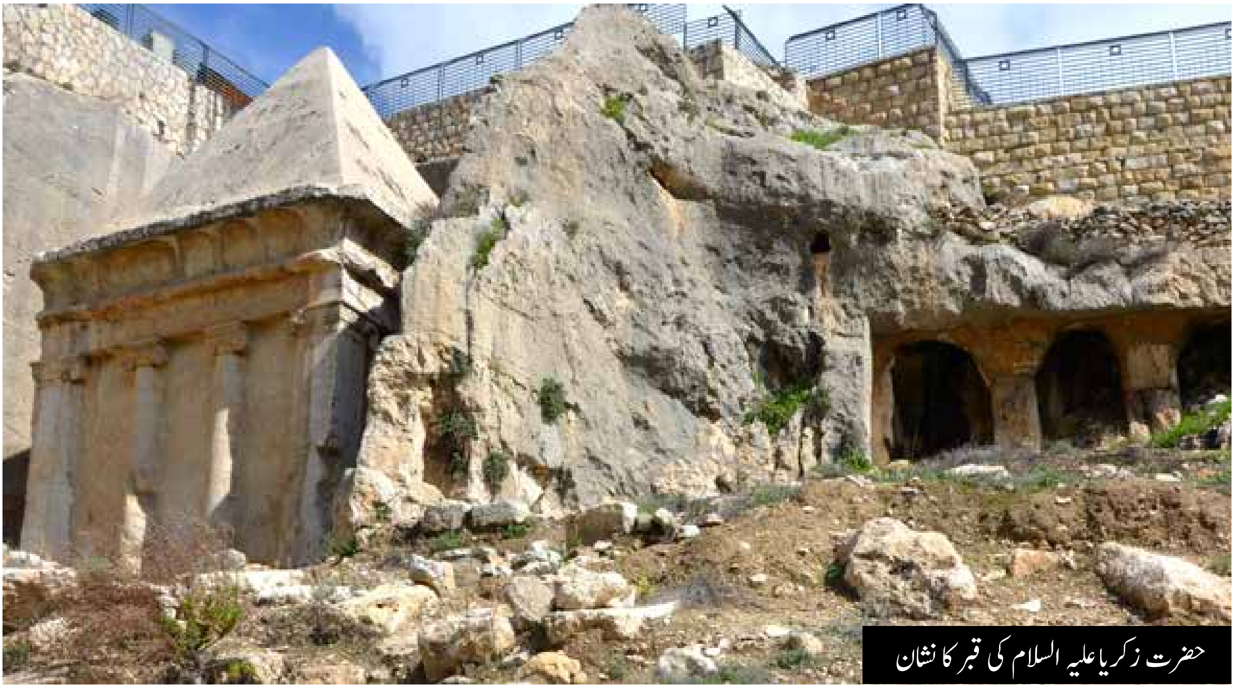

حضرت زکریا علیہ السلام کی قبر کا نشان

بنی حضر کی قبروں کے نشان

ابصالوم کی قبر کا نشان

فرعون کی بیٹی کا مقبرہ

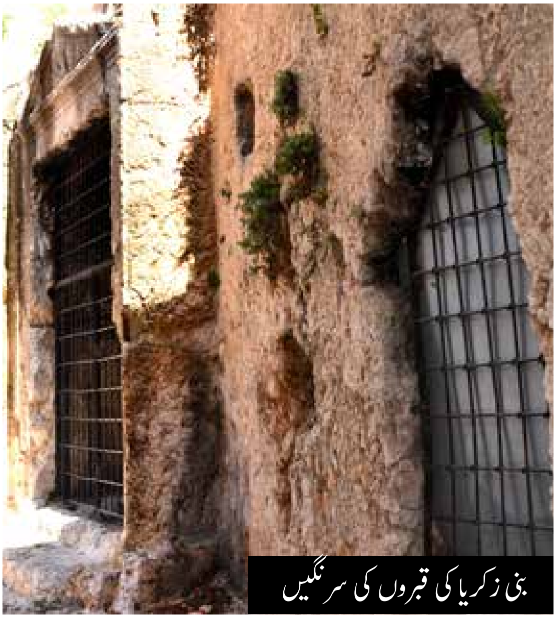

بنی زکریا کی قبروں کی سرنگیں

سنہری گنبد: اندرونی چھت کا منظر

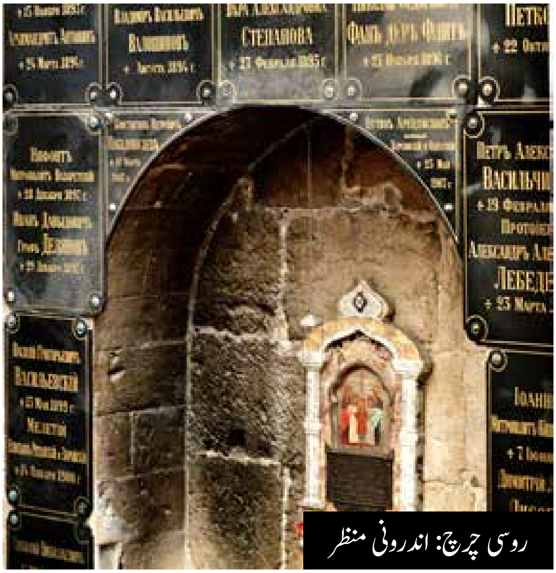

روسی چرچ: اندرونی منظر

روسی چرچ: اندرونی منظر

ججوں کی قبور: دو ہزار سال قدیم

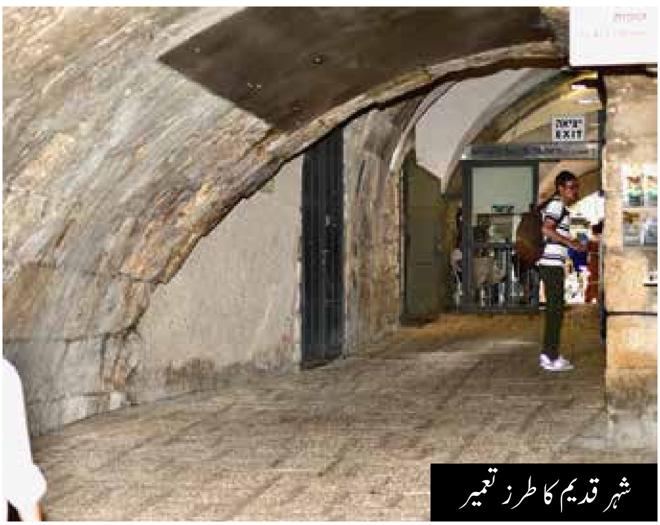

شہر قدیم کا طرز تعمیر

حضرت سموئیل علیہ السلام کی قبر مبارک

حضرت سموئیل علیہ السلام کی قبر مبارک

حضرت سموئیل علیہ السلام کی قبر کے ساتھ یہودی عبادت گاہ

ستر ججوں کی قبور

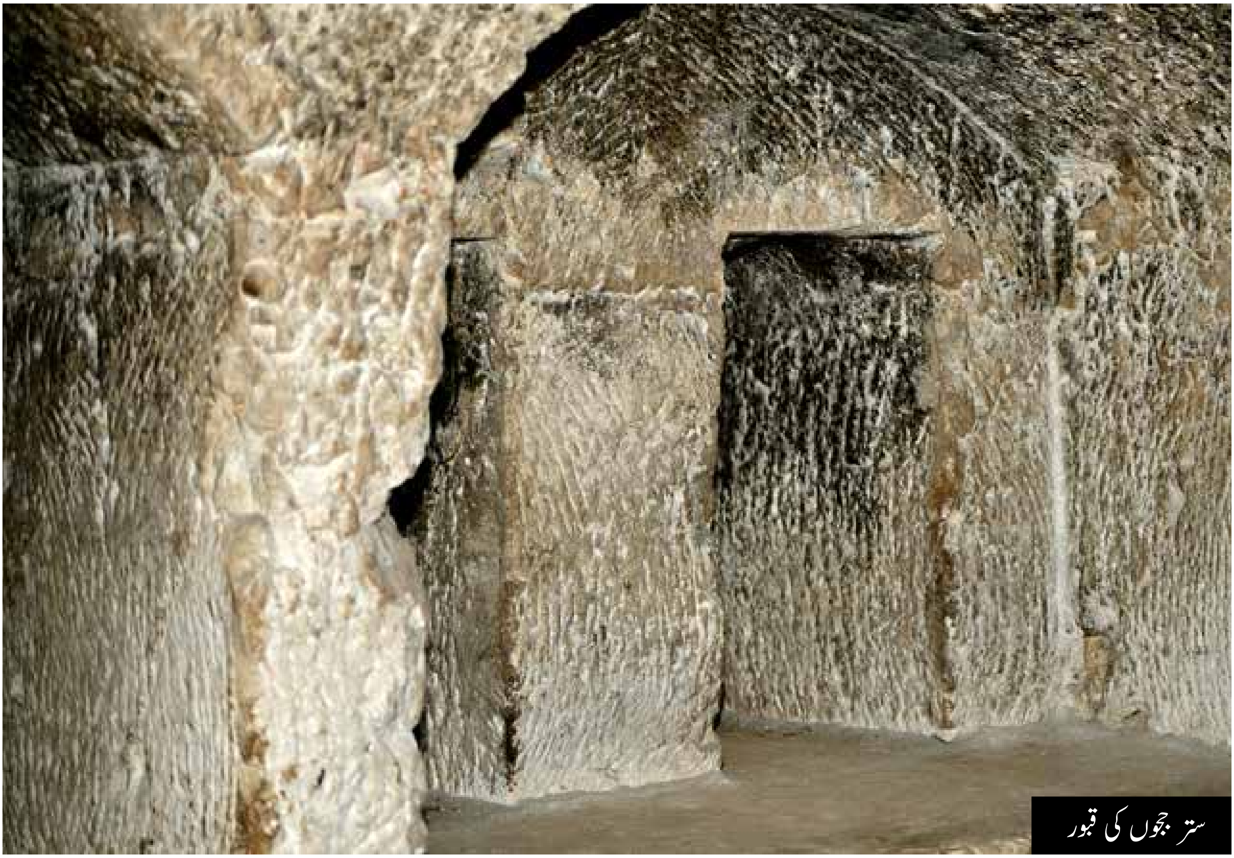

ستر ججوں کی قبور

ایک یہودی عبادت گاہ

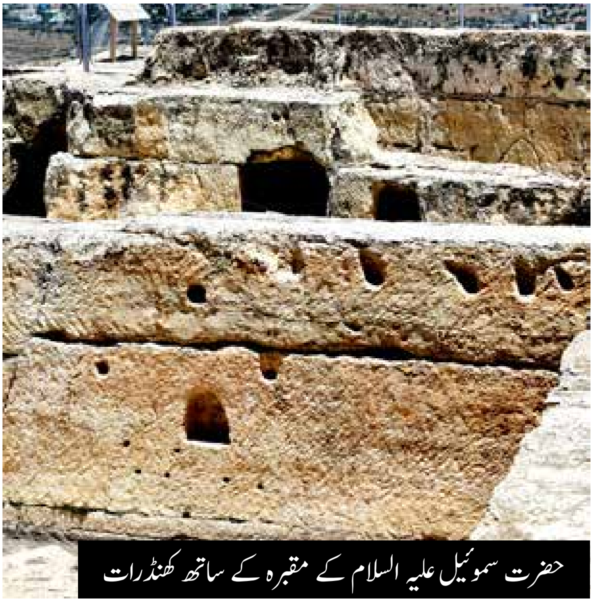
حضرت سموئیل علیہ السلام کے مقبرہ کے ساتھ کھنڈرات

جدید مغربی یروشلم

جدید مغربی یروشلم

یہودہ مارکیٹ: مغربی یروشلم

یہودہ مارکیٹ: مغربی یروشلم

یہودہ مارکیٹ: مغربی یروشلم

یہودہ مارکیٹ: مغربی یروشلم

مغربی یروشلم: رات کا منظر

مغربی یروشلم

تل ابیب: ائیرپورٹ

تل ابیب: ائیرپورٹ

JOURNEY TO AQSA

INAM R. SEHRI